ہر خاص وعام بالخصوص سکول وکالج،
دینی مدارس کے طلبہ وطالبات کو قرآن کریم کے
معانی ومطالب سے واقفیت حاصل کرانے اور سیکھنے کیلئے، لفظ بہ لفظ،
اُردو ترجمہ، ہر سبق 15 تا 20 منٹ کے دورانیہ پر مشتمل، آسان عام فہم اور دلنشین تعلیمی تفسیر

# ذَخِیرَۃُ البُرہَان فِی فَہمِ القُرآن

جلد 2

سَیَقُولُ ٢

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! (رضی اللہ عنہ) اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

مرتب ومؤلف: قاری محمد اکرام غفر لہٗ
مدرس: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (ضلع چکوال)

ہر خاص وعام بالخصوص سکول وکالج،
دینی مدارس کے طلبہ وطالبات کو قرآن کریم کے
معانی ومطالب سے واقفیت حاصل کرانے اور سیکھنے کیلئے، لفظ بہ لفظ،
اُردو ترجمہ، ہر سبق 15 تا 20 منٹ کے دورانیہ پر مشتمل، آسان عام فہم اور دلنشین تعلیمی تفسیر

# ذخِیرَۃُ البُرھَان

# فِی

# فَھمِ القُرآن

جلد 2

## سَیَقُولُ ۲

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! (رضی اللہ عنہ) اگر تو صبح کو ایک آیت کلام پاک کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے اور اگر عمل کا ایک باب سیکھ لے تو ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

مرتب ومؤلف: قاری محمد اکرام غفر لہ
مدرس! مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (ضلع چکوال)

تمام حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ذخِيرَةُ البُرْهَان فِي فَهْمِ القُرْآن
سَيَقُوْلُ ۲ (جلد 2)

صفحات: 362

ترتیب وتالیف: قاری محمد اکرام غفرلہٗ
مدرس! مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (ضلع چکوال)
0300-5902896

ٹائٹل وکمپوزنگ: ظفر محمود ملک
النور مینجمنٹ چکوال 0334-8706701

ناشر: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (ضلع چکوال)

تاریخ اشاعت: 2 صفر المظفر 1448ھ بمطابق 17 جولائی 2026

ویب سائیٹ: www.umarlibrary.org

# فہرست مضامین


عرضِ مرتب ........................ 11
تحویل قبلہ پر اعتراضات/ افضل امت اور اس کی گواہی
تقرر قبلہ کی غایت ........................ 13
تمام امت مسلمہ کے لیے قبلہ اول خانہ کعبہ .......... 13
قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض کرنے والے بے وقوف .... 15
بندے کا کام فرمانبرداری کرنا ہے ................ 16
اسلامی تعلیمات میں وَسَطٌ کا مفہوم ................ 16
اُمت مِحمدیہ کا اعزاز ........................ 17
رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے بارے میں شہادت 17
ایمان کے معتبر اور کامل ہونے کا دارومدار ........ 19
نبی کریم ﷺ کی قلبی تمنا اور اللہ کا حکم/ استقبال قبلہ میں اختلاف
استقبال قبلہ کے مسائل ........................ 22
نبی ﷺ قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں .... 22
سمتِ کعبہ کا استقبال ........................ 25
استقبالِ قبلہ سے متعلق چند مسائل ................ 25
تحویل قبلہ کی حکمت ........................ 26
رسول کریم ﷺ کو بحیثیت رسول پہچاننے کی تشبیہ .... 28
آپ ﷺ کی تشبیہ بطورِ رسول اس کشتی بان کی سی ہے .. 28
دونوں جہانوں کی کامیابی ........................ 29
مقابلہ کس چیز میں کرنا چاہئے/ ہر امت کے لئے جہت مقرر ہے
بنیادی چیز نیکی ہے ........................ 30
اصل مقصد نیکیوں کے حصول کی فکر ................ 30
نیکیوں میں سبقت کرنے والے ................ 31
مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم ................ 32
سفر کے دوران قبلہ کی طرف رخ کیے بغیر نماز پڑھنا .. 33
ہر بار کے حکم کی علت جدا ہے ........................ 34
ہر حال میں نماز میں خانہ کعبہ ہی کی طرف منہ کرنا ہے .. 35
ظالموں سے نہ ڈرو ........................ 36
نعمت سے مراد ........................ 36
تلاوت اور تزکیہ/ کتاب وحکمت کی تعلیم/ ذکر الٰہی
اور شکر الٰہی کی کثرت ........................ 38
کایا پلٹنے والا بہت بڑا انعام ........................ 38
کتاب وحکمت کی تعلیم کی اصل غرض وغایت .......... 39
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی نجاشی کے دربار میں تقریر .. 40
پیغمبر کے ذریعے نظام حکومت کی تعلیم ................ 41
تہذیب اخلاق کے پانچ اصول ........................ 42
ذکر الٰہی غیر محدود ........................ 43
دوسرا اصول شکر الٰہی/شکریہ ادا کرنے کی مختلف صورتیں 43
تہذیب الاخلاق کا تیسرا اصول صبر اور صبر کی اقسام
شہید کی تعریف، اقسام اور اس کے احکام ............ 45
انسان کی دو حالتیں/ صبر کی دو قسمیں ................ 45
صبر کا معنی ومطلب اور اس کی حقیقت ................ 46
صبر کی خوبصورت قسم ........................ 47
حظیرۃ القدس کا معنی مفہوم ........................ 48
اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ نہ کہو ....... 49
حیاتِ برزخی/ برزخی زندگی کیا ہے؟ ................ 49
حیاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ................ 50
حیات النبی سے متعلق جمہور اہل سنت کا عقیدہ ........ 51

شہداء کو مردہ کہنے کی ممانعت ........................ 51
شہید کی دو قسمیں، حقیقی اور حکمی ........................ 52
حکمی شہید کہلانے والے ........................ 52
آزمائشیں اور صبر/ صابرین کیلئے بشارت
آزمائش مقتضائے ایمان ہے ........................ 54
مصیبت کا بنیادی مطلب اور اس کی حقیقت ........................ 54
مقدس ہستیوں کی آزمائشیں ........................ 55
"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کب اور کیوں پڑھنی چاہیے؟ ........................ 57
صبر کرنے والوں کیلئے تین نعمتیں ........................ 58
صبر کی سب سے بہترین صورت ........................ 59
صفا و مروہ کے درمیان سعی/ زمزم فضیلت، اہمیت اور فوائد
دینی مسائل چھپانے کی وعیدیں ........................ 61
مکہ مکرمہ کی دو مشہور ترین پہاڑیاں ........................ 61
کوثر اور سلسبیل سے زیادہ فضیلت رکھنے والا پانی /کوثر اور سلسبیل کا مفہوم ........................ 63
آبِ زمزم روئے زمین پر بہترین، مبارک اور پاکیزہ پانی ........................ 64
شَعَآئِرِ اللهِ سے مُراد ........................ 64
حجر اسود کا استلام اور اس کی دعائیں ........................ 65
روشن باتوں اور ہدایت کو چھپانے والے ........................ 66
دینی مسائل چھپانے کی سخت وعیدیں ........................ 67
اسلامی شریعت میں بغیر تصدیق اور علم کے غلط مسئلے بتانے والا ........................ 68
لعنت کے مستحقین/ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے
معبود صرف ایک ہے ........................ 69
ہمیشہ کیلیے لعنت میں گرفتار رہنے والے ........................ 69
ایمان کی دولت سے محرومی بڑی بدبختی / ایمان کی سلامتی بہت بڑی سعادت ........................ 70
بُرے خاتمے سے خوفزدہ رہنے والے ........................ 71
دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والا گروہ ........................ 72
تعظیم شعائر اللہ کا واحد مقصد ........................ 74
ہمہ بیں، ہمہ دان اور ہمہ تو کا معنی و مطلب ........................ 74
دس احسانات/ رات اور دن کا تغیر/ زمین کے ذخائر/ چاند کی دھیمی روشنی کے فوائد ........................ 76
کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کا تذکرہ ........................ 76
چوبیس گھنٹے کا چکر ........................ 77
مدوجزر کا معنی و مطلب ........................ 78
زمین کی تخلیق میں انسانی زندگی کی بقا ........................ 79
چار بابرکت چیزیں ........................ 79
پہاڑوں کے ساتھ انسانی زندگی کے بہت سے مفاد وابستہ ........................ 80
شب و روز کے تغیر و تبدل میں بھی قدرت الٰہی کے واضح نشانات ........................ 80
سمندری سفر کی سہولت ........................ 81
حضرت ادریس (علیہ السلام) کے ہاتھوں سے ایجادات کا ظہور ........................ 81
نشانات قدرت کی ایک اور دلیل، آسمان سے نزول آب ........................ 82
دَآبَّةٍ کا انسانی معیشت میں بہت بڑا عمل دخل ........................ 82
ہواؤں کی گردش بھی صاحب عقل لوگوں کے لئے نشان راہ ........................ 83
دُخانی جہاز سے مراد ........................ 84
آندھی آنے کے وقت کی مسنون دعا ........................ 84

بادلوں کی تسخیر کا مطلب ........................ 84
غیر اللہ کی محبت/ اللہ ہی قادر مطلق ہے
نیک اعمال کی حسرت کرنے والے لوگ .......... 86
اللہ کا مدمقابل ٹھہرانے والے ........................ 86
اَنۡدَادًا کا بنیادی مفہوم ومطلب ........................ 87
اِشۡمَأَزَّتۡ کا بنیادی مفہوم ........................ 88
مشرکوں کی حالت زار کا نقشہ ........................ 89
اللہ کی سخت گرفت اور غلطی میں مبتلا گروہ .......... 90
قیامت کے دن حقیقت حال کا علم ہونا بے فائدہ ہوگا... 90
ایمان اور اعمالِ صالحہ کی اصل حسرت ............... 91
حلال وطیب رزق سے کیا مراد ہے؟/ رزق حلال کے فضائل
اور حرام رزق کی مذمت ........................ 93
حرام وحلال کرنا اللہ کا کام، نہ کہ انسانوں کا ............ 93
حلال وطیب سے مراد ........................ 94
رزق حلال کی فضیلت اور رزق حرام کی مذمت ....... 95
بزرگان دین کی رزق کے حلال ہونے میں کس قدر احتیاط
........................................ 96
برائی اور بے حیائی کی طرف بلانے والا ............ 96
دین سے گمراہ اور ناواقف آباؤ اجداد کی پیروی کرنے والے
........................................ 97
اچھی اور بری صحبت کے اثرات ........................ 98
نصیحت بے اثر کیوں؟ ........................ 100
حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ................ 101
محرمات اربعہ/ ایک شبہ اور اس کا ازالہ/ کتمان حق پر حقیر مفاد
اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ........................ 102
غیر مذبوحہ جانور کھانے کا حکم ........................ 102
بہتے ہوئے خون سے مراد اور حلال جانور کا خون ....... 103
سوّر اپنے جسم کے تمام اجزاء کے ساتھ حرام ہے ...... 104
غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ ........................ 104
حالتِ اضطرار اور حالتِ اکراہ کا معنی ومطلب ......... 105
چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کا مطلب .......... 106
کتمان حق بلا شبہ کفر ہے ........................ 107
ہر مسلمان پر کتنا علم دین سیکھنا فرض ہے؟ ............ 108
دنیا میں سب سے بہترین چیز ہدایت اور علم ہے ...... 109
کتاب میں اختلاف کرنے والا گروہ ................ 111
ایمان کی تفصیل/ نیکی کیا ہے؟ کن اعمال کو نیکی کہتے ہیں
نیکی کے اہم پہلو ........................ 112
ایمان! حقیقت ونوعیت ........................ 112
ایمان بالآخرت ........................ 113
اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان ......... 114
انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر ایمان لانا بھی ضروری. 114
ایمان تصدیق کا نام ہے اور اسلام اتباع کا نام ہے... 115
یتیموں اور مسکینوں کی حاجت براری ................ 116
مسافر اور محتاج بھی اعانت کے مستحق ................ 116
سائل اور گداگر میں فرق ........................ 116
جہاد کرتے ہوئے گرفتار ہونے والے مجاہدین کو رہا کرانا
........................................ 117
فوز وفلاح کا اہم ترین ذریعہ ........................ 117
وعدہ خلافی بھی نفاق کی علامت ........................ 118
اَلۡبَأۡسَاءِ وَالضَّرَّاءِ کا مختصر اور جامع مفہوم ......... 118
مذکورہ آیت میں تمام دینی مسائل کا خلاصہ .......... 119
اس آیت میں سولہ اُصولی تعلیمات ................ 120
اسلامی قانون اور جاہلیت کے قانون میں بنیادی فرق/
معافی کی صورتیں/ قصاص میں زندگی ہے .......... 122

شریعت میں قصاص، دیت سے مراد اور اس کا حکم ...122
خونِ انسان کی حرمت ........................125
مقتول کے وارث کا حق ........................126
پوری زندگی کا راز ........................127
اسلامی حدود کے نفاذ کی برکات ........................127
اسلام اور قانونِ جاہلیت میں بنیادی فرق ..........128
وصیت کی تعریف اور حکم/ وصیت کی اقسام
وصیت میں تبدیلی کی صورتیں ........................129
وصیت نہ کرنے کی صورت میں حق تلفی کا خطرہ .........129
آیت میراث میں والدین اور اقارب کے حصے .....130
وصیت واجب ہونے کا حکم ........................131
وصیت میں تبدیلی کی صورتیں ........................131
وصیت کا بدلنا بڑا گناہ ........................133
وصیت کی تعریف اور اس کی قسمیں ........................134
فرضیت روزہ اور اس کے روحانی وجسمانی فوائد
روزے کی رخصت کے چند اہم مسائل ..............136
کُتِبَ کا بنیادی لغوی معنی ومفہوم ........................136
ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن روزہ ..............137
روزہ کی غرض وغایت ........................138
روزہ سے بہتر حفظان صحت کا کوئی اصول نہیں ........138
گنتی کے چند دن ........................139
کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا........................139
روزے کی رخصت کے چند اہم مسائل ..............139
ایک مسکین کا فدیہ ........................140
روزے کے طبی فوائد........................141
ماہ رمضان اور قرآن پاک/قرب خداوندی/
قبولیت دعا کی تین صورتیں ........................143
ماہِ رمضان کی عظمت وفضیلت ........................143
قرآن مجید کی تین شانیں ........................145
ماہ مبارک کا قرآن پاک کے ساتھ خصوصی لگاؤ........146
سلف صالحین کا طریقہ ........................147
دعا کرنے کی ترغیب/ قبولیت دعا کی گھڑیاں ........147
دعا کی قبولیت رزق حلال کے ساتھ مشروط ..........149
سابقہ لغزش کی معافی/ اعتکاف فی المساجد
اور چند مسائل حفاظت حدود شرعیہ/ اکل حلال ........150
میاں بیوی کا ازدواجی تعلق تمہارے لئے حلال کر دیا گیا
........................150
میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس........................152
اس آیت کا شان نزول ........................153
قرآن سمجھنے کیلئے حدیث کا علم بھی ضروری ہے........154
اعتکاف کے چند مسائل ........................155
کسی کا مال ناحق کھانے کی وعید ........................155
شریعت میں سورج اور چاند کی گردش کا اعتبار
ہجری کیلنڈر، اہمیت، ضرورت، تقاضے ........................157
چاند کی حقیقت اور روزہ کی ابتداء وانتہا ........................157
چاند کی گردش اور سورج کی گردش ........................158
اعمال اور اوقات میں سورج کی گردش کا کردار ......159
ایام کا تعلق چاند سے کرنے کی حکمتیں........................159
''تقویم'' (کیلنڈر) ایک قومی، سماجی اور انسانی ضرورت
........................160
سنہ ہجری کی ابتداء کیسے ہوئی؟ ........................161
تاریخ انسانی کا قابل ذکر باب........................161
اسلامی انقلاب کی طرف ایک اہم پیش رفت ........162
اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے.163

جہاد پر اعتراض/ زیادتی کی ممانعت
جہاد کا مقصد/ فتنہ وفساد کی بیخ کنی ............ 165
حدیبیہ کا واقعہ/ حرمت والے مہینوں میں جنگ کا جواز .. 165
وَلَا تَعْتَدُوْا کا ایک اور مطلب ............ 166
لفظ فتنہ کا عربی زبان میں وسیع مفہوم ............ 167
جہاد کا حکم فطرت کے عین مطابق ............ 169
جہاد کی حکمت اور جہاد کی اصل غرض وغایت ............ 170
چار مہینوں کی حرمت ابتدا سے ہے/ انفاق فی سبیل اللہ
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہم مدات ............ 172
حُرمت والے مہینوں کا احترام باہمی رویہ پر منحصر ...... 172
تقویٰ اور عدل وانصاف کا درس ............ 173
انفاق فی سبیل اللہ کی دو قسمیں ............ 174
آج کے مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ باقی نہیں رہا...... 176
حج کی تعریف اور حج وعمرہ کے چند احکام
حج مبرور کیا ہے؟/ حج نہ کرنے پر وعیدیں ............ 179
حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو/ فرضیت حج ............ 179
حج کے فرائض ............ 181
اِحصار کے لغوی اور اصطلاحی معنی ............ 182
لِلّٰہِ کا مفہوم ومطلب ............ 184
حج مبرور کیا ہے؟/ حج مبرور کا بدلہ ............ 184
حج کے مہینے/ رَفَثَ اور فُسوق کی تحقیق وتفسیر/
تقویٰ بہترین زادہ راہ ہے ............ 186
حج کے احکام وآداب ............ 186
احرام کہاں سے باندھیں؟ ............ 188
رفث، فسوق اور جدال کا معنی ومفہوم ............ 188
مسافر کو زادراہ لینے کی ہدایت ............ 189
اسلام کا اعتدال وتوازن ............ 190
حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی ملاقات ............ 191
عرفات میں ''وقوف'' حج کا رکن اعظم ............ 193
منیٰ میں رات کا کتنا حصہ ٹھہر نا ضروری ہے/ طواف زیارت
ذکر الٰہی/ دنیا اور آخرت کیلئے جامع دعا ............ 194
عرفات اور مزدلفہ کے مناسک/ وقوف عرفہ حج کا رکن اعلیٰ
............ 194
طواف زیارت کا وقت اور طریقہ ............ 196
اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر ............ 197
لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کا معنی اور اس سے مراد! ... 198
دو قسم کے لوگوں کا ذکر ............ 198
دنیا اور آخرت دونوں کے طلب گار لوگ ............ 199
دین ودنیا کی تمام بھلائیاں ............ 200
قیامت کو دور نہ سمجھو ............ 200
منیٰ'' کے ایام میں حجاج کا خاص عمل ............ 201
مخلص اور منافق/ مسلمان مگر منافق/ سعودی عرب میں
اجرائے حدود/ جاں نثاران اسلام ............ 203
مخلص اور منافق کا حال ............ 203
ایک چاپلوس منافق کا تذکرہ ............ 204
تَوَلّٰی کا معنی ومفہوم اس کی تشریح ............ 205
مسلمانوں کیلئے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا دستور العمل مشعل راہ
............ 205
اعتقادی اور عملی منافقوں کا علاج ............ 206
حدود اللہ کا نفاذ ............ 207
رضائے الٰہی کی تلاش میں اپنی جان ومال کا سودا..... 208
وفاداری اور عشقِ رسول ﷺ کی علامت سمجھے جانے والے
حضرات ............ 209
اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاو

شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو........................211
پورے اسلام اور ساری شریعت پر چلو........................211
اسلام کا پورا نظامِ حیات........................212
کَآفَّۃً کا معنی اور اس کی تشریح........................213
ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ایک جامع آیت........................214
اسلام کا بنیادی عقیدہ........................215
یہود مدینہ کے بے جا مطالبات........................216
انبیاء نعمت الٰہی ہیں/ انعامات کی ناقدری
دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ........................218
رُشد و ہدایت کے اسباب و ذرائع کو غلط استعمال کرنے والوں
کا انجام........................218
قرآن وسنت کا دامن چھوڑ کر عزت کہاں نصیب ہو سکتی ہے
........................220
امت واحدہ/ بعثت انبیاء/ اتحاد اُمت اور اس کے تقاضے
........................224
دین وملت کی وحدت سے مراد........................224
ملت واحدہ کا زمانہ........................225
موجودہ دور کے مغربی علماء........................226
قرآن وسنت کے پیغام سے سرتابی........................229
عالم اسلام کی شوکت وعظمت!........................229
مشکلات کا سامنا/ سابقین کی مثالیں/ نصرتِ الٰہی اہل ایمان
کے لیے سب سے بڑی طاقت........................231
جنت میں داخلے کا حق دار........................231
راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنا خاصانِ خدا کا معمول رہا
........................233
کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں؟........................234
اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کا معنی ومطلب........................235
مال خرچ کرنے کے اولین مصارف........................235
تم پر جہاد فرض کیا گیا........................236
سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ/ مرتد اور اس کی سزا
اہل ایمان کے لئے خوشخبری........................238
حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم........................238
مرتد آدمی قوم وملت کا غدار........................240
موت کے بعد مرتد کی سزا........................241
فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر جرم........................242
سعادت کے اسباب........................243
شراب اور جوئے کی مذمت/ حرام چیز کی تجارت بھی
حرام ہے/ جوئے کے متعلق احکام........................245
شراب کے متعلق ابتدائی حکم........................245
شراب۔ انسان کی بدترین دشمن........................247
جوئے کی حرمت اور اکل حرام کی قباحت........................250
جوئے کی مختلف اقسام........................251
زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقہ، خیرات........................252
یتیم کی سرپرستی کے اہم پہلو/ مشرکین سے نکاح کی ممانعت
دوزخ اور جنت کی طرف دعوت........................254
چندروزہ دنیا اور ہمیشہ رہنے والی آخرت........................254
یتیموں کے مال کی حفاظت........................255
یتیموں سے متعلق احکام........................256
مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو........................257
قادیانی لڑکی سے نکاح شرعاً باطل اور حرام........................259
مرتد اور زندیق کا حکم........................260
حائضہ کے چند احکام/ افراط وتفریط سے اجتناب/
نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے........................262

حیض والی عورتوں کے ساتھ یہودیوں اور مجوسیوں کے رویے
........................................262
اَذًی لفظ کا بنیادی معنی اور اس کی تشرح ............263
استحاضہ اور حیض میں فرق کیسے کیا جائے؟............264
قریب نہ جاؤ اس سے مراد مجامعت کی ممانعت ہے...265
حیض کے مسائل و احکام ..........................265
عورتوں کی قربت سے مقصود نسل انسانی کا تسلسل اور افزائش
........................................266
اولاد کو شیطان سے محفوظ رکھنے کی مسنون دعا..........268
ناجائز قسم کی ممانعت/ موجودہ دور میں قسم کا کفارہ
ایلا کی شرعی حیثیت ..............................270
جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے ........................270
لغو قسموں سے مراد................................272
قسم کی بنیادی طور پر تین اقسام ........................272
یُؤْلُوْنَ کا بنیادی مطلب اور اس کی تشرح ...........273
اِیلاء مُؤقّت اِیلاء مُؤبّد..............................274
عدت کے مسائل و احکام/ اسلام میں مرد کی قوامیت اور
خاندانی نظام کا استحکام ...............................277
سخت وعید اور تہدید..................................277
نکاح ایک عبادت انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت....278
ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کا قرآنی و فقہی مفہوم ....................279
طلاق اور وفات کی عدت کا شرعی حکم...............280
عدت کا مقصد تحفظ نسب .............................281
اَرَادُوْٓا کے لفظ کی قرآنی تناظر میں تشریح...........281
شوہر اور بیوی کے چند حقوق .........................282
اسلام نے ایک شخص کو قانونی اور عملی طور پر فوقیت دی .283
اسلام میں نکاح وطلاق کا تصور/ طلاق دینے کا احسن طریقہ/
خلع کے احکام اور خلع لینے کا صحیح طریقہ ...............284
نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک دائمی اور اجتماعی معاہدہ
........................................284
طلاقِ رجعی کا حق (دو بار)..........................285
اسلام نے افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ اختیار کی
........................................286
خلع کا شرعی طریقہ..................................288
بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنے پر وعیدیں ...............290
حلالہ شرعی اصطلاح نہیں ہے/ نکاح میں زوجین کی
رضامندی کا لحاظ/ نکاح میں مسئلہ ولایت ...............291
تین طلاقیں دینے کے بعد نہ رجوع ہوسکتا ہے اور نہ ہی نکاح
........................................291
غلط اور مبنی بر جہالت حلالہ کی رسم...................292
اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں .........................294
ولی کی اجازت سے بغیر نکاح.........................294
باکرہ اور ثیبہ اسلامی فقہ میں دو بنیادی اصطلاحات ....295
نکاح سرپرست کی معرفت سے ہونا چاہئے ..........296
نکاح ثانی میں رکاوٹ نہ بنو/ مسئلہ رضاعت اور خرچہ کی
ذمہ داری/ دودھ پلانے والی ماں کی فضیلت .......298
پہلے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح .......................298
نونہال کی پرورش اور نگرانی کا انتظام ...................300
حقیقی ماں کی تین صورتیں.............................301
رضاعت کی مدت دو سال ............................303
عورت کی عدت کی اقسام، احکام اور مسائل/
عدت میں اشارے کنائے کی نوعیت ...................305
بیوہ عورت کی عدت کے مسائل و احکام ..............305

بیوہ عورت عدت کس طرح گزارے؟ ............ 307
بیوہ کی حق تلفی ............ 308
عدت کے دوران میں عورت کو صاف الفاظ کے ساتھ پیغام
نکاح دینا ............ 309
یہودیوں میں عدت کا کوئی نظریہ نہیں ............ 311
حق مہر کی اہمیت، حکمت اور شرعی حیثیت
معافی تقویٰ کی علامت ہے ............ 313
چھونے سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت پر عدت نہیں
............ 313
چھوئے بغیر طلاق دینے پر مطلقہ عورتوں کے لئے نصف مہر
............ 315
نکاح کے عمل میں حق مہر کی خاص اہمیت ............ 316
صلوۃ وسطیٰ کی اہمیت کا خصوصی ذکر/صلاۃ الخوف (خوف کے
وقت کی نماز) کا طریقہ/ بیواؤں پر احسان ............ 320
درمیانی نماز کی حفاظت کا حکم ............ 320
ساری شریعت کے قیام و بقاء کا دارومدار ............ 321
صلاۃ الخوف (خوف کے وقت کی نماز) کا طریقہ ............ 322
بیوہ کی عدت کے بعد کے حقوق و اختیارات ............ 324
مسلمان اس اہم نصیحت پر عمل کریں ............ 326
جہاد سے گریز حرام ہے/قرض حسنہ کا مفہوم/
موت سے فرار ممکن نہیں ............ 327
موت سے فرار ناممکن ............ 327
میدانِ جنگ سے فرار ہونا ایمان کی کمزوری ............ 329
اللہ کی راہ میں لڑو ............ 330
اللہ پاک کو قرض دینے کی وضاحت ............ 331
اسلام کا سیاسی نظام/ملوکیت کے تصور کے اہم پہلو
جماعت کی اہمیت ............ 334
اَلْمَلَاِ کا لغوی معنی اور تشریح ............ 334
جہاد ایک اجتماعی مسئلہ ............ 336
اسلامی تناظر میں ملوکیت ............ 338
اسلام میں جماعت کی اہمیت ............ 339
ہماری ذلت و پستی کی وجہ جہاد سے روگردانی ............ 340
طالوت کی بادشاہی/شریعت میں امیر کیسے منتخب ہوتے
ہیں؟/آلِ موسیٰ وہارون کے تبرکات ............ 341
نظام حکومت چلانے کی صلاحیت ............ 341
بنی اسرائیل کا شبہ اس کے تین طرح کے جواب ............ 343
حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات ............ 345
لشکر طالوت اور جالوت/سپاہی کے اوصاف/طالوت کے لشکر کی
آزمائش/آزمائش کے وقت کیا کرنا چاہیے؟ ............ 348
اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ............ 348
آزمائش اور امتحان لینے کے مختلف ذریعے ............ 351
لڑائی میں قلت وکثرت فیصلہ کن نہیں ہوتی ............ 352
میدانِ جنگ کی دعائیں/حضرت داوٗد عَلَیہِ السَّلَام کا
تعارف/ اسلام میں فلسفہ جہاد ............ 355
جامع اور حسن ترتیب سے آراستہ دعا ............ 355
میدان جنگ میں نبی اکرم ﷺ کی دُعاؤں کا منظر ............ 357


☆☆☆☆

# عرضِ مرتب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَن لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ!

آج انسانیت کے پاس قرآن مجید کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں جسے پورے یقین اور شرح صدر کے ساتھ الہامی اور محفوظ قرار دیا جاسکے، قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل سے امت کو بلندی حاصل ہوتی ہے اور اس سے غفلت برتنے سے پستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی جانب آخری پیغام اور زندگی گزارنے کا بہترین دستور ہے، دنیا و آخرت کی جملہ فوز وفلاح اسی سے وابستہ ہیں۔ قرآن کریم ہی آئین وقانون، دستور ومنشور، علم وعمل، موعظت وہدایت، شفا اور سکون ہے۔ عقیدہ وفکر سے لے کر عمل وآداب اور حسن معاشرت تک سبھی کچھ قرآن کریم میں ہے، اہل اسلام کو اپنی عظمت رفتہ کے حصول کے لیے پھر سے انفرادی واجتماعی طور پر قرآن کریم کو اپنانا ہوگا، اپنے انفرادی وجود سے لے کر اپنی ریاست تک کو قرآنِ کریم کی برکات سے آراستہ کرنا ہوگا۔ قرآن کریم سے صحیح معنوں میں استفادہ تبھی ممکن ہے، جب اسے خوب سمجھا جائے، اس میں تدبر کیا جائے، اس کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کی جائے۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ کے فضل وکرم اور اس کی عنایت سے دوسری جلد PDF کی شکل میں آپ کے سامنے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے اس بندہ ناچیز کو اللہ کریم نے اپنی تائید وتوفیق اور صحت وعافیت کے ساتھ جلد دوم جو سیقول پارہ کی تفسیر وتشریح پر مشتمل ہے مکمل کرنے کی توفیق دی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ یہ محض حق تعالیٰ جل شانہٗ کا انعام

عظیم اور احسان ہے اور اپنے اساتذہ اور بڑوں کی دعاؤں اور برکت کا ثمرہ ہے، اللہ کریم اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور تکمیل طباعت کا سامان فرمائیں آمین

محمد اکرام

مدرس! مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال (ضلع چکوال) پاکستان

یکم محرم الحرام 1448ھ بروز بدھ/ بمطابق 17 جون 2026ء

# تحویل قبلہ پر اعتراضات/ افضل امت اور اس کی گواہی

## تقرر قبلہ کی غایت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ
لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ
جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ
مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

### تمام امت مسلمہ کے لیے قبلہ اول خانہ کعبہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| سَيَقُوْلُ | عنقریب کہیں گے | السُّفَهَآءُ | بیوقوف | | |
| مِنَ النَّاسِ | لوگوں میں سے | مَا | کس چیز نے | | |
| وَلّٰىهُمْ | پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو | عَنْ قِبْلَتِهِمُ | ان کے قبلے سے | | |
| الَّتِيْ | وہ جو | كَانُوْا | تھے | عَلَيْهَا | اس (قبلے) پر |

| | | | |
|---|---|---|---|
| قُلْ | آپ کہہ دیں | لِّلّٰہِ | اللہ ہی کے لئے ہے |
| الْمَشْرِقُ | مشرق | وَالْمَغْرِبُ | اور مغرب |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یَھْدِیْ | وہ ہدایت دیتا ہے | مَنْ | جس کو | یَّشَآءُ | وہ چاہتا ہے |
| اِلٰی | طرف | صِرَاطٍ | راستے | مُّسْتَقِیْمٍ | سیدھے کی۔(142) |

جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو سولہ ماہ سے کچھ زیادہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے، شاید ایسا اس لئے ہوا کہ جن اُمور میں آپ ﷺ کو کسی متعین بات کا پابند نہ کیا جاتا تھا، ان میں آپ ﷺ اہل کتاب کے طریقہ کو قابل ترجیح تصور کرتے تھے یا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو باضابطہ اس کا حکم فرمایا گیا ہو؛ لیکن قرآن مجید میں اس کا ذکر نہ آیا ہو اس کے علاوہ تحویل قبلہ کے ضمن میں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمام امت مسلمہ کے لیے قبلہ اول خانہ کعبہ ہی تھا۔ حضرت آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اسے تعمیر کیا تو بھی یہی قبلہ تھا اور جب حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اسے تعمیر کیا تو اس وقت بھی یہی قبلہ تھا۔ مگر جب حضرت سلیمان (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہیکل سلیمانی تعمیر کیا۔ تو اس وقت تابوت سکینہ صخرہ پر پڑا رہتا تھا اور بنی اسرائیل اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے مستقل طور پر اسے ہی اپنا قبلہ بنا لیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی گرفت نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ قبلہ شرعاً بھی درست سمجھا گیا۔ مگر یہ صرف بنی اسرائیل ہی کا قبلہ تھا۔ مکہ کے مشرکین کا نہ تھا۔ وہ کعبہ کی ہی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ بہرحال اس کے بعد کعبۃ اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا، اس پر یہود کو تو اعتراض تھا ہی، اس لئے کہ بیت المقدس ان کا قبلہ بھی تھا، وہ آپ ﷺ کے اس عمل کو یہود دشمنی سے تعبیر کر رہے تھے، اس پر یہود، منافقین اور مشرکین سبھی نے اعتراضات شروع کر دیے کہ اگر وہ پہلا قبلہ درست تھا تو اسے بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر یہ درست ہے تو اتنی دیر بیت المقدس قبلہ کیوں رہا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ لوگ بے وقوفی کی وجہ سے ایسی باتیں کہہ رہے ہیں، مشرق یا مغرب کی اپنی کچھ حیثیت نہیں کہ ان کی طرف منہ کرنا باعث ثواب ہو، بلکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرماں

برداری ہے، کیونکہ مشرق ومغرب دونوں کا مالک وہی ہے۔وہ جب چاہے، جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے سکتا ہے۔تمہارا کام حکم ماننا ہے، کیونکہ صراط مستقیم وہی ہے جس کا وہ حکم دے، مگر اس پر چلنے کی توفیق وہ جسے چاہے دیتا ہے، جو توفیق سے محروم ہیں وہ بے وقوفی سے بے کار باتیں بناتے رہتے ہیں، قرآن نے ان ہی شبہات کا جواب دیا ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے نہ کہ سمت اور رخ، کیوں کہ سمتیں تو سب اللہ ہی کی ہیں اور خود اللہ کی ذات کسی سمت میں مقید نہیں ہے، اس لئے اگر اللہ کی طرف سے قبلہ میں تبدیلی ہو تو اس پر اعتراض کرنا بے وقوفی اور ناسمجھی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت ہی اس فتنہ سے آگاہ کر دیا، تاکہ آپ ﷺ ان کے اعتراضات کا معقول جواب دے سکیں۔

## قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض کرنے والے بے وقوف

فرمایا: اَلسُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ: بیوقوف لوگ۔قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف اس لیے کہا گیا کہ وہ ایک واضح بات پر اعتراض کر رہے تھے کیونکہ سابقہ انبیاء کرام علیہم الصّلٰوۃ والسّلام نے نبی آخر الزماں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائص میں آپ کا لقب ”ذُو الْقِبْلَتَیْن“ یعنی دو قبلوں والا ہونا بھی ذکر فرمایا تھا اور قبلہ کی تبدیلی تو اس بات کی دلیل تھی کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی پہلے انبیاء کرام علیہم الصّلٰوۃ والسّلام خبر دیتے آئے ہیں تو صداقت کی دلیل کو تسلیم کرنے کی بجائے اسی پر اعتراض کرنا حماقت ہے اس لئے انہیں بے وقوف کہا گیا، جیسے کوئی دھوپ کے روشن ہونے کو سورج کے طلوع ہونے کی دلیل بنانے کی بجائے، طلوع نہ ہونے کی دلیل بنائے تو اسے بیوقوف کے سوا اور کیا کہا جائے گا۔اس آیت میں بیت المقدس کے بعد خانہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے پر اعتراض کرنے والوں کو بیوقوف کہا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دینی مسائل کی حکمتیں نہ سمجھ سکے اور ان پر بے جا اعتراض کرے وہ احمق اور بیوقوف ہے اگرچہ دنیوی کاموں میں وہ کتنا ہی چالاک ہو۔آج کل بھی ایسے بیوقوفوں کی کمی نہیں ہے چنانچہ موجودہ دور میں بھی مسلمان کہلا کر شراب، سود، پردے، حیا، اسلامی نظامِ وراثت اور حدودِ اسلام پر اعتراضات کرنے

والے لوگ موجود ہیں اور ایسے افراد قرآن مجید کے حکم کے مطابق بیوقوف ہیں۔

## بندے کا کام فرمانبرداری کرنا ہے

**قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ:** تم فرمادو: مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے قبلہ پر اعتراض کرنے والے تمام لوگوں کو ایک ہی جواب دیا کہ انہیں کہہ دو: مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کا ہے، اسے اختیار ہے جسے چاہے قبلہ بنائے، کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ بندے کا کام فرمانبرداری کرنا ہے۔ گویا فرمایا کہ اے حبیب! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، آپ فرمادو: ہم مشرق و مغرب کے پجاری نہیں کہ سمتوں پر اڑے رہیں بلکہ ہم تو اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت کرنے والے ہیں، وہ جدھر منہ کرنے کا ہمیں حکم فرمائے ہم ادھر ہی منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور پڑھتے رہیں گے۔

## اسلامی تعلیمات میں وَسَطًا کا مفہوم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَ كَذٰلِكَ | اور اسی طرح | جَعَلْنٰكُمْ | ہم نے بنایا تمہیں | | |
| اُمَّةً | امت | وَّسَطًا | معتدل | | |

عربی زبان کا لفظ وَسَطًا (وسط) بنیادی طور پر میانہ روی، اعتدال اور توازن کی نمائندگی کرتا ہے، جس سے مراد دو انتہاؤں کے درمیان کی وہ بہترین حالت ہے جو افراط (زیادتی) اور تفریط (کمی) سے پاک ہو۔ لغت میں وَسَطًا کے معنی درمیانی چیز، مرکز، اور کسی بھی شے کے دو کناروں کے درمیان کا حصہ ہیں۔ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو نہ تو حد سے زیادہ کم ہو اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی ہو۔ اسلامی تعلیمات میں وَسَطًا کا مفہوم "اعتدال، توازن اور میانہ روی" ہے۔ قرآن مجید میں امتِ مسلمہ کو "اُمّتِ وسط" کہا گیا ہے، جس کا مطلب ایسی بہترین اور متوازن امت ہے جو عدل و انصاف پر قائم ہے اور دنیا کے لیے راہِ اعتدال کا درجہ رکھتی ہے اسی لئے "وسط" اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو افراط و تفریط سے دور اور راہِ اعتدال پر قائم ہو، اسی لئے بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ "معتدل" سے کیا ہے اور یہی اعتدال عدل کا راستہ ہوتا ہے؛ وَسَطًا « کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں، لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی

معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمہیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمہیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے۔

## اُمت ِمحمدیہ کا اعزاز

چنانچہ حدیث میں اُمَّةً وَّسَطًا کی تفسیر ''اُمت عدل'' سے کی گئی ہے، گویا اِس آیت میں اُمت محمدیہ کو ایک ایسی اُمت ہونے کی سند عطا فرمائی گئی ہے، جو جادۂ عدل واعتدال پر قائم ہے؛ اسی لئے اس اُمت کا منصب یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے بھی اور عمل سے بھی لوگوں کے سامنے اظہارِ حق کا فریضہ انجام دے معروف اور سچائی کی گواہ بنی رہے اور پوری انسانیت کے لئے نمونہ کا کام کرے، نیز رسول کے اِس اُمت پر گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی ذات اس اُمت کے لئے نمونہ ہے، گویا رسول کی زندگی اللہ کی مرضیات کی عملی گواہی ہے، اس آیت میں اُمت ِمحمدیہ کا اعزاز بھی ہے اور اس کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا گیا ہے کہ اس کی حیثیت پوری انسانیت کے لئے داعی ورہبر اور اسوہ ونمونہ کی ہے۔ یعنی اُمت ِمحمدیہ تمام امتوں میں سب سے افضل، برگزیدہ اور آخری امت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو قرآنِ مجید میں ''خیر اُمت'' (بہترین امت) کا لقب دیا ہے۔ اس کے سب سے بڑے اعزازات میں بے حساب مغفرت، پچھلی امتوں پر فضیلت اور روزِ محشر کی امتیازی شان شامل ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے بارے میں شہادت

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| لِّتَكُوْنُوْا | تا کہ تم ہو | شُهَدَآءَ | گواہ | عَلَى النَّاسِ | لوگوں پر | | |
| وَيَكُوْنَ | اور ہو | الرَّسُوْلُ | رسول | عَلَيْكُمْ | تم پر | شَهِيْدًا | گواہ |

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت پر اس بات کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام صحیح طور پر اپنی امت تک پہنچا دیا، روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے حق میں گواہ ہوں گے کہ انہوں نے انبیاء کے احکامات اپنی امت تک پہنچائے۔ امتِ مسلمہ تمام انسانوں

کے اعمال پر گواہ ہوگی، اور نبی ﷺ اس گواہی کی تصدیق فرمائیں گے۔ یہ امتِ محمدیہ ﷺ کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی امت دنیا میں نیک اعمال کی شہادت دیتی ہے اور رسول اللہ ﷺ اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے اپنی امت تک اللہ کا پیغام حق پہنچا دیا۔رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا سب سے روشن پہلو آپ کی شفاعتِ کبریٰ ہے۔نبی ﷺ روزِ محشر اپنی امت کے گنہگاروں کی بخشش اور مغفرت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے اور امت کے لیے سفارش فرمائیں گے۔طبری میں ہے یعنی آپ اس بات کی شہادت دیں گے کہ "انہوں نے وہ سب کچھ تم تک پہنچا دیا جو انہیں پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا" بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ "عَلَيۡكُمۡ سے مراد" تمہارے حق میں" بھی ہوسکتا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ایمان وصدق پر" مزکی" اور" تصدیق کرنے والے" ہوں گے۔قیامت کے منظر کی ایک تفسیر یہ بھی مفسرین نے نقل کی ہے کہ جب پچھلی امتیں انکار کریں گی کہ ان کے پاس کوئی نبی آیا تھا، تو رسولوں سے شہادت لی جائے گی، پھر امتِ محمدیہ کو بلایا جائے گا، اور آخر میں رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے بارے میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے حق قبول کیا تھا اور پیغام پہنچ گیا تھا۔اب ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ یہ پیغام آنے والوں تک پہنچائے، تبھی وہ ان پر شہادت دے سکے گا اور تبھی وہ امت وسط کہلانے کا حق دار ہوگا اور جو امت مسلمہ کی تمام گمراہی دیکھ کر بھی خاموش رہے گا وہ نہ گواہی دے سکے گا اور نہ امت وسط کا مصداق ہوگا۔ دوسری وہ شہادت ہے جو امت مسلمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خبر دینے کی بنا پر پہلی تمام امتوں پر دے گی کہ ان کے انبیاء علیہم السلام نے اللہ کے احکام ان تک پہنچا دیے تھے۔تیسری شہادت دنیا ہی میں مسلمانوں کی کسی کے حق میں نیک یا بد ہونے کی شہادت ہے، جس کی بنا پر نبی ﷺ نے ایک جنازے کے لیے جنت اور دوسرے کے لیے جہنم واجب ہونے کا اعلان فرمایا اور فرمایا: (أَنۡتُمۡ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الۡاَرۡضِ) "تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔" (بخاری)

## ایمان کے معتبر اور کامل ہونے کا دار و مدار

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمَا جَعَلْنَا | اور نہیں ہم نے بنایا | الْقِبْلَةَ | اس قبلہ کو | الَّتِيْ | وہ جو |
| كُنْتَ | تھے آپ | عَلَيْهَآ | اس پر | اِلَّا | مگر |
| لِنَعْلَمَ | تاکہ ہم جان لیں | مَنْ | اس (شخص) کو جو | | |
| يَّتَّبِعُ | پیروی کرتا ہے | الرَّسُوْلَ | رسول کی | مِمَّنْ | اس سے جو |
| يَّنْقَلِبُ | پھر جائے گا | عَلٰى عَقِبَيْهِ | اور پر اپنی دو ایڑیوں کے | | |
| وَاِنْ | اور بیشک | كَانَتْ | یہ (بات) تھی | لَكَبِيْرَةً | البتہ بڑی بھاری |
| اِلَّا | مگر | عَلَى الَّذِيْنَ | اوپر (ان کے) جن کو | هَدَى | ہدایت دی |
| اللّٰهُ | اللہ نے | وَمَا كَانَ | اور نہیں ہے | اللّٰهُ | اللہ |
| لِيُضِيْعَ | کہ وہ ضائع کردے | اِيْمَانَكُمْ | تمہارا ایمان | اِنَّ | بیشک |
| اللّٰهَ | اللہ | بِالنَّاسِ | لوگوں پر | لَرَءُوْفٌ | بڑا شفیق ہے |
| رَّحِيْمٌ | رحم کرنے والا۔(143) | | | | |

**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ** : یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے، مومنین صادقین تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لئے ان کے تو ادھر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انہوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قبلتین (یعنی وہ مسجد جس میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبا میں بھی ہوا **لِنَعْلَمَ** "تاکہ ہم جان لیں" اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تاکہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تاکہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں (فتح القدیر) بعض صحابہ (رضي الله عنهم) کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ (رضي الله عنهم) بیت المقدس کی طرف رخ

کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے، یا ہم جتنے عرصے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں، یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی تمہیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب نماز اور دیگر احکام الٰہی کی پابندی ہو گی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہونے کے بعد قبول کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا منافقت کی علامت ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی لوگوں کی ایک تعداد ایسی ہے جن میں یہ مرض بڑی شدت اختیار کیئے ہوئے ہے اور اسی مرض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ان کے لئے بہت دشوار ہو چکا ہے حالانکہ کامل مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم معلوم ہو جائے تو وہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اپنے نفس سے اٹھنے والی وہ آواز وہیں دبا دے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے معاملے میں اسے روک رہی ہو یا اس کے دل میں تنگی پیدا کر رہی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی نیکی اسے خوش کر دے اور برائی ( گناہ ) اسے رنجیدہ اور اداس کرے، تو وہ مومن ہے۔ گناہ کا احساس اور اس پر توبہ معتبر ایمان کی واضح ترین نشانی ہے۔ حقیقی ایمان کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے احکامات کو دل سے تسلیم کرے اور اپنی زندگی میں ان کی پیروی کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، دراصل اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ معتبر ایمان کا حامل شخص ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ خوشی پر شکر ادا کرتا ہے اور مشکلات یا آزمائش کی گھڑی میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ ایمان اگر جسم ہے تو اطاعت و محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی روح ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہے اسی طرح اطاعت و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ایمان کے نام پر کی جانے والی ہر کوشش بے سود اور بے نتیجہ ہے مثلاً جب انسان پر موت وارد ہوتی ہے تو فقط اس کی روح نکلتی ہے اور اس کے

جسم سے آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں الگ نہیں ہو جاتے بلکہ سب کچھ قائم رہتا ہے لیکن روح نکل جانے سے انسان کو زندہ نہیں بلکہ مردہ کہتے ہیں بالکل اسی طرح کا حال ہمارے اعمال کا ہے، اگر سارے کے سارے اعمال قائم رہیں لیکن اندر سے محبت اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عنصر نکل جائے تو گویا ایمان جو سب ایمان کی روح ہے ختم ہوگئی۔نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، دعوت وتبلیغ اگر یہ سب کچھ ہے لیکن محبت اور ادب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی ہو تو پھر یہ بے روح عبادات اور اعمال مردہ لاشے ہیں جو ہم اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلبی تمنا اور اللہ کا حکم/ استقبال قبلہ میں اختلاف

# استقبال قبلہ کے مسائل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا
بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا
تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

## نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| قَدْ | تحقیق | نَرٰی | ہم دیکھتے ہیں | تَقَلُّبَ | بار بار پھرنا |
| وَجْهِكَ | آپ کے چہرے کا | فِي السَّمَآءِ | آسمان کی طرف | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَلَنُوَلِّیَنَّكَ | تو ضرور ہم پھیر دینگے آپ کو | قِبۡلَةً | (اس) قبلے کی طرف |
| تَرۡضٰىهَا | (کہ) آپ پسند کرتے ہیں اس کو | فَوَلِّ | پس آپ پھیر لیں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَجۡهَكَ | اپنا چہرہ | شَطۡرَ | طرف | الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ | مسجد حرام کے |
| وَحَيۡثُ مَا | اور جہاں کہیں بھی | كُنۡتُمۡ | ہو تم | فَوَلُّوۡا | تو پھیر لو |
| وُجُوۡهَكُمۡ | اپنے چہرے | شَطۡرَهٗ | اسی طرف | وَاِنَّ | اور بیشک |

| | | | |
|---|---|---|---|
| الَّذِيۡنَ | (وہ لوگ) جو | اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ | دیئے گئے کتاب |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| لَيَعۡلَمُوۡنَ | وہ ضرور جانتے ہیں | اَنَّهُ | کہ بیشک وہ | الۡحَقُّ | حق ہے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| مِنۡ رَّبِّهِمۡ | ان کے رب کی طرف سے | وَمَا اللّٰهُ | اور نہیں ہے اللہ |
| بِغَافِلٍ | بیخبر | عَمَّا | اس سے جو |

| | |
|---|---|
| يَعۡمَلُوۡنَ | وہ عمل کرتے ہیں ۔(144) |

جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت ﷺ کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے اور چونکہ بیت اللہ بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اور اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں خانہ کعبہ کے قبلۂ آخرالانبیاء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں ۔اس لئے اس کا برحق ہونا اہلِ کتاب کو یقینی طور پر معلوم تھا، مگر ان کا نسلی غرور و حسد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔اس لئے آپ ﷺ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اسی کو قبلہ بنایا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے تھے،ااس آیت میں آپ ﷺ کی اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے ۔فرمایا: قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ : بیشک ہم تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں ۔اس آیت میں آپ ﷺ کے اس اشتیاق اور بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دعا مانگنے کا خوبصورت انداز میں ذکر کیا گیا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس خواہش کو شرفِ قبولیت بخشا، جب حضور اقدس صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انہیں

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اسی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔ البتہ حضور پرنور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے قلب اطہر کی خواہش یہ تھی کہ خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ بیت المقدس کو قبلہ بنایا جانا حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو ناپسند تھا بلکہ اِس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور ان کے علاوہ کثیر انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قبلہ تھا اور ایک وجہ یہ تھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ سے یہودی فخر و غرور میں مبتلاء ہو گئے اور یوں کہنے لگے تھے کہ مسلمان ہمارے دین کی مخالفت کرتے ہیں لیکن نماز ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن نماز کی حالت میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اس امید میں بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم آجائے، اس پر نماز کے دوران یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور انور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رضا کو رضائے الٰہی قرار دیتے ہوئے اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے چہرہ انور کے حسین انداز کو قرآن میں بیان کرتے ہوئے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خواہش اور خوشی کے مطابق خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نماز ہی میں خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے، مسلمانوں نے بھی آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ اسی طرف رخ کیا اور ظہر کی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف ہوئیں اور دو رکعتیں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کی گئیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، مسجد بنو حارثہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے، نماز کے درمیان ہی حکم نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابہ نے درمیانِ نماز ہی قبلہ تبدیل فرما لیا، آج کل یہ مسجد 'مسجد القبلتین' کہلاتی ہے، عصر کی نماز پہلی نماز ہے جو مسجد نبوی میں مکمل کعبہ رخ ادا کی گئی اور 'قبا' تک اطلاع پہنچتے پہنچتے دیر ہو گئی؛ اس لئے اگلے دن نماز فجر وہاں کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا کی گئی۔

(تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۳۹، ۱۴۰)

## سمتِ کعبہ کا استقبال

**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** : حرام کے معنی قابل احترام کے ہیں، اس سے وہ مسجد مراد ہے جو کعبۃ اللہ کے چاروں طرف ہے، مسجد حرام کے استقبال کا حکم دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دور کے لوگوں کے لئے بعینہٖ کعبہ کا استقبال ضروری نہیں؛ کہ ایسا حکم دینے میں سخت دشواری ہے؛ بلکہ کعبہ کے چاروں طرف نسبتاً وسیع دائرہ میں جو مسجد ہو، اس کا استقبال کافی ہے، گویا عین کعبہ کا استقبال کرنا ضروری نہیں، سمت کِعبہ کا استقبال کرلے تو کافی ہے۔ سفر میں نفل نماز، کشتی میں نماز، حالت جنگ میں نماز یا جسے قبلہ معلوم نہ ہوسکے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ جدھر منہ کر کے نماز پڑھ سکیں پڑھ سکتے ہیں۔ فرمایا: (فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ) [البقرۃ:115] "تو تم جس طرف رخ کرو، سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔" البتہ سفر میں اگر ممکن تو سواری کا رخ قبلہ کی طرف کر کے نفل نماز شروع کرلی جائے، اس کے بعد سواری کا رخ جدھر بھی ہو، مضائقہ نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنی اونٹنی کا رخ قبلہ کی طرف کر کے تکبیر کہتے پھر سواری آپ کا رخ جدھر کو بھی کرتی نماز پڑھتے رہتے۔

## استقبالِ قبلہ سے متعلق چند مسائل

اس آیت میں مسلمانوں کو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا، اسلامی شریعت میں نماز کے درست ہونے کے لیے کعبہ کی طرف منہ کرنا (استقبالِ قبلہ) بنیادی شرائط میں شامل ہے اس حوالے سے بنیادی اور فقہی مسائل درج ذیل ہیں: (1)......نماز میں کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ (2)......جو شخص عین کعبہ کی سمت خاص معلوم کرسکتا ہے، اگرچہ کعبہ آڑ میں ہو جیسے مکہ معظمہ کے مکانوں میں جب کہ مثلاً چھت پر چڑھ کر کعبہ کو دیکھ سکتے ہیں تو عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے،، جہت (کی طرف منہ کرنا) کافی نہیں اور جو شخص عین کعبہ کی سمت خاص معلوم نہیں کرسکتا اگرچہ وہ خاص مکہ معظمہ میں ہو اس کے لئے کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔ (3)......کعبہ کی جہت کی طرف منہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ منہ کی سطح کا کوئی جز کعبہ کی سمت میں

واقع ہو۔(4)......اگر کسی شخص کو کسی جگہ قبلہ کی شاخت نہ ہو، نہ کوئی ایسا مسلمان ہو جو بتادے، نہ وہاں مسجدیں محرابیں ہیں، نہ چاند، سورج، ستارے نکلے ہوں یا نکلے تو ہوں مگر اس کو اتنا علم نہیں کہ ان سے قبلہ کی سمت معلوم کر سکے، تو ایسے کے لئے حکم ہے کہ وہ سوچے اور جدھر قبلہ ہونا دل پر جمے ادھر ہی منہ کرے، اس کے حق میں وہی قبلہ ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کعبہ کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے (جیسا کہ مسجد الحرام میں)، اس کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے تاہم، جو لوگ دور ہیں، ان کے لیے عین کعبہ کی سیدھ معلوم کرنا ضروری نہیں بلکہ" جہتِ قبلہ" (کعبہ کی سمت) کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَئِنْ | اور البتہ اگر | أَتَیْتَ | آپ لے آئیں | الَّذِیْنَ | جنہیں |
| أُوْتُوا الْكِتَابَ | دی گئی کتاب | بِكُلِّ | ہر قسم کی | اٰیَةٍ | نشانی |
| مَّا تَبِعُوْا | (تب بھی وہ) نہیں پیروی کرینگے | قِبْلَتَكَ | آپ کے قبلے کی | | |
| وَمَا | اور نہ | أَنْتَ | آپ | بِتَابِعٍ | پیروی کرنے والے ہیں |
| قِبْلَتَهُمْ | ان کے قبلے کی | وَمَا | اور نہ | بَعْضُهُمْ | ان کا بعض |
| بِتَابِعٍ | پیروی کرنے والا ہے | قِبْلَةَ بَعْضٍ | بعض کے قبلے کی | | |
| وَلَئِنِ | اور البتہ اگر | اتَّبَعْتَ | آپ نے پیروی کی | | |
| أَهْوَآءَهُمْ | ان کی خواہشات کی | مِنْ بَعْدِ | اس کے بعد | | |
| مَا جَآءَكَ | جو آگیا آپ کے پاس | مِنَ الْعِلْمِ | علم | | |
| إِنَّكَ | بیشک آپ | إِذًا | اس وقت | | |
| لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ | البتہ (ہو جائینگے) ظالموں میں (145) | | | | |

## تحویل قبلہ کی حکمت

یعنی یہ جھگڑا کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض حسد وعناد کی بنا پر ہے۔یعنی اگر آپ یہ بات انہیں ان کی کتابوں سے دکھلا بھی دیں۔تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حسد بڑی خبیث

شے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے آدمی حق سے اندھا ہوجاتا ہے اور جس کے سینہ میں حضور پرنور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا کینہ ہے وہ اس کے ہوتے ہوئے تو کبھی مر کر بھی ہدایت نہیں پا سکتا، ایسے شخص کو قرآن و حدیث، معجزات اور عقلی و نقلی دلائل کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتے کیونکہ دل کا دروازہ کھلتا ہی تب ہے جب حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے بارے میں دل صاف ہو اور جس کا دل ہی اس چیز سے صاف نہ ہو تو اسے ہدایت کس طرح مل سکتی ہے۔ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ: اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرو۔ ارشاد ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار نہیں کہ ان کے قبلے کی پیروی کریں، اور یہ کہ اہل کتاب بھی قبلے کے معاملے میں ایک دوسرے کے متفق نہیں ہیں اس آیت میں یہودیوں کے قبلے کی پیروی سے منع کیا گیا، اس کا بنیادی مقصد خالصتاً اللہ کے احکامات کی مکمل اطاعت کا امتحان تھا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ سچے مومن کون ہیں اور کون اپنے پرانے نظریات سے وابستہ رہتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اب قبلہ منسوخ نہ ہوگا لہٰذا اہل کتاب کو اب یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ان میں سے کسی کے قبلہ کی طرف رخ کریں گے۔ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ: اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں ہیں۔ یعنی اے حبیب! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، اہل کتاب آپ کی مخالفت کرنے میں تو متفق ہیں لیکن قبلہ کے معاملے میں یہ خود بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور جس طرح ان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ آپ سے متفق ہو جائیں اسی طرح ان کے آپس میں متفق ہونے کی بھی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ (مدارک، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۴۵، ص ۸۵) اس لئے کہ یہود بیت المقدس کے 'ہیکل سلیمانی' کو قبلہ مانتے ہیں اور عیسائی آفتاب کے طلوع ہونے کی سمت کو، تو باوجودیکہ عیسائی تورات کی شریعت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر بھی اس کے قبلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں، تو ایسوں سے کیا اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ جاہلانہ تنگ نظری سے آزاد ہو کر کعبۃ اللہ کو قبلہ تسلیم کر لیں گے؟ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ: اور اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا۔ یہ امت کو خطاب ہے کہ خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کے بعد اگر کسی نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا تو وہ ظالم ہے۔

## رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیت رسول پہچاننے کی تشبیہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَلَّذِیۡنَ | (وہ لوگ) جن کو | اٰتَیۡنٰہُمُ | ہم نے دی (تھی) | الۡکِتٰبَ | کتاب |
| یَعۡرِفُوۡنَہٗ | وہ پہچانتے ہیں اس (رسول) کو | کَمَا | جیسے | | |
| یَعۡرِفُوۡنَ | وہ پہچانتے ہیں | اَبۡنَآءَہُمۡ | اپنے بیٹوں کو | | |
| وَاِنَّ | اور بیشک | فَرِیۡقًا | ایک فریق | مِّنۡہُمۡ | ان میں سے |
| لَیَکۡتُمُوۡنَ | البتہ وہ چھپاتے ہیں | الۡحَقَّ | حق کو | | |
| وَہُمۡ | حالانکہ وہ | یَعۡلَمُوۡنَ | جانتے ہیں ۔(146) | | |

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیت رسول پہچاننے کی تشبیہ اپنے بیٹوں کو پہچاننے کے ساتھ دی گئی ہے، کہ یہ لوگ جس طرح اپنے بیٹوں کو پوری طرح پہچانتے ہیں، ان میں کبھی شبہ واشتباہ نہیں ہوتا، اسی طرح تورات وانجیل میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح علامات ونشانات کا ذکر آیا ہے، اس کے ذریعے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یقینی طور سے جانتے پہچانتے ہیں ان کا انکار محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔

## آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشبیہ بطورِ رسول اس کشتی بان کی سی ہے

اہل اسلام کو بھی احادیثِ مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیتِ رسول (پیغمبر اور ہادی) پہچاننے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کی افادیت کو سمجھنے کے لیے نہایت خوبصورت اور جامع تشبیہات دی گئی ہیں۔ قرآنِ مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراجاً منیرا (سورۃ الاحزاب، آیت 46) کہا ہے۔ جس طرح ایک چراغ اندھیرے کو دور کرتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہالت، گمراہی اور شرک کے تاریک دور میں آکر انسانیت کو ہدایت اور توحید کا نور بخشا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کی رہنمائی اور فکرِ آخرت کو ایک ایسی ماں سے تشبیہ دی ہے جو اندھیرے میں اپنے بچے کو آگ میں گرنے سے بچانے کے لیے تڑپتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت رسول انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی بیماریوں (جیسے حسد، کینہ، اور جہالت) کے ایسے

مسیحا اور ماہر طبیب ہیں جو مریض کی نبض پہچان کر اس کا شافی علاج فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل انسانیت تباہی کے دہانے پر تھی، اور آپ ﷺ کی تشبیہ بطورِ رسول اس کشتی بان کی سی ہے جو طوفانوں میں گھرے ہوئے مسافروں کو بحفاظت ساحل مراد تک پہنچادے۔

## دونوں جہانوں کی کامیابی

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلْحَقُّ | (یہ) حق ہے | مِنْ رَّبِّكَ | آپ کے رب کی طرف سے |
| فَلَا تَكُوْنَنَّ | پس آپ نہ ہوجائیں | مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ | شک کرنے والوں میں سے |

فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ: حق وہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو۔ قبلہ کی تبدیلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہٰذا حق ہے تو اس میں شک نہ کیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے ہر حکم کو شریعت اور احکامِ الٰہی کہا جاتا ہے۔ ان کا بنیادی مقصد انسان کی فلاح، ہدایت، اور دونوں جہانوں کی کامیابی ہے یونہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا ہر حکم حق ہے اگرچہ اس کی حکمت ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے لیکن حق وہی ہوگا اور مسلمان کا کام اسے ماننا اور اس پر عمل کرنا ہے، کسی بھی طرح کے حالات میں اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو ہر قسم کی کجی سے محفوظ فرمائے۔

# مقابلہ کس چیز میں کرنا چاہئے/ ہر امت کے لئے جہت مقرر ہے بنیادی چیز نیکی ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۴۸ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۹ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ
لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِىْ ۗ
وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۰

## اصل مقصد نیکیوں کے حصول کی فکر

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلِكُلٍّ | اور ہر ایک کے لیے | وِّجْهَةٌ | ایک سمت ہے | هُوَ | وہ |
| مُوَلِّيْهَا | (چہرہ) پھیرنے والا ہے اس کی طرف | فَاسْتَبِقُوا | پس تم سبقت کرو | | |
| الْخَيْرٰتِ | نیکیوں میں | اَيْنَ مَا | جہاں کہیں (بھی) | | |
| تَكُوْنُوْا | تم ہوگے | يَاْتِ | لے آئے گا | بِكُمُ اللّٰهُ | تمہیں اللہ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| جَمِیۡعًا | سب کو | اِنَّ اللّٰہَ | بیشک اللہ | عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ | ہر چیز پر |
| قَدِیۡرٌ | | | خوب قادر ہے(148) | | |

**وَ لِکُلٍّ وِّجۡهَةٌ:** اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے،**وِّجۡهَةٌ** وہ جگہ جس طرف منہ کیا جائے۔اس کا وزن "فِعۡلَةٌ" ہے، جو اس "فِعۡلٌ" کا مؤنث ہے جو بمعنی مفعول ہے، جیسے "ذِبۡحٌ" بمعنی "مَذۡبُوۡحٌ"۔(ابن عاشور)اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے قبلے الگ الگ بنا رکھے ہیں اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں ان کو کسی ایک قبلے پر جمع کرسکو،لہذا اب ان لوگوں سے قبلے کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہیے، یعنی اصل چیز رخ کرنا نہیں بلکہ وہ بھلائیاں ہیں جن کے لیے تم نماز پڑھتے ہو۔لہذا سمت اور مقام کے جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے تمہیں اصل مقصد یعنی نیکیوں کے حصول کی فکر کرنا چاہیے۔اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرنا چاہیے۔کیونکہ قیامت کے دن یہی نیکیاں تمہارے کام آئیں گی۔اس آیت مبارکہ میں ایک بڑی ہی پیاری بات سمجھائی گئی ہے کہ مال و دولت،عہدہ و منصب،شہرت و مقبولیت اور دنیاداری ایسی چیز نہیں کہ اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے بلکہ یہ سب تو آزمائش اور محض دنیاوی زندگی کی زینت، دھوکے کا سامان اور فنا ہونے والی کمائی ہے، جبکہ باقی رہنے والی اور مقابلے کے قابل چیز تو اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کی اطاعت، جنت اور اس کی رضا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے بار بار بلایا ہے۔

## نیکیوں میں سبقت کرنے والے

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم کی سیرت میں نیکیوں میں مقابلے اور سبقت لے جانے کے بکثرت نظارے دیکھے جاسکتے ہیں جیسے حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ غزوہ تبوک میں گھر کا آدھا مال خیرات کرنے کیلئے لائے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ گھر کا سارا سامان لے آئے۔(شرح الزرقانی،کتاب المغازی،ثم غزوۃ تبوک، ۴ / ۶۹)

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم میں باپ بیٹے میں جہاد میں شرکت کیلئے بحث ہوتی، ہر کوئی کہتا

کہ میں شرکت کروں گا تم گھر پر رہو، حتیٰ کہ معذور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی راہ خدا میں شہادت کیلئے بے قرار رہتے۔(مدارج النبوہ، کارزار ہائے صحابہ ص ۱۲۴) غربت و بے کسی کی وجہ سے راہ خدا میں سفر نہ کر سکنے والے روتے تھے۔(توبہ: ۹۲) ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر آدھی رات عبادت کرتا تو دوسرا پوری رات، ایک اگر تہائی قرآن کی تلاوت کرتا تو دوسرا آدھے قرآن کی مطلب یہ ہے کہ اصل چیز نیکیوں میں سبقت ہے، اس کا اہتمام کرو، کیونکہ تم جہاں بھی ہو گے تمہیں اللہ کے حضور پیش ہونا پڑے گا، جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 میں فرمایا: "نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو اور لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال دے اس کی محبت کے باوجود قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جو اپنا عہد پورا کرنے والے ہیں جب عہد کریں اور خصوصاً جو تنگ دستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور یہی بچنے والے ہیں۔"[البقرۃ: 177] نیکیوں میں سبقت میں نماز کو وقت پر ادا کرنا، پہلی صف میں پہلی تکبیر کے ساتھ شامل ہونا، اسی طرح جہاد کی اولین صفوں میں پہنچنا بھی شامل ہے۔

## مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمِنۡ حَیۡثُ | اور جہاں سے | خَرَجۡتَ | آپ نکلیں | فَوَلِّ | پس کرلیں |
| وَجۡهَكَ | اپنا رخ | شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ | طرف مسجد حرام کے | | |
| وَاِنَّهٗ | اور بیشک یہی | لَلۡحَقُّ | حق ہے | | |
| مِنۡ رَّبِّكَ | آپ کے رب (کی طرف) سے | وَمَا اللّٰهُ | اور نہیں ہے اللہ | | |
| بِغَافِلٍ | بیخبر | عَمَّا | اس سے جو | تَعۡمَلُوۡنَ | تم عمل کرتے ہو۔(149) |

اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم ان آیتوں میں تین مرتبہ دہرایا ہے، اس سے ایک تو حکم کی اہمیت اور تاکید جتلانی مقصود ہے، دوسرے یہ بھی بتانا ہے کہ قبلے کا رخ کرنا صرف

اس حالت میں نہیں ہے جب کوئی شخص بیت اللہ کے سامنے موجود ہو؛ بلکہ جب مکہ مکرمہ سے نکلا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے اور کہیں دور چلا جائے تب بھی یہ فریضہ ختم نہیں ہوتا، البتہ یہاں اللہ تعالیٰ نے سمت کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ کعبے کا رخ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان کعبے کی سو فیصد سیدھ میں ہو بلکہ اگر سمت وہی ہے تو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم پورا ہو جائے گا اور انسان اس معاملے میں اتنا ہی مکلف ہے کہ وہ اپنے بہترین ذرائع استعمال کر کے سمت صحیح متعین کر لے ایسا کر لینے کے بعد اس کی نماز ہو جائے گی۔

## سفر کے دوران قبلہ کی طرف رخ کیے بغیر نماز پڑھنا

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ آیت 115) "تو تم جدھر بھی رخ کرو، ادھر اللہ کا چہرہ ہے"۔ لیکن اگر سواری کو قبلہ رخ کرنا ممکن ہو تو نماز شروع کرنے سے پہلے کعبے کی طرف منہ کر لینا افضل ہے۔ (اس لیے کہ) کبھی کبھار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نماز کے آغاز میں "اللہ اکبر" کہتے وقت اونٹنی سمیت قبلہ رخ ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فرض نماز سواری سے نیچے اتر کر اور قبلہ رخ ہو کر ادا فرماتے تھے اس لیے فرض نماز سواری پر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو، مثلاً ٹرین یا ہوائی جہاز میں سفر کے دوران اترنا ممکن نہ ہو اور نماز کا وقت نکل جانے کا ڈر ہو تو وہیں نماز ادا کر لینی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

واضح رہے کہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے قیام بھی ضروری ہے اور قبلہ رخ ہونا بھی ضروری ہے، اگر تندرست آدمی بیٹھے بیٹھے نماز پڑھے تو نماز درست نہ ہوگی، نیز گاڑی میں قبلہ رخ رہنا بھی ممکن نہیں ہے، لہذا گاڑی کو کسی جگہ رکوا کر رکوع سجدہ کا اہتمام کرتے ہوئے نماز پڑھنے سے نماز کا ذمہ ادا ہوگا، اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے لیے پوری زمین کو مثل مسجد نماز پڑھنے کی جگہ بنا دیا ہے، کسی بھی پاک جگہ پر نماز پڑھی جا سکتی ہے، اگر کسی نے چلتی کار، وین وغیرہ میں فرض نماز ادا کر لی تو اس کو دہرانا لازم ہے۔ "بس" کے بارے میں ذرا تفصیل ہے کہ اگر شہر سے باہر لمبا سفر ہو اور بس ڈرائیور کہنے کے باوجود بس نہ روکے اور نماز کا وقت نکل رہا ہو، تو دیکھا جائے گا کہ اگر بس کے اندر قبلہ رخ

ہو کر قیام، رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز ادا کی جا سکتی ہے تو اس طرح نماز ادا کرے۔ (چنانچہ اگر بس قبلہ رخ چل رہی ہو یا مخالف سمت جا رہی ہو اور سیٹوں کے درمیان فاصلہ ہو تو قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کی جا سکتی ہے، البتہ اگر شمالاً جنوباً (پاکستان وغیرہ میں) جا رہی ہو تو یہ کیا جا سکتا ہے کہ قیام اور رکوع کیا جائے، سجدے کے لیے سیٹ پر بیٹھ کر سامنے والی سیٹ پر سجدہ کر لیا جائے)۔ اور اگر بس میں مذکورہ صورتوں کے مطابق نماز ادا نہ کی جا سکتی ہو (مثلاً قیام ہی ممکن نہ ہو، یا قیام تو ممکن ہو لیکن قبلہ رخ نہ ہو سکے، یا سجدہ نہ کیا جا سکتا ہو، یا کار وغیرہ کا ڈرائیور گاڑی نہ روکے) اور نماز کا وقت نکل رہا ہو تو فی الحال "تشبہ بالمصلین" (نمازیوں کی مشابہت اختیار) کر لے، پھر جب گاڑی سے اتر جائے تو فرض اور وتر کی ضرور قضا کرے۔ یعنی فرض نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ایسا حکم ہے کہ سفر میں بھی اس کا اہتمام ضروری ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ سفر کی مشقت کی بنا پر یہاں تخفیف ہو گی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ) وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ) اس حکم کی تاکید کے لیے ہے اور (وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ) اس کی مخالفت سے ڈرانے کے لیے ہے، تاکہ اسے معمولی سمجھ کر کوئی نظر انداز نہ کرے۔ (ابن عاشور)

## ہر بار کے حکم کی علت جدا ہے

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَمِنْ حَيْثُ | اور جہاں سے | خَرَجْتَ | آپ نکلیں | فَوَلِّ | پس کر لیں | | |
| وَجْهَكَ | اپنا رخ | شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ | طرف مسجد حرام کے | | | | |
| وَحَيْثُ مَا | اور جہاں کہیں (بھی) | كُنْتُمْ | تم ہو | فَوَلُّوا | تو پھیر لو | | |
| وُجُوهَكُمْ | اپنا رخ | شَطْرَهُ | اس کی جانب | لِئَلَّا | تاکہ نہ | يَكُونَ | رہے |
| لِلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | عَلَيْكُمْ | تم پر | حُجَّةٌ | کوئی دلیل | | |
| إِلَّا | سوائے | الَّذِينَ | اُن لوگوں کے جنھوں نے | ظَلَمُوا | ظلم کیا | | |
| مِنْهُمْ | ان میں سے | فَلَا تَخْشَوْهُمْ | پھر نہ ڈرو تم ان سے | | | | |
| وَاخْشَوْنِي | اور (بلکہ) مجھ ہی سے ڈرو | وَلِأُتِمَّ | تاکہ میں پوری کروں | | | | |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| نِعۡمَتِیۡ | اپنی نعمت | عَلَیۡکُمۡ | تم پر | وَلَعَلَّکُمۡ | اور شاید کہ تم |
| تَہۡتَدُوۡنَ | ہدایت پاؤ۔(150) | | | | |

اس آیت میں پچھلا حکم دہرایا گیا ہے، پہلے جملے "فَوَلِّ وَجۡھَکَ" میں مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں اور دوسرے جملے "فَوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ شَطۡرَہٗ" میں تمام مسلمان مخاطب ہیں، تاکہ یہ حکم نبی ﷺ کے ساتھ خاص نہ سمجھا جائے۔ دہرانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں بیت اللّٰہ کو قبلہ مقرر کرنے کی مزید حکمتیں بیان کرنا مقصود ہے۔ اس رکوع میں لگاتار تین مرتبہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اور مسلمانوں کو مسجد حرام یعنی کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ تکرار ہے لیکن درحقیقت یہ تکرار نہیں کیونکہ ہر بار کے حکم کی علت جدا ہے، پہلی بار جب نماز میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کی علت یہ بیان ہوئی کہ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رضا جوئی کے لئے مسجد حرام کو قبلہ بنایا اور نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ جب مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ہر امت کا الگ الگ قبلہ بنایا ہے جس کی طرف منہ کرکے وہ نماز پڑھتے ہیں، اور جب امت محمدِیَہ بھی ایک امت ہے تو ان کا قبلہ مسجد حرام کو بنایا اور اس کی طرف منہ کرکے انہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ تیسری مرتبہ جب یہ حکم دیا گیا تو اس کی یہ علت بیان فرمائی کہ قبلہ کے معاملے میں یہودی مسلمانوں کے خلاف حجت قائم نہ کرسکیں۔ (تفسیر کبیر)

## ہر حال میں نماز میں خانہ کعبہ ہی کی طرف منہ کرنا ہے

**وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ شَطۡرَہٗ:** اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔ اس آیت میں مجموعی طور لوگوں سے فرمادیا گیا کہ تم حالتِ سفر میں ہو یا حالتِ اقامت میں، جنگل و بیابان میں ہو یا شہر میں، ہر جگہ ہر حالت میں اور ہر وقت تم سب نے نماز میں خانہ کعبہ ہی کی طرف منہ کرنا ہے تاکہ یہودیوں کو اس اعتراض کا حق نہ رہے کہ ان کی کتابوں میں تو قبلہ کی تبدیلی کا لکھا ہوا تھا لیکن اِس نبی نے تو ایسا کیا ہی نہیں، یا وہ یہ اعتراض نہ کرسکیں کہ یہ نبی

ہمارے دین کی تو مخالفت کرتے ہیں لیکن قبلہ ہمارے والا ہی مانتے ہیں اور مشرکین کو یہ اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے قریش کی مخالفت میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قبلہ بھی چھوڑ دیا حالانکہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ان کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی عظمت و بزرگی مانتے بھی ہیں۔ (خازن)

## ظالموں سے نہ ڈرو

اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ: ظالموں سے نہ ڈرو۔ یعنی مشرکوں کی باتوں کی پرواہ مت کرو۔ انہوں نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارا قبلہ تو اختیار کرلیا ہے، عنقریب ہمارا دین بھی اپنالیں گے۔ (مجھ ہی سے ڈرتے رہو)۔ جو حکم میں دیتا رہوں، اس پر بلاخوف عمل کرتے رہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو حجت پوری ہو چکی، اب بھی اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ خود ظالم ہے۔ یاد رہے کہ دین کی راہ میں طعنے سننا انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سنت رہی ہے۔ تحویل قبلہ کو اتمام نعمت اور ہدایت یافتگی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الٰہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انعام و اکرام کا مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب پیش نظر رکھنا چاہئے اور کسی بھی کام کو کرنے یا نہ کرنے سے پہلے اس بات پر غور ضرور کرلینا چاہئے کہ یہ کام کرنے یا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی یا اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

## نعمت سے مراد

وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ: اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو تمہارا رسول بنایا جو کہ تمہارے سامنے حق کی طرف ہدایت دینے والی آیتیں تلاوت فرماتے ہیں، رشد و ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت پر قطعی دلائل قائم کرتے ہیں، تمہیں بت پرستی کی نجاست سے پاک کرتے ہیں اور تمہیں وہ چیز

سکھاتے ہیں جن سے تم اپنے نفسوں کو پہچان سکو اور ان کا تزکیہ کر سکو، اسی طرح مستقل طور پر تمہارے لئے بیتُ اللہ کو قبلہ بنا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔ نعمت سے مراد وہی امامت اور پیشوائی کی نعمت ہے جو بنی اسرائیل سے سلب کر کے اس امت کو دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، مگر ان سب میں سب سے عظیم اور قیمتی نعمت ایمان ہے، اور ایمان کی تکمیل محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ حقیقی ایمان اسی وقت کامل ہوتا ہے جب حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت سب دنیوی رشتوں اور تعلقات پر غالب آجائے۔ دراصل اللہ نے کائنات کو محبت اور نفرت کے دو بنیادی جذبات پر قائم کیا ہے؛ محبت تعمیری قوت ہے اور نفرت کو اسی لیے پیدا کیا گیا تاکہ محبت کی قدر اور حقیقت پہچانی جاسکے۔ اس تناظر میں ایمان کا جوہر محبتِ رسول ﷺ ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ایمان کی بنیاد اور معیار عشقِ مصطفی ﷺ ہے، اور یہ محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ عملی زندگی میں اطاعت، سنت کی پیروی، اخلاقِ نبوی کو اپنانے اور ہر شے پر نبی کریم ﷺ کی محبت کو مقدم رکھنے سے ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم دراصل اس منصب پر تمہاری سرفرازی کی علامت ہے۔ جب تک میری اطاعت کرتے رہو گے، یہ منصب تمہارے پاس رہے گا۔ اور نافرمانی کی صورت میں یہ چھن بھی سکتا ہے۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی توفیق اور جذبہ عطا فرمائے، اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر دانی کی توفیق دے، آمین۔

# تلاوت اور تزکیہ/کتاب وحکمت کی تعلیم/ ذکر الٰہی اور شکر الٰہی کی کثرت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

## کایا پلٹنے والا بہت بڑا انعام

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| كَمَآ | جیسا کہ | اَرْسَلْنَا | ہم نے بھیجا | فِیْكُمْ | تم میں | رَسُوْلًا | ایک رسول | | |
| مِّنْكُمْ | تم (ہی) میں سے | یَتْلُوْا | وہ پڑھتے ہیں | عَلَیْكُمْ | تم پر | | | | |
| اٰیٰتِنَا | ہماری آیتیں | وَیُزَكِّیْكُمْ | اور پاک کرتے ہیں تمہیں | | | | | | |
| وَیُعَلِّمُكُمُ | اور سکھلاتے ہیں تم کو | الْكِتٰبَ | کتاب | وَالْحِكْمَةَ | اور حکمت | | | | |
| وَیُعَلِّمُكُمْ | اور سکھلاتے ہیں تمہیں (وہ باتیں) | مَّا | جو | | | | | | |
| لَمْ تَكُوْنُوْا | نہیں تھے تم | تَعْلَمُوْنَ | جانتے۔(151) | | | | | | |

فرمایا كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ جس طرح ہم نے تم میں سے تمہاری طرف

ایک رسول بھیجا۔ یہاں پر لفظ کَمَآ تشبیہ کے لئے آیا ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے بیت اللہ شریف کو قبلہ مقرر کر کے تم کو فضیلت بخشی اور اتمام نعمت کیا۔ اسی طرح ہم نے تمہاری طرف عظیم الشان رسول بھیج کر تم پر احسان کیا اور اپنی نعمت کو کامل بنایا۔ اس نعمت نے تمہاری کایا پلٹ دی۔ تم جاہل تھے اللہ نے تمہیں علم سے نوازا، تم ذلیل تھے۔ اللہ نے تمہیں سربلند کیا۔ تم ہر وقت لڑتے مرتے اور بدامنی کا شکار تھے۔ اللہ نے تمہارے دل ملا دیئے اور آپس میں محبت ڈال دی، اور یہ سب کچھ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ پھر جس طرح تم میں رسول بھیجنا ایک بہت بڑا انعام تھا۔ رسول کا بھیجنا بھی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعامات میں سے ہے دوسری جگہ قرآن پاک نے حضور ﷺ کے وجود مبارک کو نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ کُفۡرًا کیا آپ نے قریش مکہ اور مشرکین عرب کو نہیں دیکھا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناقدری کی۔ گویا نعمت کو کفر کے ساتھ تبدیل کیا۔ مراد یہ ہے کہ خود حضور ﷺ جن کا وجود پاک اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی ناقدری کا مقصد یہ کہ جس طرح ہم نے تمہاری طرف تمہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ فرمایا ایک ایسا رسول یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھتا ہے۔ لفظ آیت مختلف معانی کے لئے آتا ہے۔ اس سے مراد معجزہ، نشانی، حکم یا فرمان ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارا مبعوث کردہ رسول ہماری آیات یعنی ہمارا کلام جو بذریعہ وحی نازل ہوتا ہے وہ پڑھ کر سناتا ہے۔ وَیُزَکِّیۡکُمۡ اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے یعنی پاک صاف کرتا ہے۔ رذیل اور گندے اعتقادات سے بچا کر تمہارے اندر اچھے اخلاق اچھے اعمال اور اچھے عقائد کرتا ہے۔

## کتاب وحکمت کی تعلیم کی اصل غرض وغایت

یہ ایسا عظیم الشان رسول ہے۔ جو تلاوت وتزکیہ کے ساتھ ساتھ یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اس تعلیم کا ذکر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا میں بھی آچکا ہے وہاں بھی انہوں نے یہی دعا کی تھی کہ اے ہمارے رب اس امت مسلمہ میں ایسا رسول بھیج جو انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ وہاں پر تزکیہ کا ذکر کتاب و

حکمت کی تعلیم کے بعد کیا تھا۔مگر یہاں پر اس کا ذکر پہلے آیا ہے۔مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس تقدم وتاخر میں بھی نکتہ پنہاں ہے۔وہاں پر دعا کا مقام تھا کہ مولا کریم! ایسا رسول مبعوث فرما جو ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ان کا تزکیہ ہو جائے وہ ظاہری اور باطنی طور پر ہر لحاظ سے پاک صاف ہو جائیں اور یہ مقام عمل کا مقام ہے۔تعلیم کتاب وحکمت کی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان کا تزکیہ ہو جائے۔اب جب کہ امت مسلمہ پیدا ہو چکی۔عظیم الشان رسول مبعوث ہو چکا تو اب کتاب وحکمت کی تعلیم کی اصل غرض وغایت یعنی تزکیہ کو پہلے بیان فرمایا کہ جس طرح ہم نے تم میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ہماری آیات پڑھتا ہے۔تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔الغرض! حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کا مقام تعلیم اور پیش گوئی کا مقام تھا اور یہ عمل کا مقام ہے۔لہٰذا کتاب وحکمت کی تعلیم کی غرض وغایت یعنی تزکیہ کو پہلے بیان فرمایا جب تک مقصد حاصل نہ ہو، عمل کا کچھ فائدہ نہیں تعلیم اسی وقت مفید ہوگی۔جب اس کا مقصد تزکیہ حاصل ہو جائے۔تعلیم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات تزکیہ ہے جس کا تذکرہ اس مقام پر پہلے کیا گیا ہے۔فرمایا کتاب وحکمت کی تعلیم کے علاوہ ہمارا رسول **وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۱۵۱** تمہیں وہ چیزیں بھی سکھاتا ہے۔جو تم نہیں جانتے تھے۔مثلاً لوگ وضو اور طہارت کا طریقہ نہیں جانتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغمبر (علیہ السلام) کی تعلیم کے ذریعے سکھایا۔لوگ غسل جنابت کے طریقہ سے ناواقف تھے۔انہیں تعداد رکعات معلوم نہ تھیں۔نماز اور دیگر عبادات کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔حلال وحرام کی تمیز نہ تھی۔یہ سب چیزیں اللہ نے نبی کے ذریعے سکھائیں۔اسی کو فرمایا کہ ہمارا رسول تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے۔جو تمہارے علم میں نہ تھیں۔

## حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی نجاشی کے دربار میں تقریر

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کچھ مسلمان قریش مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور کفار نے وہاں بھی مسلمانوں کا پیچھا کیا تو حضرت جعفر نے نجاشی کے دربار میں جو تقریر کی اس کا لب لباب یہ تھا کہ اے بادشاہ! ہم بت پرستی کرتے

تھے۔ہمارے اندر ہر قسم کی برائیاں موجود تھیں۔حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ظلم وجور کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔حق وانصاف کے تقاضوں سے ناآشنا تھے،اللہ تعالیٰ نے ہم میں نبی آخرالزمان مبعوث فرما کر سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ خدا کے ساتھ شرک نہ کرو،بت پرستی سے باز آجاؤ۔صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔حلال وحرام میں تمیز پیدا کرو کسی کو ظلم کا نشانہ نہ بناؤ۔اللہ کے نبی نے ہمیں عبادت کا صحیح طریقہ سکھایا۔تہذیب وتمدن کے اصول بتلائے اور معیشت کے نکات سمجھائے۔آپ نے عقائد کی اصلاح کے اصول بتائے اور پھر پیش آنیوالے واقعات کو بیان فرمایا مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔قبر کی زندگی،قیامت کو دوبارہ جی اٹھنا پل صراط پر سے گزرنا اور آخر میں محاسبے کی منزل،میزان عدل کا قیام اور پھر اللہ رب العزت کا آخری فیصلہ،یہ سب باتیں حضور ﷺ نے امت کو بتلا دیں گویا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زبان سے کہلوایا اے لوگو! آؤ میں تم کو نہ بتلاؤں کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے کس کس چیز کو حلال اور کس کس کو حرام قرار دیا ہے۔مطلب یہی ہے کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتلاؤں،جو تم نہیں جانتے۔

## پیغمبر کے ذریعے نظام حکومت کی تعلیم

اسی طرح حضور ﷺ نے مظالم سے بچنے کا طریقہ بتلایا۔مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام یہ ہے کہ اس نے بہترین نظام حکومت قائم کرنے کے اصول بتلائے اور پھر انہی اصولوں کے مطابق نظام خلافت قائم ہوا۔عرب کے لوگ ہزاروں سال تک نظام حکومت سے نابلد رہے،حالانکہ دیگر اقوام مثلاً رومی اور ایرانی نظام حکومت سے بخوبی واقف تھے۔یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا کہ اپنے پیغمبر کے ذریعے نظام حکومت کی تعلیم دی جس کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں پرچم اسلام آدھی دنیا پر لہرانے لگا۔یہ سب چیزیں وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

## تہذیب اخلاق کے پانچ اصول

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَاذْكُرُوْنِيْٓ | لہٰذا تم مجھے یاد رکھو | اَذْكُرْكُمْ | میں تمہیں یاد رکھوں گا |
| وَاشْكُرُوْا لِيْ | اور تم شکر کرو میرے لئے | وَلَا | اور مت |
| تَكْفُرُوْنِ | ناشکری کرو میری (152) | | |

تہذیب اخلاق کے پانچ اصول ذکر، شکر، صبر، دعا، تعظیم، شعائر اللہ ان انعامات کا تذکرہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جب میں نے اتنے بڑے بڑے انعامات تم پر کیئے ہیں تو پھر تمہارا ابھی فرض ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ مجھے یاد کرو۔ گویا یہاں سے تہذیب کا باب شروع ہوتا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی قباحتیں بیان کیں۔ پھر ملت ابراہیمی کی بنیاد کا ذکر کیا۔ خانہ کعبہ کے مرکز ہدایت ہونے کا بیان ہوا۔ پیغمبر (علیہ السلام) کا ذکر ہوا۔ کتاب کا بیان آیا اور اب یہاں سے تہذیب اخلاق یا تہذیب نفس کے احکام شروع ہوتے ہیں۔ جن کی بدولت انسان میں تہذیب اور شائستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں اس مقام پر دو اصول بیان ہوئے ہیں اور باقی تین اصول آئندہ رکوع میں بیان ہوں گے۔ پہلا اصول ذکر الٰہی: تہذیب نفس کا پہلا اصول جو یہاں بیان ہوا، وہ ذکر الٰہی ہے۔ گویا ہمارا نصاب تعلیم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ذکر زبان، عمل، قلب اور روح کے ذریعے ہوتا ہے۔ ذکر کا عام فہم طریقہ زبان کے ذریعہ سے ہے۔ انسان زبان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ تلاوت کلام پاک کرتا ہے۔ یہ سب ذکر کی زبانی صورتیں ہیں۔ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا بِذِكْرِ اللهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهُ یعنی تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ کہیں فرمایا کہ نماز سب سے افضل عمل ہے اور کہیں جہاد فی سبیل اللہ کو افضل عمل قرار دیا تاہم یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان کی زبان ہر وقت ذکر الٰہی سے تر رہنی چاہئے۔

## ذکر الٰہی غیر محدود

ذکر الٰہی ایک ایسی عبادت ہے۔جس کی کوئی حد نہیں،نماز،روزہ،جہاد وغیرہ سب محدود ہیں مگر ذکر الٰہی غیر محدود ہے اسی لئے فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا اے ایمان والو! اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر کثرت سے یاد کرو، ذکر الٰہی میں اتنے محو رہو کہ لوگ دیوانہ کہنے لگیں۔اور پھر ذکر الٰہی کا صلہ یہ ملے گا۔کہ”لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ “ تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔الغرض ذکر الٰہی کثرت سے کرو، کیونکہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔اس طرح گویا ذکر الٰہی کرنے والے کا تعلق براہ راست خدا تعالیٰ کی تجلی اعظم کے ساتھ ہو جاتا ہے۔اس طرح ذاکر کی نفسیاتی کیفیت جس قدر روح اعظم کے مطابق ہوگی اسی قدر اس کو قرب الٰہی حاصل ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس سے انسان کے اندر شائستگی پیدا ہوگی،جس کے بغیر وہاں داخلہ ممکن نہیں۔اگر جسم، روح قلب یا نفس میں کسی قسم کی نجاست ہوگی تو قرب الٰہی نصیب نہیں ہوسکتا۔یہ ملت ابراہیم کا اہم اصول ہے۔جس سے انسان کو تہذیب نصیب ہوتی ہے۔یہ سب ذکر الٰہی کی برکات ہیں۔حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے معاذ! جب بھی نماز پڑھو تو اس کے بعد یوں کہا کرو اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ۔یعنی اے اللہ! مجھے اپنا ذکر کرنے،شکر کرنے اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

## دوسرا اصول شکر الٰہی/شکریہ ادا کرنے کی مختلف صورتیں

تہذیب نفس کا دوسرا اصول یہاں پر یہ بیان فرمایا وَاشْکُرُوْا لِیْ اور میرا شکریہ ادا کرو، وَلَا تَکْفُرُوْنِ اور میرے ناشکر گزار نہ بنو۔اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی مختلف صورتیں ہیں شکریہ زبان سے بھی ادا ہوتا ہے اور عمل سے بھی ادا ہوتا ہے۔مثلاً جب کوئی انسان کھانا کھاتا ہے۔تو زبان سے الحمد للہ کہتا ہے۔گویا اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے۔اس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔اگر اللہ نے اولاد دی ہے۔تو انسان عقیقہ کر کے اللہ کا شکر گزار بنتا ہے۔اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہے۔اگر انسان کو حج نصیب ہو، تو قربانی کر کے شکریہ ادا کرتا ہے۔اگر انسان کو نیا لباس میسر آجائے تو اس کا شکریہ،یہ ہے کہ پرانا

لباس فی سبیل اللہ دیدے۔حضور ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی۔جب نیا کپڑا پہنا،دعا کی اور پرانا کپڑا کسی محتاج کو دے دیا۔اگر کسی کو اللہ نے دودھ دینے والا جانور دیا ہے۔تو اس کا شکریہ یہ ہے کہ اس کا دودھ کبھی کبھی محتاجوں کو بھی دے دیا کرے۔ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر جانور نے کسی دن دودھ نہیں دیا تو پیر سے دم کرانے کے لئے لے آتے ہیں۔بھائی! تم نے اس کا دودھ محتاج کو دیکر اس کا شکریہ تو ادا ہی نہیں کیا۔کرنے کا اصل کام تو وہ تھا۔الغرض زبان جوارح،مال اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا تہذیب نفس کا دوسرا اصول ہے۔فرمایا وَلَا تَكْفُرُوْنِ ناشکرگزار نہ بنو۔ظاہر ہے کہ اگر حصول نعمت پر شکریہ ادا نہیں کیا تو گویا انسان نے اللہ کی ناشکری کی۔لہٰذا اگر کامیابی کی خواہش ہے تو ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرو اور کسی صورت میں بھی ناشکرگزار نہ بنو،اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنے شکرگزار بندوں میں شامل فرمائے آمین۔

# تہذیب الاخلاق کا تیسرا اصول صبر اور صبر کی اقسام
# شہید کی تعریف، اقسام اور اس کے احکام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

## انسان کی دو حالتیں/صبر کی دو قسمیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ | اے وہ لوگوں جو | اٰمَنُوا | ایمان لائے ہو |
| اسْتَعِیْنُوْا | تم مدد مانگو | بِالصَّبْرِ | صبر کے ساتھ |
| وَالصَّلٰوۃِ | اور نماز (کے ساتھ) | اِنَّ اللّٰہَ | بیشک اللہ |
| مَعَ | ساتھ ہے | الصّٰبِرِیْنَ | صبر کرنے والوں کے (153) |

انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام وراحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی ۔نعمت میں شکر الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔حدیث میں ہے مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لئے خیر ہیں (صحیح مسلم، حدیث 2999) صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔

دوسرا، احکام الٰہیہ کے بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انہیں صبر وضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے۔ اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات ولذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔(ابن کثیر)۔

اس سورت کی آیت نمبر 40 سے بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلہ کلام شروع ہوا تھا وہ پورا ہو گیا اور آخر میں مسلمانوں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ فضول بحثوں میں الجھنے کے بجائے اپنے دین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوں، چنانچہ اب مختلف اسلامی عقائد اور احکام کا بیان شروع ہو رہا ہے، اس بیان کا آغاز صبر کی تاکید سے ہوا ہے؛ کیونکہ یہ دور وہ ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ میں دشمنوں کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آ رہی تھیں، اسی زمانے میں جنگوں کا سلسلہ بھی جاری تھا اور بہت سی سختیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں، جنگوں میں اپنے عزیز رشتہ دار اور دوست شہید بھی ہو رہے تھے یا ہونے والے تھے۔ لہذا اب مسلمانوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ دین حق کے راستے میں یہ آزمائشیں تو پیش آنی ہیں، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہ کر صبر کا مظاہرہ کرے۔

## صبر کا معنی ومطلب اور اس کی حقیقت

"صبر" عربی زبان کا لفظ ہے، مگر اردو میں بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ "صبر" کے معانی "روکنا، باندھنا، برداشت کرنا، عفو و درگزر کرنا اور ثابت قدم رہنا" وغیرہ ہیں۔ جہاں تک اصطلاحی معنی کا تعلق ہے تو قرآن وسنت کی اصطلاح میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے، اس لیے مفہوم صبر میں تمام گناہوں اور خلافِ شرع کاموں سے پرہیز آ گیا۔" (معارف القرآن: ۴ / ۵۹۸) کوئی ضروری نہیں کہ ایک انسان کی ہر بات دوسرے کو پسند آئے۔ ایسی صورت میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے۔ کبھی یہی اختلاف مخاصمت ومخالفت اور دشمنی وعناد میں بدل جاتا ہے، پھر تکرار و بحث اور لڑائی وجھگڑا کی نوبت آ جاتی ہے۔ یہ حالت غیر پسندیدہ اور قابل مذمت

ہے۔جب ایسی صورت حال پیدا ہونے والی ہو تو ایک شخص کو چاہیے کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھے۔اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے وہ خاموشی اختیار کرے اور صبر و تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرے۔صبر و تحمل ایک قابل تعریف وصف ہے۔

واضح رہے کہ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمہ پر روئے نہیں، صدمے کی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔صبر کی حقیقت محض مجبوری، شکوہ یا حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دینا نہیں ہے، بلکہ یہ تکلیف اور آزمائش کے وقت اپنے آپ کو بے صبری، خوف اور ناشکری سے روکتے ہوئے اللہ کی رضا پر ثابت قدم رہنے اور استقامت دکھانے کا نام ہے، البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر آپریشن کرے تو انسان کو تکلیف تو ہوتی ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے انسان بیساختہ چلا بھی اٹھتا ہے لیکن اسے ڈاکٹر سے شکایت نہیں ہوتی، کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کی ہمدردی میں اور اس کی مصلحت کی خاطر کر رہا ہے۔

## صبر کی خوبصورت قسم

صبرِ جمیل وہ اعلیٰ ترین درجہ ہے جس میں انسان صبر کرتے ہوئے کسی انسان کے سامنے اپنی بے بسی یا شکوہ بیان نہیں کرتا، بلکہ مکمل اطمینان اور توکل کے ساتھ آزمائش کو قبول کرتا ہے۔صبر کوئی کمزوری نہیں بلکہ ایک ڈھال اور روحانی طاقت ہے۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں صبر کرنے والوں کے لیے بے شمار اجر اور اللہ کی معیت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

اس لئے فرمایا جا رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ: بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔حضرت علامہ نصر بن محمد سمرقندی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ (اپنے علم و قدرت سے) ہر ایک کے ساتھ ہے لیکن یہاں صبر کرنے والوں کا بطور خاص اس لئے ذکر فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو

جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات دور کر کے آسانی فرمائے گا۔(تفسیر سمرقندی) اس آیت میں صبر کا ذکر ہوا، صبر کا معنی ہے نفس کو اس چیز پر روکنا جس پر رکنے کا عقل اور شریعت تقاضا کر رہی ہو (مفردات امام راغب، حرف الصاد، ص ۴۷۴) بنیادی طور پر صبر کی دو قسمیں ہیں: (۱)......بدنی صبر جیسے بدنی مشقتیں برداشت کرنا اور ان پر ثابت قدم رہنا (۲)......طبعی خواہشات اور خواہش کے تقاضوں سے صبر کرنا۔ پہلی قسم کا صبر جب شریعت کے موافق ہو تو قابل تعریف ہوتا ہے لیکن مکمل طور پر تعریف کے قابل صبر کی دوسری قسم ہے۔(احیاء علوم الدین، کتاب الصبر والشکر،) فرمایا اے ایمان والو! استعانت حاصل کرو صبر اور نماز کے ساتھ ظاہر ہے کہ جس شخص میں نماز کی روح پیدا ہوگی اس میں توحید کا اعلیٰ مقام پیدا ہوگا۔ ایسے شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو جائے گا۔ اس کو بلند مقام حاصل ہوگا۔ نماز کے متعلق اللہ نے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میری یاد آوری کے لئے نماز قائم کرو۔ نماز سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے۔ نماز افضل العبادات ہے۔

## حظیرۃ القدس کا معنی مفہوم

جب انسان دنیوی امور میں پڑ کر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے تو نماز اس کا تعلق اللہ سے پھر قائم کر دیتی ہے۔ انسان کا تعلق خظیرۃ القدس سے جڑ جاتا ہے۔(حظیرۃ القدس عربی زبان کا مرکب ہے، جس کا لغوی معنی" پاکیزہ باڑ"،" مقدس احاطہ" یا" پاکیزہ دنیا" ہے۔ تصوف میں اس سے مراد " عالم بالا کا ایک مقدس مقام" یا" جنت" ہے، تصوف اور اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ عالم بالا میں وہ خاص مقام یا روحانی حلقہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اور برگزیدہ روحیں قیام کرتی ہیں۔ بعض صوفیاء (جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) کے نزدیک یہ عالم بالا میں اولیاء کرام کے درجات میں سے ایک بلند مقام کی حیثیت رکھتا ہے) بہر حال نماز کو بار بار قائم کرنے سے انسان کی غفلت دور ہو جاتی ہے۔ اور تعلق باللہ قائم رہتا ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور اعانت صابروں کے ساتھ ہے الغرض! ذکر، شکر، صبر، دعا اور تعظیم شعائر اللہ تہذیب الاخلاق کے بڑے بڑے اصول ہیں۔

## اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ نہ کہو

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا | اور (بالکل) نہ | تَقُوْلُوْا | کہنا تم | لِمَنْ | اُن کو جو |
| یُّقْتَلُ | مارے جائیں | فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ | اللہ کی راہ میں | اَمْوَاتٌ | مردہ |
| بَلْ | بلکہ | اَحْیَآءٌ | وہ زندہ ہیں | وَّلٰكِنْ | اور لیکن |
| لَّا تَشْعُرُوْنَ | نہیں تم شعور رکھتے۔(154) | | | | |

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو۔ صبر کے ذکر کے بعد اب صبر کرنے والوں کی ایک عظیم قسم یعنی شہیدوں کا بیان کیا جارہا ہے۔ یہ آیت کریمہ شہداء کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض لوگ شہداء کی شہادت پر افسوس کرتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ لوگ شہید ہو کر نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۴، ۱/ ۱۰۳) غزوۂ بدر میں جو صحابہ شہید ہوئے، ان کے بارے میں منافقین اور بعض مشرکین کہنے لگے کہ ان لوگوں نے بے فائدہ اپنی جان گنوائی اور زندگی کے لطف و آرام سے محروم ہوئے، یہ آیت اسی کا جواب ہے، کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ نے برزخی زندگی میں اس سے بڑی لذتوں اور راحتوں سے سرفراز کر رکھا ہے، تمہاری نگاہ ظاہر بین جن کا ادراک نہیں کر سکتی؛ اسی لئے ان کو عام مُردوں کی طرح مُردہ تصور نہ کرو۔

## حیاتِ برزخی/ برزخی زندگی کیا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کو ایک طرح کی زندگی حاصل ہے، یہ حیات دنیوی نہیں؛ بلکہ حیاتِ برزخی ہے، برزخ کے لغوی معنی دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ یا پردے کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں یہ دنیا اور آخرت کے درمیان کا عالم ہے جہاں روح جسم سے نکلنے کے بعد منتقل ہو جاتی ہے، یعنی زندگی کا وہ درمیانی مرحلہ ہے جو موت کے بعد شروع ہوتا ہے اور روزِ محشر تک جاری رہتا ہے۔ اسلام میں یہ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ ہر انسان کو اس دنیاوی زندگی کے بعد برزخ کی طرف منتقل ہونا پڑتا ہے، جس کے احکامات اور لوازمات دنیا سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اس

عالم میں انسان کی روح کو اس کے اعمال کے مطابق راحت (جنت کے مناظر) یا تکلیف (عذابِ قبر) دی جاتی ہے، جس کا شعور عام دنیاوی حواس سے ماورا ہوتا ہے۔ یوں تو حیاتِ برزخی کچھ نہ کچھ ہر مرنے والے کو حاصل ہوتی ہے اور اسی کی بنا پر وہ عذاب وثواب کو محسوس کرتا ہے؛ لیکن شہداء میں یہ حیات نسبتاً زیادہ قوی ہوتی ہے، یہاں تک کہ اکثر اوقات ان کا جسم بھی محفوظ رہتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں بھی وفات کے بعد یہی حیات ہوتی ہے؛ لیکن بہت قوی اور اعلیٰ۔

## حیاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

اگر کوئی شخص، اہلِ سنت والجماعت کے مسلمہ بدیہی عقیدہ کے مطابق (مسلمہ بدیہی عقیدہ سے مراد ایک ایسا بنیادی، واضح اور اٹل نظریاتی اصول ہے، جو عقل اور فطرت میں اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ اسے ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی اور ہر انسان اسے بغیر کسی شک وشبہ کے تسلیم کرتا ہے، یہ عقیدہ ایک ایسا اٹل اور خود ساختہ سچ ہے جو کسی بھی مذہب، فلسفے یا منطق کی بنیاد بنتا ہے۔ اس کا انکار عقل کی بنیادی ساخت کو جھٹلانے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیادی حقائق ہیں جو انسانی ضمیر میں ازل سے پیوست ہوتے ہیں۔) بہر صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ کی قبر مبارک میں حیات کا انکار کرتا ہے تو یہ اجماعی عقیدے کا انکار ہے، جس کی بنا پر ایسے نظریات کے حامل افراد اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، حیاتِ دنیوی کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، یہ حیات خالص برزخی حیات نہیں جو تمام ایمان داروں، بلکہ تمام انسانوں کو حاصل ہے، تمام اہل السنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں حیات (زندہ) ہیں۔ البتہ، یہ زندگی دنیاوی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ اور ارفع حیاتِ برزخی ہے جس کی حقیقت اور کیفیت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

## حیات النبی سے متعلق جمہور اہل سنت کا عقیدہ

قرآن کریم کی آیات اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں جمہور اہل سنت والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں اجسام عنصریہ (یعنی روح وجسم کے باہمی تعلق) کے ساتھ زندہ ہیں اور عالم برزخ میں ان کی حیات دنیوی حیات سے کم نہیں ہے، برزخی حیات تو ہر انسان کو حاصل ہے جس کی بناء پر میت (روح وجسم) کو قبر میں راحت یا عذاب کا ادراک ہوتا ہے لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات سب سے اقویٰ وارفع ہے، مختلف نصوص میں اس حیات کے مختلف آثار بیان ہوئے ہیں، لہٰذا مطلق حیات النبی ﷺ سے انکار کرنا ان نصوص سے انکار کی بنا پر گمراہی ہے تاہم اگر کوئی مطلق حیات النبی سے انکار نہیں کرتا ہو تو اس کو اہل سنت والجماعۃ سے خارج نہیں کہا جا سکتا نیز حضور ﷺ نے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اور بمطابق وعدہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تھوڑی دیر کے لیے موت کا مزہ چکھا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زندہ کر دیا، اور زمین پر آپ ﷺ کے جسم کو کھانا حرام کیا، پس آپ ﷺ اب حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔ کیونکہ موت کا لفظ اور اس کا تصور انسان کے ذہن پر ایک ہمت شکن اثر ڈالتا ہے اور لوگوں میں جذبہ جہاد فی سبیل اللہ کے سرد پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا شہداء کو مردہ کہنے سے روک دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شہید کی موت قوم کی حیات کا سبب بنتی ہے اور شہید دراصل حیات جاوداں پا لیتا ہے اور اس سے روح شجاعت بھی تازہ رہتی ہے۔ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں ہوتی ہیں اور ان کے لیے عرش کے ساتھ کچھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتی ہیں۔ (مسلم)

## شہداء کو مردہ کہنے کی ممانعت

فرمایا گیا کہ انہوں نے فانی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے دائمی زندگی حاصل کر لی ہے۔ اس آیت میں شہداء کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، نہ زبان سے انہیں مردہ کہنے کی اجازت ہے

اور نہ دل میں انہیں مردہ سمجھنے کی اجازت ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (ال عمران: ۱۶۹) اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ شہداء کو زندگی عطا فرماتا ہے، ان کی ارواح پر رزق پیش کیا جاتا ہے انہیں راحتیں دی جاتی ہیں، ان کے عمل جاری رہتے ہیں، ان کا اجرو ثواب بڑھتا رہتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے بدن میں جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں۔ (شعب الایمان، السبعون من شعب الایمان، ۷ / ۱۱۵، الحدیث: ۹۶۸۶) حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! تو نے اپنی منزل و مقام کو کیسا پایا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! عَزَّ وَجَلَّ، بہت اچھی منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو مانگ اور کوئی تمنا کر۔ وہ عرض کرے گا: میں تجھ سے اتنا سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے اور میں دس مرتبہ تیری راہ میں شہید کیا جاؤں۔ (وہ یہ سوال اس لئے کرے گا) کہ اس نے شہادت کی فضیلت ملاحظہ کر لی ہوگی۔ (سنن نسائی، کتاب الجہاد، ما یتمنی اہل الجنۃ، ص ۵۱۴، الحدیث: ۳۱۵۷)

## شہید کی دو قسمیں، حقیقی اور حکمی

شہید کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور حکمی، حقیقی شہید وہ کہلاتا ہے جس پر شہید کے احکامات لاگو ہوتے ہوں کہ اس کو غسل و کفن نہیں دیا جائیگا اور جنازہ پڑھ کر انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے جس میں شہید ہوا ہے مثلاً اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والا، یا کسی کے ہاتھ ناحق قتل ہونے والا بشرطیکہ کہ وہ بغیر علاج معالجہ اور وصیت وغیرہ موقع پر ہی دم توڑ جائے۔

## حکمی شہید کہلانے والے

اور حکمی شہید وہ کہلاتا ہے جس کے بارے میں احادیث میں شہادت کی بشارت وارد ہوئی ہو،

ایسا شخص آخرت میں تو شہیدوں کی فہرست میں شمار کیا جائے گا البتہ دنیا میں اس پر عام میتوں والے احکام جاری ہوں گے یعنی اس کو غسل دیا جائیگا اور کفن بھی پہنایا جائیگا۔متفرق احادیث میں ایسے شہداء کی چالیس سے زیادہ قسمیں مذکور ہیں، تمام کا احاطے کا یہاں موقع نہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: ڈوب کر موت آئے یا کسی آسمانی آفت میں اس کی موت آجائے یا ہیضہ، طاعون یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت واقع ہو یا مسافر کا سفر میں انتقال ہو جائے وغیرہ۔ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید اور اَحادیثِ مبارکہ میں جہاں شہداء کے فضائل ہیں ان کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ فضائل شہداء فی سبیل اللہ کے لیے ہیں، اور جہاں احادیثِ مبارکہ میں شہداءِ حکمی کا بیان ہے وہاں ان کی خصوصیت کا بیان ہے، الغرض نصوص میں جو اجر وثواب جس قسم کے شہید کے لیے بیان کیا گیا ہے، اس اجر وثواب کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید رکھی جائے گی کہ یہ شہید اس اجر کا مستحق ہے، اور ان فضائل کو اس شہید کے لیے بیان کیا جاسکتا ہے، اور جہاں ضرورت ہو بیان بھی کرنا چاہیے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے تحفظ، دفاع اور نصرت کے لیے جو شخص اپنے جان ومال کی قربانی دیتے ہوئے میدانِ جہاد میں شہید ہو اس کی فضیلت زیادہ بلند اور سوا ہوگی، اس کے مقابلے میں جو طاعون یا پیٹ کے درد وغیرہ میں یا چھت سے گر کر مر جائے۔لیکن ہر ہر شہید کو ہر فضیلت حاصل ہو، یہ ضروری بھی نہیں ہے، اور اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا۔آخرت کے اَحکام اور اجر وثواب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے حاشیہ رد المحتار میں تمام اقسام کو جمع کیا ہے جس کا لب لباب ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احکام میت میں ذکر کیا ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے، حدیثوں میں ایسے شہداء کی تعداد چالیس سے زائد ہے۔وَلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ: لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔یعنی یہ بات تو قطعی ہے کہ شہداء زندہ ہیں لیکن ان کی حیات کیسی ہے اس کا ہمیں شعور نہیں اسی لئے ان پر شرعی احکام عام میت کی طرح ہی جاری ہوتے ہیں جیسے قبر، دفن، تقسیمِ میراث، ان کی بیویوں کا عدت گزارنا، عدت کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرسکنا وغیرہ۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سعادت والی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائیں، آمین

# آزمائشیں اور صبر/ صابرین کیلئے بشارت

# آزمائش مقتضائے ایمان ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ
عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

## مصیبت کا بنیادی مطلب اور اس کی حقیقت

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ | اور البتہ ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں | بِشَيْءٍ | کسی چیز کے ساتھ |
| مِّنَ الْخَوْفِ | خوف سے | وَالْجُوْعِ | اور بھوک سے |
| وَنَقْصٍ | اور کمی (کرنے سے) | مِّنَ الْاَمْوَالِ | مالوں میں سے |
| وَالْاَنْفُسِ | اور جانوں (میں سے) | وَالثَّمَرٰتِ | اور پھلوں (میں سے) |
| وَبَشِّرِ | اور خوشخبری دے دیجئے | الصّٰبِرِيْنَ | صبر کرنے والوں کو۔(155) |

مصیبت کا بنیادی مطلب ایسی سخت تکلیف، مشکل، آفت یا صدمہ ہے جو اچانک انسان پر آ پڑے۔عربی زبان میں اس کا ماخذ "صوب" ہے،جس کا تعلق کسی چیز کے عین نشانے پر لگنے سے

ہے۔لہٰذا،ہر وہ ناگہانی صورتحال یادکھ جو انسان کو گھیر لے،مصیبت کہلاتا ہے،یہ لفظ بلا، وبائی مرض، بدقسمتی، یا مشکلات کے دور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔مصیبت کا مقصد انسان کو آزمائش میں ڈالنا ہوتا ہے، اور یہ تکلیف دہ حالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ **وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ** : اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔آزمائش سے فرمانبردار اور نافرمان کے حال کا ظاہر کرنا مراد ہے۔امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے بقول خوف سے اللہ تعالیٰ کا ڈر، بھوک سے رمضان کے روزے، مالوں کی کمی سے زکوٰۃ و صدقات دینا، جانوں کی کمی سے امراض کے ذریعہ اموات ہونا، پھلوں کی کمی سے اولاد کی موت مراد ہے کیونکہ اولاد دل کا پھل ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جب کسی بندے کا بچہ مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: ''تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی۔وہ عرض کرتے ہیں کہ ہاں، یارب! عَزَّ وَجَلَّ ، پھر فرماتا ہے: ''تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا۔وہ عرض کرتے ہیں: ہاں، یارب! عَزَّ وَجَلَّ ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس پر میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اس نے تیری حمد کی اور ''**اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ**'' پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس کے لیے جنت میں مکان بناؤ اور اس کا نام بیتُ الحمد رکھو۔'' (ترمذی، کتاب الجنائز، باب فضل المصیبۃ اذا احتسب، ۲/ ۳۱۳، الحدیث: ۱۰۲۳)

## مقدس ہستیوں کی آزمائشیں

یاد رہے کہ زندگی میں قدم قدم پر آزمائشیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی مرض سے، کبھی جان و مال کی کمی سے، کبھی دشمن کے ڈر خوف سے، کبھی کسی نقصان سے، کبھی آفات و بَلِیّات سے اور کبھی نت نئے فتنوں سے آزماتا ہے اور راہِ دین اور تبلیغِ دین تو خصوصاً وہ راستہ ہے جس میں قدم قدم پر آزمائشیں ہیں، اسی سے فرمانبردار و نافرمان، محبت میں سچے کھرے اور محبت کے صرف دعوے کرنے والوں کے درمیان فرق ہوتا ہے۔حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر اکثر قوم کا ایمان نہ لانا، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا آگ میں ڈالا جانا، فرزند کو قربان کرنا، حضرت ایوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو بیماری میں مبتلا کیا جانا، ان کی اولاد اور اموال کو ختم کر دیا جانا، حضرت

موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا مصر سے مدین جانا، مصر سے ہجرت کرنا، حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ستایا جانا اور حضرات انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا شہید کیا جانا یہ سب آزمائشوں اور صبر ہی کی مثالیں ہیں اور ان مقدس ہستیوں کی آزمائشیں اور صبر ہر مسلمان کے لئے ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہیں لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ اسے جب بھی کوئی مصیبت آئے اور وہ کسی تکلیف یا اَذِیَّت میں مبتلا ہو تو صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے"بہت موٹی سی بات ہے جو ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی کتنا ہی غافل ہو مگر جب (اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا وہ کسی مصیبت اور) مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو کس قدر خدا کو یاد کرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے اور یہ تو بڑے رتبہ والوں کی شان ہے کہ (وہ) تکلیف کا بھی اسی طرح استقبال کرتے ہیں جیسے راحت کا (استقبال کرتے ہیں) مگر ہم جیسے کم سے کم اتنا تو کریں کہ (جب کوئی مصیبت یا تکلیف آئے تو) صبر و استقلال سے کام لیں اور جَزع وفَزع (یعنی رونا پیٹنا) کرکے آتے ہوئے ثواب کو ہاتھ سے نہ (جانے) دیں اور اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ بے صبری سے آئی ہوئی مصیبت جاتی نہ رہے گی پھر اس بڑے ثواب (جو احادیث میں بیان کیا گیا ہے) سے محرومی دوہری مصیبت ہے۔اور کثیر احادیث میں مسلمان پر مصیبت آنے کا جو ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں سے چند احادیث یہ ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے تکالیف میں مبتلا کرتا ہے۔(بخاری، کتاب المرضی، باب شدۃ المرض، ۴ / ۴، الحدیث: ۵۶۴۶) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "مسلمان کو جو تکلیف، رنج، ملال اور اَذِیَّت وغم پہنچے، یہاں تک کہ اس کے پیر میں کوئی کانٹا ہی چبھے تو اللہ تعالیٰ ان کے سبب اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔(بخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، ۴ / ۳، الحدیث: ۵۶۴۱) حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "مسلمان مرد و عورت کے جان و مال اور اولاد میں ہمیشہ مصیبت رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر

کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء، ۴ / ۱۷۹، الحدیث: ۲۴۰۷) حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہُ سے روایت ہے، حضور پر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ’’قیامت کے دن جب مصیبت زدہ لوگوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام وسکون والے تمنا کریں گے، کاش! دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹ دی گئی ہوتیں۔ (ترمذی)

## اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ” کب اور کیوں پڑھنی چاہیے؟

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| الَّذِیْنَ | وہ لوگ جو | اِذَاۤ | (کہ) جب | اَصَابَتْهُمْ | پہنچتی ہے انہیں | | |
| مُّصِیْبَةٌ | کوئی مصیبت | قَالُوْۤا | (تو) کہتے ہیں | | | | |
| اِنَّا لِلّٰهِ | بلاشبہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں | وَاِنَّاۤ | اور بے شک ہم | | | | |
| اِلَیْهِ | اسی کی طرف | رٰجِعُوْنَ | لوٹنے والے ہیں (156) | | | | |

اس فقرے میں پہلے تو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ چونکہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اس لئے اسے ہمارے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور چونکہ ہم اس کے ہیں اور کوئی بھی اپنی چیز کا برا نہیں چاہتا، اس لئے ہمارے بارے میں اس کا ہر فیصلہ خود ہماری مصلحت میں ہوگا، چاہے فی الحال ہمیں وہ مصلحت سمجھ میں نہ آرہی ہو، دوسری طرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ایک دن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا کوئی عزیز یا دوست گیا ہے، لہٰذا یہ جدائی عارضی ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے اور جب ہم اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہمیں اس صدمے یا تکلیف پر انشاء اللہ ثواب بھی ملنا ہے، جب یہ اعتقاد دل میں ہو تو اسی کا نام صبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ساتھ بے اختیار آنسو بھی نکل رہے ہوں۔ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ اس میں لفظ ”اِذَا“ میں اشارہ ہے کہ مصیبت پہنچتے ہی صبر کرنا اور ”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ“ کہنا چاہیے، کہنے سے مراد صرف زبان سے یہ الفاظ کہنا نہیں ہے، بلکہ دل سے اس بات کا قائل ہونا ہے کہ ”ہم اللہ ہی کے ہیں“، اس لیے اللہ کی راہ میں ہماری جو چیز بھی قربان ہوئی، وہ گویا ٹھیک اپنے مَصرَف میں صرف ہوئی، جس کی چیز تھی اسی کے کام آگئی۔ اور یہ کہ ”اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹنا ہے“ یعنی بہر حال ہمیشہ اس دنیا میں رہنا نہیں ہے۔

آخرکار، دیر یاسویر، جانا خدا ہی کے پاس ہے۔لہٰذا کیوں نہ اس کی راہ میں جان لڑا کراس کے حضور حاضر ہوں۔ یہ اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ ہم اپنے نفس کی پرورش میں لگے رہیں اوراسی حالت میں، اپنی موت ہی کے وقت پر کسی بیماری یا حادثے کے شکار ہو جائیں۔

بعد میں رو دھو کر تو ہر شخص ہی صبر کر لیتا ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى) [بخاری، الجنائز، باب زیارۃ القبور: 1283] ”صبر صرف وہ ہے جو پہلی چوٹ کے وقت ہو۔“ مصیبت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو اذیت پہنچے، وہ خواہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ (قرطبی، شوکانی) (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ دل کی حاضری سے کہا جائے تو اس میں اس بات کا اظہار بھی ہے کہ ہم اللہ کی ملکیت اور اس کے بندے ہیں اور اس کا بھی کہ ہمیں ہر حال میں اس کے پاس واپس جانا ہے۔وہ جب چاہے، جسے چاہے واپس بلائے، اس پر شکوہ وشکایت کا کیا موقع ہے؟

## صبر کرنے والوں کیلئے تین نعمتیں

اس سے انسان کو صبر کی توفیق ملتی ہے اور صبر کرنے والوں کو تین نعمتیں ملتی ہیں: 1 رب کی مہربانیاں۔ 2 اس کی بہت بڑی رحمت (رَحْمَةٌ میں تنوین تعظیم کے لیے ہے)۔اور ہدایت یافتہ ہونے کی سند۔قرآن مجید میں صبر کا ذکر ستر (70) دفعہ آیا ہے۔ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”کوئی مسلمان جسے کوئی مصیبت پہنچے اور وہ وہی کلمہ کہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے (یعنی یہ دعا پڑھے): (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَأَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا) (یقیناً ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کی جگہ اس سے بہتر عطا فرما) تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔“ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر جب (میرے خاوند) ابو سلمہ فوت ہوئے تو میں نے کہا مسلمانوں میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہوگا؟ پہلا گھرانہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔

پھر میں نے یہ (مذکورہ بالا) کلمہ کہہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عطا فرما دیے۔ (مسلم، الجنائز، باب ما یقال عند المصیبۃ) ایک مرتبہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا چراغ بجھ گیا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھا۔ عرض کی گئی کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں! اور ہر وہ چیز جو مومن کو اَذِیّت دے وہ اس کے لئے مصیبت ہے اور اس پر اجر ہے۔ (در منثور، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۶، ۱/ ۳۸۰) ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت کے وقت "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھنا رحمتِ الٰہی کا سبب ہوتا ہے۔ (کنز العمال، کتاب الاخلاق، قسم الاقوال، ۲/ ۱۲۲، الجزء الثالث، الحدیث: ۶۶۴۶) حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "میری امت کو ایک ایسی چیز دی گئی ہے جو پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی، وہ چیز مصیبت کے وقت "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھنا ہے۔ (معجم الکبیر، ۱۲/ ۳۲، الحدیث: ۱۲۴۱۱)

## صبر کی سب سے بہترین صورت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اُولٰٓئِكَ | یہی لوگ | عَلَیۡهِمۡ | ان پر | صَلَوٰتٌ | بخشش ہے |
| مِّنۡ رَّبِّهِمۡ | ان کے رب کی طرف سے | | وَرَحۡمَةٌ | | اور رحمت |
| وَاُولٰٓئِكَ | اور یہی لوگ ہیں | هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ | | وہ ہدایت یافتہ۔ (157) | |

صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں، ان کیلئے بخشش اور ہدایت و رحمت ہے۔ مصیبت آنے پر زبان اور دیگر اعضا سے کوئی ایسا کلام یا فعل نہ کیا جائے جو شریعت کے خلاف ہو جیسے زبان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ و شکایت کے کلمات بولنا، سینہ پیٹنا اور گریبان چاک کر لینا وغیرہ۔ صبر کی سب سے بہترین صورت یہ ہے کہ مصیبت زدہ پر مصیبت کے آثار ظاہر نہ ہوں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے، حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: "حضرت ام سُلَیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا کے بطن سے حضرت ابو طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا ایک لڑکا فوت ہو گیا۔ حضرت ام سُلَیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا نے اپنے گھر والوں سے کہا: حضرت ابو طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

کو ان کے بیٹے کے انتقال کی خبر اس وقت تک نہ دینا جب تک میں خود انہیں نہ بتادوں۔ جب حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آئے تو حضرت ام سُلَیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا نے انہیں شام کا کھانا پیش کیا، انہوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا، پھر حضرت ام سُلَیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا نے پہلے کی بہ نسبت زیادہ اچھا بناؤ سنگھار کیا۔ حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے ازدواجی عمل کیا جب حضرت ام سُلَیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے دیکھا کہ وہ سیر ہو گئے اور اپنی فطری خواہش بھی پوری کر لی ہے تو پھر انہوں نے کہا: اے ابوطلحہ! رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، یہ بتائیں کہ اگر کچھ لوگ کسی کو عاریت کے طور پر کوئی چیز دیں پھر وہ اپنی چیز واپس لے لیں تو کیا وہ ان کو منع کر سکتے ہیں؟ حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: نہیں۔ حضرت ام سُلَیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا نے کہا تو پھر آپ اپنے بیٹے کے متعلق یہی گمان کریں (کہ وہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا جو اس نے واپس لے لی یعنی اس کا انتقال ہو چکا ہے) (مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی طلحۃ الانصاری رضی اللہ تعالی عنہ، ص ۱۳۳۳، الحدیث: ۱۰۷(۲۱۴۴)) اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اپنے صابرین بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

# صفا ومروہ کے درمیان سعی/ زمزم فضیلت، اہمیت اور فوائد دینی مسائل چھپانے کی وعیدیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّ الصَّفَا
وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ
بِہِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا
مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُہُمُ اللّٰہُ
وَیَلْعَنُہُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ۙ

## مکہ مکرمہ کی دو مشہور ترین پہاڑیاں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | الصَّفَا | صفا | وَالْمَرْوَۃَ | اور مروۃ |
| مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ | اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں میں سے ہے | | فَمَنْ | پس جو | |
| حَجَّ | حج کرے | الْبَیْتَ | خانہ کعبہ کا | اَوِ اعْتَمَرَ | یا عمرہ کرے |
| فَلَا جُنَاحَ | تو نہیں کوئی گناہ | عَلَیْہِ | اس پر | | |
| اَنْ یَّطَّوَّفَ | یہ کہ وہ طواف کرے | بِہِمَا | ان دونوں کا | | |
| وَمَنْ | اور جو | تَطَوَّعَ | خوشی سے کرے | خَیْرًا | کوئی نیکی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَاِنَّ اللّٰهَ | تو بیشک اللہ | شَاكِرٌ | بڑا قدر دان |
| عَلِيْمٌ | | خوب جاننے والا ہے(158) | |

مکہ مکرمہ کی دو مشہور ترین پہاڑیاں صفا اور مروہ ہیں، جو مسجد الحرام کے اندر واقع ہیں۔ انہی دونوں پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) نے پانی کی تلاش میں چکر لگائے تھے، جن کی یاد میں حج اور عمرہ کے دوران مسلمانوں پر ان کے درمیان سعی (چلنا اور دوڑنا) کرنا واجب ہے کوہِ صفا: یہ وہ پہاڑی ہے جہاں سے سعی کا آغاز کیا جاتا ہے۔ یہ کعبہ مکرمہ کے قریب واقع ہے۔ کوہِ مروہ: یہ صفا کے بالمقابل واقع دوسری پہاڑی ہے جہاں سعی کے چکر (پھیرے) مکمل ہوتے ہیں۔۔ یہ اصل میں اِس واقعہ کی یادگار ہے کہ جب اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ وَالسلام نے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ وَالسلام کو مکہ میں چھوڑا تو اس وقت یہاں پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں تھا، مشکیزہ میں تھوڑا سا پانی تھا، جو جلد ہی ختم ہوگیا، جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ وَالسلام (جو ابھی دودھ پیتے بچہ تھے) کو پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام بے تابانہ "صفا" سے "مروہ" اور "مروہ" سے "صفا" کی طرف دوڑتیں، کہ کہیں کوئی قافلہ یا انسان نظر آجائے اور اس سے کچھ پانی مل جائے، اللہ تعالیٰ کو اپنی اِس نیک بندی کی ممتا اور بے قراری پر رحم آیا اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ وَالسلام کی ایڑیوں کے نیچے سے زمزم کا چشمہ جاری ہوگیا، جو آج ایک عالَم کو سیراب کر رہا ہے اور دنیا کے کونہ کونہ تک ہر حاجی اس تحفہ کو لے کر پہنچتا ہے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی اسی واقعہ کی یادگار ہے؛ چوں کہ ان پہاڑیوں سے ایک عبادت متعلق ہوگئی ہے اور یہ پہاڑیاں اطاعت خداوندی کی علامت بن گئی ہیں؛ اسی لئے ان کو 'شعائر اللہ' یعنی 'اللہ کے دین کی علامتیں' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حج اور عمرے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے، اس کے ترک کرنے سے دم دینا یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔ اگرچہ سعی واجب ہے مگر یہاں" کوئی گناہ نہیں " کے الفاظ اس لئے استعمال فرمائے گئے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ان دونوں پہاڑیوں پر

اہل مکہ نے بت نصب کر لئے تھے، جن کی پرستش کی جاتی تھی اور سعی کے درمیان لوگ ان کو چھوتے تھے، اس لئے مسلمانوں کو ان پہاڑیوں کی سعی سے کراہت محسوس ہوئی، حالاں کہ سعی کا مقصد حضرت ہاجرہ علیہا الصلوٰۃ وَ السلام کی سنت کو زندہ کرنا تھا، اور یہ شعائرِ توحید میں تھا نہ کہ شعائرِ شرک میں، اسی پس منظر میں قرآن نے کہا کہ چوں کہ یہ ایک ایمان افروز واقعہ کی یادگار ہے نہ کہ مشرکانہ عمل کی، اسی لئے سعی کرنے میں کوئی کراہت محسوس نہ کرنی چاہئے؛ (مستدرک حاکم) آیت نے یہ شک دور کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" کا جلوہ اس طرح ظاہر فرمایا کہ غیب سے ایک چشمہ زمزم نمودار کیا اور ان کے صبر و اخلاص کی برکت سے ان کے اتباع میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے والوں کو مقبولِ بارگاہ قرار دیا اور ان دونوں پہاڑوں کو قبولیتِ دعا کا مقام بنا دیا۔

## کوثر اور سلسبیل سے زیادہ فضیلت رکھنے والا پانی / کوثر اور سلسبیل کا مفہوم

یہ بڑا متبرک پانی ہے تاریخ مکہ میں روایت ہے کہ یہ پانی کوثر اور سلسبیل سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (کوثر اور سلسبیل دونوں قرآنی الفاظ ہیں جن کا تعلق جنت کی نعمتوں اور برکات سے ہے، کوثر کا لغوی معنیٰ: یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا بنیادی معنیٰ "خیرِ کثیر" (بہت زیادہ بھلائی) اور کثرت ہے۔ قرآنی مفہوم: قرآنِ مجید کی سورہ کوثر میں یہ لفظ اسی عام مفہوم میں آیا ہے. اسلامی روایات کے مطابق، اس سے مراد جنت میں موجود ایک نہر یا حوض ہے جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوگا۔ اس کا پانی پینے والے کو کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ سلسبیل لغوی معنیٰ: اس کے لغوی معنیٰ نرم، رواں، اور حلق سے با آسانی اور خوشگوار انداز میں نیچے اترنے والی چیز کے ہیں۔ سورہ الدہر (سورہ الانسان) کی آیت نمبر ۱۸ میں اس کا ذکر ایک چشمے یا نہر کے نام کے طور پر آیا ہے جو جنتیوں کو پلایا جائے گا۔ مفہوم: یہ ایک ایسا خاص اور پاکیزہ مشروب ہے جس میں جنت کی تمام بہترین خوشبوئیں اور ذائقے شامل ہوں گے۔ یہ پینے میں نہایت لذیذ اور ٹھنڈا ہوگا۔ دونوں الفاظ کا بنیادی تعلق جنت کی روحانی اور جسمانی تازگی، پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی بے پناہ

نعمتوں سے ہے۔) بہر کیف! پانی کے اس چشمہ کو کئی حوادثات بھی آئے مگر بالآخر اسے کنواں کی صورت حاصل ہوگئی۔جاہلیت کے زمانہ میں یہ کئی دفعہ بند ہوا اور کھولا گیا اب اس کنواں سے ساری دنیا سیراب ہوتی ہے۔زائرین حرم خوب سیر ہو کر یہ پانی پیتے ہیں اور جاتے وقت دنیا کے اکناف و اطراف میں یہ تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔اس وقت سے لے کر آج تک اس کی آبیاری جاری ہے۔اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گی اس کا ذائقہ بھی عام پانیوں سے مختلف ہے۔

## آبِ زم زم روئے زمین پر بہترین، مبارک اور پاکیزہ پانی

یہ پانی بیک وقت دوا شفا اور غذا کا قدرتی مجموعہ ہے۔سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ انسانی جسم کے لئے اس سے بہتر کوئی پانی دنیا بھر میں موجود نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ آبِ زم زم روئے زمین پر سب سے بہترین، مبارک اور پاکیزہ پانی ہے، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کے نیچے سے جاری ہوا۔یہ بیماروں کے لیے شفا، بھوکوں کے لیے غذا، اور ہر اس مقصد کے لیے پیا جانے والا پانی ہے جس نیت سے پیا جائے۔حضور اکرم ﷺ نے اسے" خیر و برکت والا" اور" غذائیت سے بھرپور" قرار دیا ہے۔زمزم کو ادب و احترام سے پیا جائے، اس کے اندر پوشیدہ برکات سے استفادہ کیا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔اس کی قدردانی کرنا اور اس کی حرمت کو پیشِ نظر رکھنا ایمانی فریضہ ہے، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کاموں میں یہ پانی استعمال نہ کیا جائے جن سے اس کی توہین ہوتی ہے، مثلاً اس سے ناپاکی اور گندگی صاف کرنا یا اس سے استنجاء کرنا وغیرہ مکروہِ تحریمی ہے۔یہ پانی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قیمتی تحفہ ہے، ہمیں اس کے اندر ودیعت کردہ فوائد سے خود کو قیمتی بنانا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہم کو اس متبرک پانی سے خوب خوب سیراب ہونا نصیب فرمائے، آمین، ثم آمین۔

## شَعَآئِرِ اللهِ سے مُراد

مِنۡ شَعَآئِرِ اللهِ: اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ شَعَآئِرِ اللهِ سے دین کی نشانیاں مراد ہیں خواہ وہ مکانات ہوں جیسے کعبہ، عرفات، مُزدلفہ، تینوں جَمرات (جن پر رمی کی جاتی ہے)، صفا، مروہ،

منیٰ، مساجد یا وہ شعائر زمانے ہوں جیسے رمضان، حرمت والے مہینے، عید الفطر و عید الاضحی، یومِ جمعہ، ایاّمِ تشریق یا وہ شعائر کوئی دوسری علامات ہوں جیسے اذان، اقامت، نمازِ باجماعت، نمازِ جمعہ، نمازِ عیدَین، ختنہ یہ سب شعائرِ دین ہیں۔ (تفسیر بغوی، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۵۸، ۱ / ۹۱ ملخصاً) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کو صالحین سے نسبت ہو جائے وہ چیز عظمت والی بن جاتی ہے، جیسے صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا کے قدم کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی نشانی بن گئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مُعَظَّم چیزوں کی تعظیم و توقیر دین میں داخل ہے اسی لئے صفا مروہ کی سعی حج میں شامل ہوئی۔ صفا و مروہ کی سعی محض کوئی رسم نہیں؛ بلکہ ایک اہم ترین عبادت ہے، اس کو انجام دیتے وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر نظر اور اپنی عاجزی اور ذلت کا اظہار ہونا چاہئے۔

## حجر اسواد کا استلام اور اس کی دعائیں

واضح ہو کہ طواف اور اس کے متعلقات سے فارغ ہو کر جب سعی کے لیے جانا ہو تو پہلے ایک مرتبہ پھر حجر اسواد کا استلام کرے، جیسا کہ دورانِ طواف کیا جاتا ہے اور استلام کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے (بِسْمِ اللهِ. اللهُ أَكْبَرُ. وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ الله)، اس کے بعد باب الصفا سے نکل کر صفا پہاڑی پر جائے، صفا کے قریب پہنچ کر یہ دعا پڑھے «اَبدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهِ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ» صفا پہاڑی پر پہنچنے کے بعد ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے بیت اللہ شریف نظر آئے، چنانچہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے: (اَللهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ) اس کے بعد یہ دعا بھی تین مرتبہ پڑھے: (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ) اس کے بعد اپنے لیے جو دعا مانگنی ہو، وہ مانگ لی جائے، دعا سے فارغ ہونے کے بعد سعی کی نیت کرے کہ: ”میں سعی کی نیت کرتا ہوں، اے اللہ! اس کو میرے لیے آسان فرما دیجیے اور قبول فرمالیجیے“ اس کے بعد مروہ کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہو، جب سبز لائٹوں کے قریب پہنچ جائے تو ان کے درمیان درمیانی رفتار سے

دوڑے، سبز لائٹ پار کر لینے کے بعد پھر اسی طرح عام رفتار سے مروہ کی طرف چلے، سعی کے دوران یہ دعا پڑھے (رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ) اس کے علاوہ دیگر مسنون دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں، جب مروہ پہنچ جائے تو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے اسی طرح دعا مانگے جس طرح صفا پر مانگی، یہ سعی کا ایک چکر ہو گیا، اس کے بعد صفا کی طرف روانہ ہو اور مَیْلَیْنِ اَخْضَرَیْنِ (سبز لائٹوں) کے درمیان درمیانی رفتار سے دوڑے اور صفا پر پہنچ کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے اسی طرح دعا مانگے، یہ دوسرا چکر مکمل ہو گیا، یاد رہے کہ صفا مروہ پر استلام ثابت نہیں، لہذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ مذکور طریقہ سے جب ساتواں چکر مروہ پر پورا کر لے تو آخر میں دو رکعات نفل ادا کرے، لیکن مروہ پر نہیں، بلکہ مروہ سے نیچے اتر کر حرم شریف میں کسی بھی جگہ پڑھ لے، اس کے بعد حلق یا قصر کرا لے۔ جبکہ دورانِ سعی اگر نماز کا وقت ہو جائے تو سعی موقوف کر لے اور نماز کے بعد اسی جگہ سے سعی شروع کرے۔ یاد رہے کہ سعی کے لیے باوضو ہونا شرعاً لازم نہیں، البتہ بہتر و افضل ہے، لہذا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

## روشن باتوں اور ہدایت کو چھپانے والے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | الَّذِيْنَ | جو لوگ | يَكْتُمُوْنَ | وہ چھپاتے ہیں |
| مَآ | (اُن کو) جو | اَنْزَلْنَا | ہم نے نازل کیا | | |
| مِنَ الْبَيِّنٰتِ | کھلی نشانیوں میں سے | وَالْهُدٰى | اور ہدایت (کی باتیں) | | |
| مِنْۢ بَعْدِ | اس کے بعد | مَا بَيَّنّٰهُ | ہم نے واضح کر دیا | | |
| لِلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | فِي الْكِتٰبِ | کتاب میں | | |
| وأُولٰٓئِكَ | اور یہی لوگ | يَلْعَنُهُمُ | لعنت کرتا ہے ان پر | اللّٰهُ | اللہ |
| وَيَلْعَنُهُمُ | اور لعنت کرتے ہیں ان پر | اللّٰعِنُوْنَ | لعنت کرنے والے۔(159) | | |

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى: بیشک وہ لوگ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ یہ آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل

ہوئی جو توریت شریف کے احکام چھپاتے تھے، مثال کے طور پر علمائے یہود جنہوں نے تورات کے علم کو بس اپنے ہی حلقہ میں محدود کر رکھا تھا اور مثلاً رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور عوام میں زنا کی سزا ہی دوسری تجویز کرلی تھی۔ یا دیدہ دانستہ عوام میں مشہور کر دیا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) یا اسحاق (علیہ السلام) وغیرہ یہودی تھے یا قبلہ کے متعلق صحیح معلومات عوام سے چھپا رکھی تھیں وغیرہ وغیرہ۔

## دینی مسائل چھپانے کی سخت وعیدیں

احادیث میں دینی مسائل چھپانے کی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہے لیکن وہ اسے چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔'' (ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم، ۴ / ۲۹۵، الحدیث: ۲۶۵۸) حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''جو علم کے بغیر فتویٰ دے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (ابن عساکر، محمد بن اسحاق بن ابراہیم۔۔۔الخ، ۵۲ / ۲۰)

اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کا دینی لحاظ سے معاشرہ میں کچھ مقام ہوتا ہے اور ان کی اتباع کی جاتی ہے۔ مثلاً علماء، پیرومشائخ، واعظ اور مصنفین وغیرہ ایسے حضرات اگر اللہ تعالیٰ کے واضح احکام اور ہدایات کو چھپائیں تو اس کا نتیجہ چونکہ عام گمراہی اور فساد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لہذا یہ لوگ بدترین قسم کے مجرم ہوتے ہیں جو اپنے گناہ کے بار کے علاوہ اپنے بیشمار متبعین کے گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر پر اٹھاتے ہیں۔ لہذا ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے۔ فرشتے بھی، انسان بھی اور بری اور بحری مخلوق بھی۔ حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ اس لیے کہ فساد فی الارض یا عذاب الٰہی کی صورت میں انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق بھی متاثر ہوتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کسی حکم شرعی سے واقف ہوں اور وہ موقع اس کی تعلیم وتفہیم کا ہو، تو ایسے لوگوں کا خاموشی اختیار کر لینا جائز نہیں، ان کی خاموشی بھی گناہ ہے۔

## اسلامی شریعت میں بغیر تصدیق اور علم کے غلط مسئلے بتانے والا

اسی طرح غلط مسائل بیان کرنے والوں، بغیر پڑھے عالم و مفتی و محدث و مفسر کہلانے والوں اور قرآن و حدیث کی غلط تشریحات و توضیحات کرنے والوں کی آج کل کمی نہیں اور یہ سب مذکورہ آیت و احادیث کی وعید میں داخل ہیں۔ اسی وعید میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ہیں تو محض کوئی آرٹیکل یا کالم لکھنے والے لیکن دین کو بھی اپنے قلم سے تختہ مشق بناتے ہیں۔ اسلامی شریعت میں بغیر تصدیق اور علم کے غلط مسئلے (فتویٰ) بیان کرنا ایک بہت بڑا گناہ، حرام اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں انتہائی بھیانک ہے، اور ایسے شخص پر فوری طور پر توبہ واجب ہوتی ہے۔ ایسا شخص خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اس کے بتائے ہوئے غلط مسئلے پر عمل کر کے جتنے لوگ گناہ کریں گے، ان کا وبال بھی اسی بیان کرنے والے کے سر ہوگا۔ لوگوں کا دین برباد کرنے کے سبب ایسے شخص کی عزت اور آخرت داؤ پر لگ جاتی ہے، اور روزِ محشر اسے سخت حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لئے جو شخص جان بوجھ کر یا بغیر علم کے غلط مسئلہ بتائے، اس کے بارے میں احادیث میں سخت ترین تنبیہ آئی ہے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

**یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ**: اللہ ان پر لعنت فرماتا ہے۔ اسلام کی حقانیت، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی عظمت اور شریعت کے احکام چھپانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور دیگر حضرات یعنی ملائکہ و مومنین کی بھی لعنت ہے۔ یعنی فرشتے اور انسان اللہ کی لعنت رحمت خداوندی سے محروم ہونا ہے اور مخلوق کی لعنت اُن کے لئے محرومی کی بددُعاء کرنا ہے۔

# لعنت کے مستحقین/ہمیشہ عذاب میں رہنے والے معبود صرف ایک ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾

## ہمیشہ کیلیے لعنت میں گرفتار رہنے والے

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِلَّا الَّذِيْنَ | مگر وہ لوگ جنہوں نے | تَابُوْا | توبہ کی |
| وَاَصْلَحُوْا | اور (اپنی) اصلاح کی | وَبَيَّنُوْا | اور واضح کیا |
| فَاُولٰٓئِكَ | پس یہی لوگ ہیں | اَتُوْبُ | میں معاف کرتا ہوں |
| عَلَيْهِمْ انہیں | وَاَنَا اور میں | التَّوَّابُ | بہت زیادہ توبہ کرنے والا |
| الرَّحِيْمُ | نہایت رحم کرنے والا ہوں ۔(160) | | |

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اس دائرۂ لعنت سے نکلنے کی صرف ایک صورت ہے کہ یہ لوگ اپنی سابقہ کوتاہیوں سے تائب ہوں اور زندہ لوگوں کے سامنے حق کو صاف طور پر بیان کریں ورنہ جو

لوگ اس حالت کفر میں مر گئے وہ ہمیشہ کے لیے لعنت میں گرفتار رہیں گے۔یعنی صرف توبہ کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ ان کے اس کتمان حق سے جو بگاڑ پیدا ہوا تھا۔اس کی انہیں اصلاح بھی کرنا ہوگی۔ پھر اپنی غلطی کا لوگوں کے سامنے برملا اعتراف بھی کریں تو صرف ایسے لوگوں کی اللہ توبہ قبول کرے گا ورنہ نہیں۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مصنف احکام الٰہی کی غلط تاویل کرکے اپنے ملحدانہ خیالات پر مشتمل ایک کتاب شائع کر دیتا ہے، بعد میں توبہ کر لیتا ہے۔لیکن اس کے جو ملحدانہ خیالات عوام میں پھیل چکے۔جب تک وہ ان کی تردید میں اپنی دوسری کتاب لکھ کر اس پیدا شدہ بگاڑ کی اصلاح نہ کرے گا۔اس کی توبہ قبول ہونے کی توقع نہ ہوگی اور یہی بَیَّنُوْا کا مفہوم ہے۔بہرحال فرمایا جارہا ہے کہ لعنت کی اس تعزیر سے وہی بچ سکیں گے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا جنہوں نے توبہ کر لی۔ وَاَصْلَحُوْا اپنے آپ کی اصلاح کر لی۔یعنی خود کو سنوار لیا۔سابقہ فرائض وحقوق ادا کئے اور آئندہ کے لئے مستعد ہونے کا عہد کیا وَبَیَّنُوْا اور جس چیز کو چھپا رہے تھے اسے واضح طور پر بیان کر دیا۔ فرمایا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ میں ایسے ہی لوگوں پر رجوع کرتا ہوں۔وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اور میں رجوع کرنے والا مہربان ہوں۔مطلب یہ کہ جب کوئی شخص سابقہ کوتاہیوں اور غلطیوں سے تائب ہو کر راہ رسات پر آجائے تو میں اس کی تمام سابقہ لغزشیں معاف کر دیتا ہوں۔مجھ سے بڑھ کر معاف کرنے والا رحیم وکریم اور کوئی نہیں۔حتی کہ میں کفر وشرک جیسے اکبر الکبائر کو بھی معاف کر دیتا ہوں۔

## ایمان کی دولت سے محرومی بڑی بدبختی / ایمان کی سلامتی بہت بڑی سعادت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | الَّذِیْنَ | وہ لوگ جنہوں نے | كَفَرُوْا | کفر کیا |
| وَمَاتُوْا | اور وہ مر گئے | وَهُمْ | اس حال میں کہ وہ | كُفَّارٌ | کافر (ہی) تھے |
| اُولٰٓئِكَ | یہی لوگ | عَلَیْهِمْ | ان پر | لَعْنَةُ اللّٰهِ | لعنت ہے اللہ کی |
| وَالْمَلٰٓئِكَةِ | اور فرشتوں کی | وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ | | اور سب لوگوں کی (161) | |

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ: اور جو حالتِ کفر میں مرے۔سب سے بدبخت آدمی کفر پر مرنے والا

ہے اگر چہ اس کی ساری زندگی اعلیٰ درجے کی عبادت و ریاضت اور تبلیغ و خدمت دِین میں گزری ہو کفر پر مرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا مرتے وقت ایمان کی دولت سے محروم رہ جانا سب سے بڑی بدبختی ہے اور اس وقت ایمان کا سلامت رہ جانا بہت بڑی سعادت ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اگر چہ کتنا ہی نیک و پارسا، عبادت گزار اور پرہیزگار کیوں نہ ہو اپنے برے خاتمے سے خوفزدہ رہے۔

## بُرے خاتمے سے خوفزدہ رہنے والے

ہمارے بزرگانِ دین کا بھی یہی طرزِ عمل رہا ہے کہ وہ سب سے زیادہ برے خاتمے کے بارے میں خوفزدہ رہتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے انتقال کے وقت جب آپ کے صاحب زادے نے طبیعت دریافت کی تو فرمایا ’’ابھی جواب کا وقت نہیں ہے، بس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میرا خاتمہ ایمان پر کر دے کیونکہ ابلیس لعین اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ’’تیرا دنیا سے ایمان سلامت لے جانا میرے لئے باعث مِلال ہے۔ اور میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ ابھی نہیں، جب تک ایک بھی سانس باقی ہے میں خطرے میں ہوں، میں (تجھ سے) پر امن نہیں ہوسکتا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ذکر امام احمد حنبل، ص ۱۹۹، الجزء الاول) پیران ِ پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں یعنی لوگ کہہ رہے ہیں کہ کل عید ہے! کل عید ہے! اور سب خوش ہیں لیکن میں تو جس دن اس دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے کر گیا میرے لئے تو وہی دن عید ہوگا۔

اس آیت میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ یہ مسئلہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت نہ کی جائے نیز فاسق کا نام لے کر لعنت جائز نہیں جیسے کہا جائے ’’فلاں شخص پر لعنت ہو‘‘ البتہ وصف کے ساتھ لعنت کر سکتے ہیں جیسے احادیث میں جھوٹوں، سود خوروں، چوروں اور شرابیوں وغیرہ پر لعنت کی گئی ہے۔ نیز وصف کے اعتبار سے لعنت قرآن پاک میں بھی کی گئی ہے جیسے جھوٹوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ’’لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ‘‘ (آل

عمران:٦١) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ۔ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ: اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ۔ مومن تو کافروں پر لعنت کریں گے ہی، بروزِ قیامت کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے ۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے، لیکن ان کے علاوہ کسی بھی بڑے سے بڑے گنہگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے ۔ کیوں کہ ممکن ہے مرنے سے پہلے اس نے توبہ نصوح کر لی ہو یا اللہ نے اس کے دیگر نیک اعمال کی وجہ سے اس کی غلطیوں پر قلم عفو پھیر دیا ہو ۔ جس کا علم ہمیں نہیں ہو سکتا ۔ البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتکبین کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ یہ لعنت والے کام کر رہے ہیں، ان سے اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو یہ بارگاہ الٰہی میں ملعون قرار پا سکتے ہیں ۔

## دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والا گروہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| خٰلِدِیْنَ | ہمیشہ رہیں گے | فِیْهَا | اس میں | لَا یُخَفَّفُ | نہ ہلکا ہوگا |
| عَنْهُمُ | ان سے | الْعَذَابُ | عذاب | وَلَا | اور نہ |
| هُمْ | انہیں | یُنْظَرُوْنَ | مہلت دی جائے گی | | |

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ: ان پر سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا ۔ کفار کو کبھی عذاب سے چھٹکارا نہ ملے گا اور نہ انہیں نیک اعمال کی یا توبہ کی مہلت دی جائے گی ۔ کافر کا عمل اسے کچھ نفع نہیں دیتا مقصد یہ کہ جو لوگ کفر کی حالت میں ہی مر جائیں گے وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔ نہ تو ان کے عذاب میں کچھ کمی کی جائے گی اور نہ ہی اس عذاب کو کچھ دیر کے لئے مؤخر کر کے انہیں مہلت دی جائے گی ۔ لعنت کا عذاب اس قدر سخت ہوگا ۔ دوزخیوں کا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا یہ معنی ہے کہ ان سے عذاب کبھی منقطع نہ ہوگا ۔ چنانچہ کلام اللہ کی ظاہری آیات سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل اور جمہور علمائے اسلام کے مذہب سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عذاب لامتناہی اور بغیر کسی انقطاع کے ہوگا جو کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے: 1)....﴿وَما هُم بِخٰرِجینَ مِنَ النّارِ ﴿١٦٧﴾﴾ " اور وہ آگ سے نکلنے والے نہیں ۔" 2)....﴿كُلَّما أَرادوا أَن يَخرُجوا مِنها مِن

غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا سورۃ الحج جب کبھی وہاں غم سے نکلنا چاہیں گے، تو پھر اس میں دھکیل دیئے جائیں گے۔" 3)....﴿لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا اور نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں (اور عذاب سے چھوٹیں) اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ 4)....﴿وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ...﴿۴۰﴾... سورۃ الاعراف) اور نہ وہ لوگ کبھی جنت میں جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جائے۔" 5) ....﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (سورۃ النساء)" اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔" 6)....﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (سورۃ الجن)" اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں ان کے لئے دوزخ کی آگ (تیار) ہے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔" نیز صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" موت کو ایک سفید اور سیاہ رنگت کے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے مابین کھڑا کر کے پکارا جائے گا، اے جنت والو! (تمہیں یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور موت نہیں آئے گی، اور اے دوزخ والو! (تمہیں بھی یہاں) ہمیشہ رہنا ہوگا اور موت نہیں آئے گی۔" اور اسی طرح قتل وغیرہ جیسے کبیرہ گناہوں کی سزا میں بھی صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ ان تمام آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کو دوزخ میں لامتناہی اور دائمی عذاب ہوگا۔ جس آیت یا حدیث سے اس کے مخالف مفہوم ذہن میں آتا ہو اس کے معنی میں تاویل کی گئی ہے جیسا کہ آیت ذیل سے مترشح ہے:﴿خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ (هود)" ہمیشہ اسی دوزخ میں رہیں گے جب تک (آخرت کے) آسمان و زمین قائم رہیں گے مگر جن لوگوں کو تیرا مالک چاہے گا۔" یعنی اس آیت شریفہ کا ظاہری مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عذاب منقطع ہوگا اور ان کے عذاب کی کوئی انتہاء بھی ہے۔ چنانچہ صرف استثناء" إِلَّا" اس پر دلالت کرتا ہے۔

## تعظیم شعائر اللہ کا واحد مقصد

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَاِلٰـهُكُمْ | اور معبود تمہارا | اِلٰهٌ وَّاحِدٌ | معبود ایک ہی ہے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| لَآ | نہیں ہے | اِلٰهَ | عبادت کے لائق | اِلَّا هُوَ | سوائے اس کے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| الرَّحْمٰنُ | نہایت مہربان | الرَّحِيْمُ | بہت رحم کرنے والا۔(163) |

یہ خطاب دراصل مشرکین مکہ سے ہے۔جنہوں نے کئی الہ بنا رکھے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اتنے بڑے کارگاہ کائنات کا سارے کا سارا انتظام ایک اکیلا اللہ کیسے سنبھال سکتا ہے؟ ان کی عقل میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی۔لہذا انہوں نے مختلف امور کے لیے مختلف الہ تجویز کر رکھے تھے اور جتنی پرانی تہذیبیں پائی جاتی ہیں۔مثلاً ہندی، رومی، مصری، یونانی تہذیبیں، ان سب لوگوں نے دیوی دیوتاؤں کا ایسا ہی نظام تجویز کر رکھا تھا اور مسلمانوں میں بھی اکثر لوگوں میں گو زبانی نہیں مگر عملاً ایسے ہی اعتقادات وافعال رائج ہو چکے ہیں۔ یہ سب لوگ ہی اس آیت کے مخاطب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب نہیں ہوتی اور قرآن میں یہ مضمون لاتعداد مقامات پر آیا ہے۔کہیں اجمالاً کہیں تفصیل سے اور دلائل کے ساتھ۔لہذا اس کی واحدانیت پر ایمان لانا چاہئے اور خلاص اسی کی عبادت کرنی چاہئے اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنانا چاہئے۔ یہ تمام مسائل کی بنیاد ہے۔اگر تہذیب اخلاق اس بنیاد پر قائم ہو گا تو درست ہو گا اور نہ ہی لہذا معبود وہ ہو سکتا ہے۔ جو مختار کل، قادر مطلق علیم وخبیر نافع اور ضار ہو، جو مشکل کشائی کرنیوالا ہو۔ہمہ بیں، ہمہ دان اور ہمہ تو اوہ جو چاہے کرے۔اور جس کے حکم کو کوئی ٹال نہ سکے۔

## ہمہ بیں، ہمہ دان اور ہمہ تو کا معنیٰ ومطلب

ہمہ بیں، ہمہ دان اور ہمہ تو فارسی زبان کے الفاظ ہیں جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ان کا مفہوم اور مطلب درج ذیل ہے ہمہ بیں: اس کا مطلب ہے" سب کچھ دیکھنے والا"۔ یہ لفظ کائنات کے ذرے ذرے پر نظر رکھنے والی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ہمہ دان اس کا مطلب ہے "سب کچھ جاننے والا"۔ایسا شخص یا ہستی جو ہر چیز کا علم رکھتی ہو، یعنی دانا اور علیم۔ہمہ تو / ہمہ تو اس کا

مطلب ہے” سب کچھ کرنے کی طاقت رکھنے والا“ ۔یعنی وہ ذات جو ہر چیز پر قادر ہو، ہر مشکل کو حل کرنے کی قدرت رکھتی ہو( قادرِ مطلق ) ۔تصوف اور شاعری میں یہ الفاظ بالعموم اللہ تعالیٰ کی صفات ( دیکھنا، جاننا اور قدرت رکھنا ) کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُـوَ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور وہ ایسا معبود ہے الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ جو رحمٰن اور رحیم ہے ۔رحمٰن سے مراد بیحد مہربان ہے اس کا بڑا افیضان ہے اور رحیم سے مراد خصوصی رحمت کرنے والا ہے ۔اہل ایمان کے لئے خصوصی رحمت کا اظہار قیامت کے روز ہوگا۔امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن و رحیم کا تعلق تجلی اعظم سے ہے ۔ جیسے اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی “یعنی رحمٰن کی تجلی عرش پر پڑتی ہے اور جس شخص کا تعلق اس تجلی کے ساتھ ہو جاتا ہے ۔وہ کامیابی کی منزل پالیتا ہے ۔اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تہذیب اخلاق یا تعظیم شعائر اللہ کا واحد مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اور رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جائے ۔یہ بڑی اہم آیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ان دو آیتوں میں اسم اعظم ہے یعنی وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ اور الٓمّٓ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ اسم اعظم اللہ جلا جلالہ اللہ کا وہ اسم پاک ہے ۔جس کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اسے پکارا جائے تو وہ بندے کی دعا کو سنتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے ۔

# دس احسانات/ رات اور دن کا تغیر/ زمین کے ذخائر/ چاند کی دھیمی روشنی کے فوائد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

## کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کا تذکرہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | فِيْ خَلْقِ | پیدائش میں | السَّمٰوٰتِ | آسمانوں کی |
| وَالْاَرْضِ | اور زمین کی | وَاخْتِلَافِ | بدلتے رہنا | الَّيْلِ | رات |
| وَالنَّهَارِ | اور دن | وَالْفُلْكِ | اور کشتیوں (میں) | الَّتِيْ | جو |
| تَجْرِيْ | بہتی ہیں | فِي الْبَحْرِ | سمندر میں | بِمَا | ساتھ (ان چیزوں کے) جو |
| يَنْفَعُ | نفع دیتی ہیں | النَّاسَ | لوگوں کو | وَمَآ | اور جو |
| اَنْزَلَ اللّٰهُ | نازل کیا اللہ نے | مِنَ السَّمَآءِ | آسمان سے | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مِنۡ مَّآءٍ | پانی سے | فَاَحۡيَا | پھراس نے زندہ کیا | بِهٖ | اس کے ساتھ |
| الۡاَرۡضَ | زمین کو | بَعۡدَ مَوۡتِهَا | بعداس کی موت کے | | |
| وَبَثَّ | اور (جو) اس نے پھیلائے | فِيۡهَا | اس میں | مِنۡ كُلِّ | ہر قسم کے |
| دَآبَّةٍ | جانور | وَّتَصۡرِيۡفِ | اور بدلنا | الرِّيٰحِ | ہواؤں کا |
| وَالسَّحَابِ | ان بادلوں (میں | الۡمُسَخَّرِ | (جو) تابع ہیں | | |
| بَيۡنَ | درمیان | السَّمَآءِ | آسمان | وَالۡاَرۡضِ | اور زمین کے |
| لَاٰيٰتٍ | یقیناً (ان سب میں) نشانیاں ہیں | لِّقَوۡمٍ | اُن لوگوں کے لیے | | |
| يَّعۡقِلُوۡنَ | وہ (جو) عقل والے ہیں (164) | | | | |

یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم وتدبیر کے متعلق اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے، جو کسی اور آیت میں نہیں ۔تخلیق آسمانی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام احسانات جتلائے ہیں جو آسمان کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ان میں وہ تمام کرے شامل ہیں جو آسمان کی فضاؤں میں موجود ہیں اور باقاعدہ گردش کر رہے ہیں ۔ پورا نظام شمسی جس سے کُرّہ اَرض والے مستفید ہو رہے ہیں ۔(کُرّہِ اَرض کا معنی: زمین کا گولا یا کرہ) آسمانی نظام کا ایک حصہ ہے ۔آسمانی کروں میں سورج، چانداور زمین بڑے اہم کرے ہیں ۔جن پر انسانی زندگی کا انحصار ہے ۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں پیدا کیا ہے ۔بلکہ انہیں ایک خاص رفتار سے گردش میں لا کر نسل انسانی کی تمام ضروریات زندگی فراہم کر دی ہیں ۔نوع انسانی کے لئے روشنی اور حرارت سورج کی مرہون منت ہے ۔

## چوبیس گھنٹے کا چکر

اگر انسان کو یہ چیزیں میسر نہ ہوں تو نہ کوئی کام ہو سکے اور نہ خوراک کے لئے غلہ، سبزیاں اور پھل پک سکیں اور پھر یہ ہے کہ سورج 365 دن میں ایک خاص رفتار سے اپنا چکر پورا کرتا ہے ۔ جس سے موسموں کا تغیر وتبدل پیدا ہوتا ہے اور انسان گرما، سرما، بہار اور خزاں ہر موسم سے مستفید ہوتا

ہے۔(بہار: یہ موسمِ سرما کے بعد آتا ہے جس میں فطرت انگڑائی لیتی ہے۔اس کا مفہوم شادابی، پھولوں کے کھلنے، ہریالی اور زندگی کی نوید سے ہے۔خزاں: یہ موسمِ گرما کے اختتام پر آتا ہے۔اس کا مفہوم درختوں سے پتوں کے جھڑنے، بے برگ ہونے، اور سردی کی آمد سے ہے)۔ پورے چوبیس گھنٹے کا چکر بھی دن اور رات کی تخلیق کا باعث ہے جس کی وجہ سے انسان کی روزمرہ زندگی میں باقاعدگی پیدا ہوتی ہے۔اگرچہ موجودہ زمانے کی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ سورج اور چاند زمین کے گرد چکر نہیں لگاتے بلکہ زمین ان کے گرد چکر لگاتی ہے اور خود بھی اپنے محور کے گھومتی ہے۔تاہم جس طریقہ سے بھی ہے آسمانی کروں کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر انسان پر احسان عظیم کیا ہے۔کیونکہ انسانی زندگی کا انحصار اس نظام کے ساتھ وابستہ ہے۔زمین کے بعد چاند اپنی منزل 28 یا 29 دن میں پوری کرتا ہے۔بعض سیارے دو سال میں اپنا چکر پورا کرتے ہیں۔ماہرین فلکیات کا کہنا ہے کہ کچھ سیارے ایسے ہیں جو اپنا چکر 35 یا 36 ہزار سال میں مکمل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے سورج کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ یہ ضیا ہے۔اسی طرح چاند کی دھیمی دھیمی روشنی کے ذریعے اللہ تعالیٰ پھلوں میں رس پیدا فرماتے ہیں۔

## مدوجزر کا معنیٰ ومطلب

اسی طرح سمندر کے مدوجزر کا تعلق بھی چاند کے بڑھنے گھٹنے کے ساتھ وابستہ ہے۔(مدوجزر (جسے عام زبان میں جوار بھاٹا کہا جاتا ہے) سے مراد سمندر کے پانی کا قدرتی اور باقاعدہ اتار چڑھاؤ ہے یہ بنیادی طور پر چاند اور سورج کی کشش ثقل کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔لفظی لحاظ سے اس کے دو حصے ہیں: مد: اس کا معنی ہے پانی کا چڑھنا یا آگے بڑھنا۔اس دوران سمندر کی سطح بلند ہوتی ہے۔جزر: اس کا معنی ہے پانی کا اترنا یا پیچھے ہٹنا۔اس دوران سمندر کی سطح نیچے چلی جاتی ہے۔) غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آسمانی کا ذکر کر کے اس سے وابستہ نظام اور اس سے انسانی مفاد بیان فرمایا ہے۔

## زمین کی تخلیق میں انسانی زندگی کی بقا

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں اللہ تعالیٰ نے جس دوسرے احسان کا ذکر کیا ہے وہ تخلیق زمین ہے۔زمین کے ساتھ انسانی زندگی کی بقا کس حد تک وابستہ ہے۔یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔انسانی ضرورت کی ہر چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے۔غلہ،سبزی،پھل،نباتات،جمادات،ہر چیز کا منبع زمین ہے۔انسانی زندگی کی اہم ترین چیز پانی بھی زمین کے کھودنے سے نکل آتا ہے۔اس کے علاوہ مع دنیات کے وسیع ذخائر مثلاً سونا،چاندی،کوئلہ،تانبہ،نمک،گندھک،تیل وغیرہ سب زمین کی پیداوار ہیں۔لوہے کا تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر قرآن پاک میں تذکرہ کیا ہے" وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ "ہم نے بیحد زوروالا لوہا پیدا کیا۔اس میں لوگوں کے لئے بڑے بڑے فائدے رکھے ہیں۔اس زمانے کو تو لوہے کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔

## چار بابرکت چیزیں

لوہا۔مفسرین نے فرمایا کہ یہاں آیت میں ''اتارنا'' پیدا کرنے کے معنی میں ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے لوہا پیدا کیا اور لوگوں کو اس کی صنعت کا علم دیا حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے،نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے چار بابرکت چیزیں آسمان سے زمین کی طرف اتاریں،(1)لوہا۔(2) آگ ۔(3)پانی۔(4)نمک۔ (مسند الفردوس،باب الالف،۱/ ۱۷۵،الحدیث:۶۵۶)اور لوہے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں انتہائی سخت قوت ہے،یہی وجہ ہے کہ اس سے اسلحہ اور جنگی سازوسامان بنائے جاتے ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے اور بھی فائدے ہیں کہ لوہا صنعتوں اور دیگر پیشوں میں بہت کام آتا ہے۔دیکھ لیجیے آج کی دنیا میں لوہا کتنا اہم عنصر ہے۔ریل،موٹر،جہاز بحری ہو یا ہوائی،چھوٹے چھوٹے اوزار سے لے کر بڑی بڑی مشینری تک تمام کے تمام لوہے کے محتاج ہیں۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذخائر بھی زمین ہی میں رکھے ہیں۔اس کو کام میں لانے کے لئے اسے نرم کرنیکی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے ایندھن بھی کوئلے کی صورت میں زمین ہی سے پیدا کیا ہے۔قرآن پاک میں

پہاڑوں کا ذکر بار بار آتا ہے۔

## پہاڑوں کے ساتھ انسانی زندگی کے بہت سے مفاد وابستہ

پہاڑوں کے ساتھ بھی انسانی زندگی کے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔جن میں پتھر، چشمے، جڑی بوٹیاں اور معدنیات شامل ہیں اور یہ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہی پیدا کئے ہیں۔کہیں فرمایا" وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ "زمین میں بوجھل پہاڑ جگہ جگہ رکھ دیئے۔مفسرین کے مطابق لفظ "رَوَاسِيَ "راسیہ" کی جمع ہے،جس کا مطلب ہے"مضبوطی سے جم جانے والی چیزیں"۔قرآن میں پہاڑوں کو زمین کی میخیں قرار دیا گیا ہے جو زمین کو ہلنے اور ڈانواں ڈول ہونے سے بچاتی ہیں۔کہیں فرمایا۔"وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا "پہاڑوں کو زمین میں میخوں کی طرح گاڑ دیا۔میخ کا کام: جس طرح خیمے کو زمین میں گاڑنے کے لیے میخیں استعمال کی جاتی ہیں،اسی طرح پہاڑ زمین کی تہوں کو مستحکم رکھتے ہیں۔پہاڑ زمین کی سطح پر جتنے بلند دکھائی دیتے ہیں،اس سے کہیں زیادہ گہرائی تک ان کی جڑیں زمین کے اندر پیوست ہوتی ہیں تاکہ توازن قائم رہے۔الغرض پہاڑ بھی زمین ہی کا حصہ ہیں اور زمین ہی سے تمام ضروریات زندگی وابستہ ہیں اور بالآخر مرنے کے بعد زمین ہی اسے اپنی آغوش میں لیتی ہے۔

## شب وروز کے تغیر وتبدل میں بھی قدرت الٰہی کے واضح نشانات

شب وروز کے تغیر وتبدل کے متعلق فرمایا۔وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی دن رات کے تغیر میں بھی قدرت الٰہی کے واضح نشانات موجود ہیں۔عقلمند لوگ سمجھتے ہیں کہ دن رات کی تبدیلی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کس قدر منفعت رکھی ہے۔دن کے وقت انسان کام کاج کر کے اپنی روزی پیدا کرتا ہے اور پھر جب دن بھر کے کام سے تھک جاتا ہے تو آرام کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے آرام کے لئے رات بنادی تاکہ وہ آرام وسکون حاصل کر کے اگلے دن کی مشقت کے لئے پھر سے کمربستہ ہو جائے اگر ہمیشہ دن ہی رہتا یا ہمیشہ رات ہی چھائی رہتی تو گذراوقات میں کس قدر مشکلات آتیں۔سورہ قصص میں فرمایا ذرا دیکھو تو سہی"اِنْ جَعَلَ

اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لئے دن ہی قائم رکھتا تو تمہارے سکون و آرام کے لئے رات کو کون لا سکتا تھا۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں اختلاف پیدا کر کے انسان پر احسان عظیم کیا ہے۔

## سمندری سفر کی سہولت

اس کے بعد فرمایا وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ دریا اور سمندر میں چلنے والی کشتیاں اور جہاز یہ فقرہ مختلف سورتوں میں قدرتِ خداوندی اور اس کی نعمتوں کے دلائل کے طور پر آیا ہے (مثلاً، سورۃ لقمان آیت 31 اور سورۃ الحج آیت 65)۔ اس میں کشتیوں اور سمندری جہازوں کا ذکر کیا گیا ہے جو انسانوں کے لیے نفع بخش چیزیں (جیسے تجارت اور سفر) لے کر سمندروں کے پانی پر تیرتے ہیں، یہ سمندری سفر کی سہولت دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمندروں کو مسخر کرنے اور انسانوں پر نعمتوں کے نزول کی واضح نشانی ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن میں عقل و شعور رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ دریائی اور سمندری راستے زمانہ قدیم سے نقل و حمل کے معروف راستے ہیں۔ جوں جوں دنیا نے ترقی کی ہے۔ ذرائع میں خاطر خواہ ترقی ہوئی ہے۔ بادبانی کشتیوں کی جگہ بڑے بڑے مال بردار جہاز معرض وجود میں آئے ہیں۔ جن کے ذریعے لاکھوں ٹن مال ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔ خشکی اور ہوائی ذرائع کی نسبت بحری ذرائع سے نقل و حمل آج بھی سستی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی ایک کونے میں پیدا ہونے والی چیز دنیا کے دوسرے کونے تک با آسانی پہنچ رہی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کشتی نوح کا ذکر کر کے اسے ہمیشہ کے لئے نمونہ بنا دیا ہے۔

## حضرت ادریس (علیہ السلام) کے ہاتھوں سے ایجادات کا ظہور

لاکھوں ٹن وزنی بحری جہاز جدید ٹیکنالوجی اور علم ریاضی کے مرہون منت ہیں مگر ان فنون کی حقیقی ایجاد دراصل حضرت ادریس (علیہ السلام) کے ہاتھوں سے ہوئی۔ تفسیر مدارک والے نے لکھا

ہے کہ قلم کے ساتھ لکھنے کا سلسلہ بھی سب سے پہلے حضرت ادریس (علیہ السلام) سے شروع ہوا، کپڑے سینے کا ہنر اور مشینری بھی ان کے ہاتھوں سے ایجاد ہوئی، ستاروں سے متعلق معلومات، علم حساب اور ناپ تول کے اوزان بھی انہوں نے رائج کئے مختلف مواقع پر استعمال ہونے والا اسلحہ بھی حضرت ادریس (علیہ السلام) کے ہاتھوں سے ظہور میں آیا۔

## نشانات قدرت کی ایک اور دلیل، آسمان سے نزول آب

نشانات قدرت ہی کے بیان میں فرمایا وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا جس کے ذریعہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ انسان اور جانوروں کے لئے خوراک کی پیداوار کا انحصار پانی پر ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو کوئی چیز پیدا نہ ہو۔ آسمان سے نزول آب سے مراد بارش ہے۔ قرآن پاک میں بار بار آتا ہے کہ دیکھو ہم کس طرح بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلاتے ہیں اور پھر ان کے ذریعے خشک زمین پر بارش برساتے ہیں۔ جس کے ذریعے ہم کھیتیاں اگاتے ہیں، جو تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لئے خوراک بنتی ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ کھیتی باڑی کا کام جدید طرز پر ہونے لگا ہے۔ آلات زراعت میں ترقی ہوئی ہے۔ ذرائع آبپاشی کی سہولتیں میسر آئی ہیں۔ نئی قسم کی کھادیں دریافت ہوئی ہیں جن سے پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ تمام چیزیں انسانی معیشت سے متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ان میں عقل مند لوگوں کے لئے واضح نشانات ہیں۔

## دَآبَّةٍ کا انسانی معیشت میں بہت بڑا عمل دخل

نزول آب کے بعد فرمایا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ یہ اللہ تعالیٰ کے واضح دلائل میں سے ہے کہ اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لئے اتنے جانور پیدا فرمائے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ انسانی زندگی کا جانوروں کے ساتھ گہرا تعلق ہے خصوصاً وہ مویشی جن کا گوشت، دودھ، کھال اور ہڈیاں لوگ استعمال کرتے

ہیں انہیں انسانی معیشت میں بڑا عمل دخل ہے۔اونٹ گائے، بھینس، بھیڑ بکریاں، نہ صرف دودھ مہیا کرتے ہیں۔بلکہ یہ انسانی خوراک کا بھی حصہ ہیں۔اسی طرح گھوڑے، اونٹ اور گدھے وغیرہ بار برداری اور سواری کے کام آتے ہیں۔مرغ، بٹیر اور مچھلی خوراک کا حصہ ہیں۔مرغی کے انڈے انسانی خوراک کا اہم جزو ہیں۔شکاری جانور بھی انسان کے لئے خوراک مہیا کرتے ہیں۔اب تو صید الحیوانات ایک مستقل سلسلہ اور پیشہ بن گیا ہے۔(عربی زبان میں صید کا مطلب شکار کرنا، قابو میں لانا یا پھانسنا ہے۔فقہ کے تحت اس سے مراد ایسے حلال جانوروں، پرندوں یا آبی حیات کو حاصل کرنا ہے جو جنگلی (وحشی) ہوں، انسان کی فوری دسترس میں نہ ہوں اور انہیں مار کر یا پکڑ کر حلال طریقے سے استعمال میں لایا جائے) یہ تمام چیزیں اسباب معاش میں داخل ہیں اور اللہ نے انہیں نشانات قدرت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

## ہواؤں کی گردش بھی صاحب عقل لوگوں کے لئے نشان راہ

آگے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اور نشانی ہوا کا ذکر ہے۔فرمایا وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ ہواؤں کی گردش بھی صاحب عقل لوگوں کے لئے نشان راہ ہے۔ہر ذی جان کے لئے ہوا اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان و حیوان چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ہوا ہمیشہ گردش کرتی رہتی ہے، کبھی مشرق سے مغرب کی طرف اور کبھی مغرب سے مشرق کی طرف چلتی ہے۔کبھی اس کا رخ شمالاً جنوباً ہوتا ہے۔جو انسانوں اور جانوروں کے لئے سکون کا باعث ہوتا ہے۔جب ہوا کی گردش رک جاتی ہے۔تو لوگ گرمی میں تڑپ جاتے ہیں۔پرانے زمانے میں ہوا کے ذریعے بادبانی کشتیاں چلتی تھیں، اسی کے ذریعے لوگ بھوسے سے غلہ علیحدہ کرتے تھے۔ہوا ہی بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا باعث بنتی ہے اور دور دور تک بارش ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے تسخیر ہوا کا قانون بھی انسان کو سمجھایا۔پانی سے بھاپ بنتی ہے جس سے ریل گاڑیاں چلتی ہیں اور ملوں میں بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں۔بڑی سے بڑی مشینری حرکت میں آتی ہے جس کے ذریعے انسانی مفاد کی بیشمار چیزیں تیار ہوتی ہیں۔دخانی جہاز بھی بھاپ سے چلتے ہیں۔یہ سب تسخیر ہوا کے کرشمے ہیں۔

## دُخانی جہاز سے مراد

(دخانی جہاز سے مراد وہ بڑا بحری جہاز یا کشتی ہے جو بھاپ کی طاقت اور انجن سے چلتی ہے۔ اسے عام زبان میں اسٹیمر (Steamer) بھی کہا جاتا ہے۔ لفظی معنی: یہ لفظ عربی زبان کے لفظ "دُخان" (دھواں) سے نکلا ہے۔ چونکہ پرانے بھاپ والے انجن پانی کو گرم کرنے کے لیے کوئلہ جلاتے تھے اور ان سے دھواں نکلتا تھا، اس لیے انہیں "دخانی جہاز" کہا گیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں جب بھاپ کا انجن ایجاد ہوا تو اس نے سمندری سفر کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ یہ جہاز ہوا کے رخ پر انحصار کیے بغیر سفر کرنے کے قابل ہو گئے۔)

## آندھی آنے کے وقت کی مسنون دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے تیز ہوا یعنی آندھی کے وقت کے لئے دعا سکھائی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِھَا وَخَیْرِ مَا فِیْھَا، وَخَیْرِ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا، وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، اور اس بھلائی کا جو اس میں ہے، اور اس بھلائی کا جسے دے کر یہ بھیجی گئی ہے، اور میں اس ہوا کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور جو اس میں ہے اس کے شر سے، اور جو شر اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس سے۔ اے اللہ میں ہوا اور جو کچھ اس کے اندر موجود ہے۔ اس کی خیر مانگتا ہوں۔

## بادلوں کی تسخیر کا مطلب

مسخر بادل فرمایا وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ زمین وآسمان کے درمیان تسخیر شدہ بادل بھی لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ صاحب عقل لوگوں کے لئے نشانات ہیں۔ بادلوں کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ یہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے، ان سے کام لیتا ہے جس رخ پر چاہے انہیں موڑ دیتا ہے اور جہاں اس کی مشیت ہوتی ہے۔ ان سے بارش برسا دیتا ہے۔ جس سے فصلوں میں بہار آجاتی ہے۔ کھیتیاں ہری بھری ہو جاتی ہیں،

الغرض ! اللہ تعالیٰ نے "اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" پر یہاں دس دلائل بیان فرمائے ہیں اور ساتھ یہ بات بھی سمجھادی کہ تہذیب اخلاق کے بعد دوسرا مسئلہ کسب معاش کا آتا ہے اور معاش کے تمام اسباب خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں لہٰذا عبادت بھی صرف اسی کی کرنی چاہئے۔

بہرحال: "وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" کے تحت توحیدِ باری تعالیٰ کو ثابت کرنے اور شرک کی نفی کرنے کے لیے مختلف عقلی، منطقی اور فطری دلائل دیے گئے ہیں۔ان بنیادی دلائل کا خلاصہ کچھ اس طرح بھی ہوسکتا ہے: 1 نظامِ کائنات میں ہم آہنگی: اگر کائنات کے ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو نظامِ کائنات درہم برہم ہوجاتا، کیونکہ ہر خدا اپنی مرضی چلانے کی کوشش کرتا (جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت 22 میں بیان ہوا ہے)۔2 تمام کائنات کا خالق ایک ہے: زمین، آسمان، سورج، چاند اور انسان سمیت کائنات کی ہر شے کا خالق ومالک ایک ہے۔تخلیق ایک ہے تو اس کا مدبر (چلانے والا) بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔3 انسان کی فطرتِ سلیم (توحیدِ فطری): ہر انسان کی فطرت میں اللہ کی وحدانیت کی گواہی پوشیدہ ہے۔مشکلات اور مصائب میں ہر انسان لاشعوری طور پر ایک ہی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے 4 قانون اور ہدایت میں یکسانیت: تمام انبیاء اور آسمانی مذاہب (تورات، انجیل، قرآن) کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی: "اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں" 5 کائنات میں کامل توازن: کائنات کا ہر ذرہ اور ہر سیارہ ایک مقررہ قاعدے اور توازن کے ساتھ چل رہا ہے۔یہ کامل نظم وضبط اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے چلانے والی ہستی ایک ہی ہے۔6 شرک کی بے ثباتی: بت، ستارے یا دوسری مخلوقات جو انسان نے خود تراش لیں یا جنہیں خدا کا درجہ دیا، وہ نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان، اور نہ ہی وہ خود کوئی چیز پیدا کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔7 جامع اور کامل صفات: اللہ تعالیٰ کی صفات (رحمٰن، رحیم، علیم، قدیر) کامل اور لامحدود ہیں۔اگر دو خدا ہوں تو ان کی صفات میں ٹکراؤ اور نقص کا اندیشہ ہوتا ہے۔8 رزق اور تدبیرِ امور: کائنات کے تمام جانداروں کو رزق پہنچانا، زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا، اور کائنات کے معاملات چلانا صرف ایک ہی ذات کے بس میں ہے۔9 دعاؤں کی قبولیت: جب کوئی شخص خلوصِ دل سے دعا کرتا ہے، تو کوئی ایک ہی ذات ہے جو اس کی پکار سنتی ہے اور مصیبت ٹالتی ہے۔10 انسانی عقل وخرد کی گواہی: عقلِ سلیم ہمیشہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کثرتِ معبودان (متعدد خداؤں) کا نظریہ باطل ہے اور پوری کائنات کا ایک ہی حقیقی اور واحد خالق اور معبود ہوسکتا ہے۔

# غیر اللہ کی محبت / اللہ ہی قادر مطلق ہے
# نیک اعمال کی حسرت کرنے والے لوگ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ
يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا
تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ
النَّارِ ﴿١٦٧﴾

### اللہ کا مدمقابل ٹھہرانے والے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمِنَ النَّاسِ | اور بعض لوگ (وہ ہیں) | مَنْ يَّتَّخِذُ | جو بناتے ہیں | | |
| مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ | سوائے اللہ کے (دوسروں کو) | اَنْدَادًا | شریک | | |
| يُّحِبُّوْنَهُمْ | وہ ان سے محبت کرتے ہیں | كَحُبِّ اللّٰهِ | جیسے محبت (کرنی چاہئے) اللہ سے | | |
| وَالَّذِيْنَ | اور جو لوگ | اٰمَنُوْٓا | ایمان لائے | اَشَدُّ | زیادہ سخت ہیں |
| حُبًّا لِّلّٰهِ | محبت کرنے میں اللہ سے | وَلَوْ | اور اگر | يَرَى | (دنیا میں) دیکھ لیں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| الَّذِیْنَ | وہ لوگ جنہوں نے | ظَلَمُوْٓا | ظلم کیا | اِذْ | (اُس وقت کو) جب |
| یَرَوْنَ | وہ دیکھیں گے | الْعَذَابَ | عذاب کو | اَنَّ | (تو جان لیں) کہ بیشک |
| الْقُوَّةَ | قوت | لِلّٰهِ | اللہ ہی کے لیے ہے | جَمِیْعًا | سب |
| وَّاَنَّ | اور (یہ) کہ بیشک | اللّٰهَ | اللہ | شَدِیْدُ | سخت |
| الْعَذَابِ | عذاب دینے والا ہے (165) | | | | |

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب اس آیت میں بتایا کہ اس قدر ظاہر اور واضح دلائل دیکھنے کے باوجود دنیا میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو انداد (برابر اور شریک) بناتے ہیں۔ کائنات کی حکمرانی مخلوق کی حاجت روائی، مشکل کشائی، دعائیں سننا، تمام غائب و حاضر چیزوں سے واقف ہونا، جو اللہ کی خاص صفات ہیں، یہ لوگ یہ صفات ان بناوٹی معبودوں میں سمجھتے ہیں، بلکہ ان سے اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں جو صرف اللہ سے ہونی چاہیے، یعنی اللہ کی مخصوص صفات میں اپنے معبودوں کو اللہ کا مدمقابل ٹھہراتے ہیں اور خالق، مالک اور رازق ہونے کی حیثیت سے اللہ کے جو حقوق بندوں پر عائد ہونا چاہئیں۔ ان حقوق میں وہ دوسروں کو شریک کر لیتے ہیں۔ مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی، عبادت دعائیں سننا اولاد عطا کرنا، غیب و شہادت کی ہر چیز سے واقف ہونا کسی دوسرے کو منبع قانون سمجھنا اور حرام و حلال کی حدود مقرر کرنا۔ ان سب باتوں میں کئی دوسرے پیغمبروں، بزرگوں، فرشتوں جنوں اور دیوی، دیوتاؤں کو اللہ کا مدمقابل اور شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ محبت کا تعلق قلبی اعمال سے ہے اور یہی بات تمام افعال و اعمال کا سرچشمہ ہے اس میں بھی وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کو ہی فوقیت دیتے ہیں۔

## اَنْدَادًا کا بنیادی مفہوم و مطلب

قرآن مجید کے مطابق "اَنْدَادًا" (ند کی جمع) کا بنیادی مفہوم ہم سر، برابر، یا شریک کے ہیں۔ شرک کی اصطلاح میں ہر وہ چیز اس میں شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات یا حقوق (جیسے

عبادت واطاعت ) میں برابر یا شریک ٹھہرایا جائے بت پرست ان ہستیوں کی مورتیاں بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے ۔قبر پرست ان ہستیوں کی قبروں پر عمارتیں بنا کر ان کی پوجا کرتے ہیں، انھیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں، مصیبت کے وقت ان سے فریاد کرتے ہیں ۔خصوصاً یہود ونصاریٰ میں یہ چیز عام تھی ،اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ہر اونچی قبر کو برابر کر دیں ۔( مسلم ) بیان کردہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے، انہوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماویٰ وملجا اور قبلۂ حاجات بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح کھلتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیفیں ہوتی تھی ۔

## اِشْمَأَزَّتْ کا بنیادی مفہوم

جس کا نقشہ اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے : وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (سورة الزمر:45) "اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل سکڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں ۔" اشْمَأَزَّتْ، دلوں کا تنگ ہونا ۔جس کا بنیادی مفہوم نفرت محسوس کرنا، دل کا کڑھنا، ناگواری ہونا یا چہرے پر بل پڑنا ہے ۔ اس کا مفہوم مشرکین کی اس حالت کو ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے جو توحید ( اللہ کی وحدانیت ) کا ذکر سن کر نفرت اور بیزاری محسوس کرتے ہیں ۔وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ) یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو دوسروں کی محبت اور رضا سے مقدم رکھتے ہیں ۔کسی کی محبت بھی ان کے دل میں یہ مقام حاصل نہیں کر سکتی کہ وہ اسے اللہ کی محبت اور رضا پر قربان نہ کر سکیں ۔حدیث

شریف میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت باقی تمام چیزوں سے زیادہ ہوگئی، اس کا ایمان کامل ہوگیا۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر وغیرہ میں پھنس جاتے ہیں تو وہاں انہیں اپنے معبود بھول جاتے ہیں اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (العنکبوت: 65) وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (لقمان: 32) وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين (یونس: 22) ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین سخت مصیبت میں مدد کے لئے صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔

## مشرکوں کی حالت زار کا نقشہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِذْ تَبَرَّاَ | جب بیزار ہو جائیں گے | الَّذِيْنَ | وہ لوگ جن کی | اتُّبِعُوْا | پیروی کی گئی |
| مِنَ | اُن سے | الَّذِيْنَ | جنہوں نے | اتَّبَعُوْا | پیروی کی تھی |
| وَرَاَوُا | اور وہ دیکھیں گے | الْعَذَابَ | عذاب کو | وَتَقَطَّعَتْ | اور منقطع ہو جائیں گے |
| بِهِمُ | ان کے | الْاَسْبَابُ | (تمام) تعلقات۔(166) | | |

(تَبَرَّاَ) یہ "بَرِءَ" سے باب تفعل ہے۔حروف زیادہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ "بالکل بے تعلق ہو جائیں گے" کیا گیا ہے اور "بِخٰرِجِيْنَ" میں باءِ نفی کی تاکید کے لیے ہے، اس لیے ترجمہ "وہ کسی صورت آگ سے نکلنے والے نہیں" کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں تو عالم اسباب کی بہت سی باتیں انسان کی آنکھوں سے مخفی ہیں۔ مگر قیامت کو جب یہ سب اسباب واضح طور پر دیکھ لیں گے تب انہیں معلوم ہوگا کہ تصرف و اقتدار کے جملہ اختیارات تو صرف اللہ ہی کو حاصل تھے اور حاصل ہیں۔ اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر اس وقت ان کی یہ ندامت کسی کام نہ آئے گی اور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ان آیات میں قیامت کے دن ان مشرکوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کاش! وہ دنیا میں اللہ کی بات پر یقین کر کے اس انجام سے بچ جائیں۔ یعنی عالم آخرت میں کافروں کو جو جسمانی عذاب ہوگا، وہ تو ہوگا ہی، وہ ذہنی تکلیف سے بھی دوچار ہوں گے، کہ اپنے جن اسلام دشمن سرداروں اور

رہنماؤں کی پیروی انھوں نے دنیا میں کی ہوگی، دیکھیں گے کہ وہ بھی اسی دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں، یہ صورتِ حال دیکھ کر جب عوام خدا سے کہیں گے کہ انھیں کی پیروی نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے، تو وہ بجائے اعتراف و پشیمانی کے ایسا صاف انکار کر جائیں گے کہ گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو، اس سے ان کی ذہنی و قلبی تکلیف میں اور اضافہ ہوگا۔

## اللہ کی سخت گرفت اور غلطی میں مبتلا گروہ

فرمایا وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡٓا اور اگر ظالم لوگ دیکھیں گے اِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ جب کہ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ساری طاقت تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعَذَابِ اور اللہ سخت گرفت کا بھی مالک ہے۔ مقصد یہ کہ غیروں کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے ہم پلہ گردانے والوں پر یہ راز قیامت کے دن کھلے گا کہ وہ غلطی میں مبتلا تھے۔ جب یہ ظالم اپنی آنکھوں سے دوزخ کے عذاب کو دیکھ لیں گے۔ کہ آج اللہ کے سوا کسی دوسرے کی محبت کام نہیں آسکتی۔ آج تو ساری طاقتیں اور تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، آج وہی قادر مطلق ہے، اسی کا حکم چلتا ہے۔ کاش کہ ہم نے دنیا میں اسی کی محبت کو اولیت دی ہوتی اور غیروں کی محبت کو اس کے برابر نہ سمجھا ہوتا تو آج ہمیں شدید عذاب دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

## قیامت کے دن حقیقت حال کا علم ہونا بے فائدہ ہوگا

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَقَالَ | اور کہیں گے | الَّذِيۡنَ | وہ لوگ جنہوں نے | اتَّبَعُوۡا | پیروی کی | | |
| لَوۡ اَنَّ | کاش کہ | لَنَا | (ہو) ہمارے لیے | كَرَّةً | ایک بار واپسی (دنیا میں) | | |
| فَنَتَبَرَّاَ | تو بیزار ہو جائیں گے ہم (بھی) | مِنۡهُمۡ | ان سے | كَمَا | جس طرح | | |
| تَبَرَّءُوۡا | انہوں نے بیزاری کی (تھی) | مِنَّا | ہم سے | كَذٰلِكَ | اسی طرح | | |
| يُرِيۡهِمُ | انہیں دکھائے گا | اللّٰهُ | اللہ | اَعۡمَالَهُمۡ | ان کے اعمال | | |
| حَسَرٰتٍ | حسرتیں (بنا کر) | عَلَيۡهِمۡ | ان پر | وَمَا هُمۡ | اور نہیں وہ | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| بِخٰرِجِيۡنَ | وہ نکلنے والے (کبھی بھی) | مِنَ النَّارِ | آگ سے۔(167) |

وَ قَالَ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡا اور پیروکار کہیں گے، افسوس کا اظہار کریں گے۔ لَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً اگر ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں پلٹنے کی اجازت مل جائے فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ تو ہم بھی ان راہنماؤں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں۔ كَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا جیسا کہ یہ آج ہم سے بیزار ہو گئے ہیں یعنی اب ہمیں حقیقت حال کا علم ہو گیا ہے اب اگر یہ ہمیں دنیا میں مل جائیں تو ہم ہرگز ان کی تابعداری نہیں کریں گے۔ ایسی ہی لوگوں کے متعلق سورہ احزاب میں آتا ہے کہ یا اللہ رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کا اتباع کیا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا ہمیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا کاش کہ ہم نے تیرے رسولوں کا اتباع کیا ہوتا ہم نے تو اپنے بزرگوں کی بات مانی اے مولا کریم رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَيۡنِ آج ان کو دوگنا عذاب دے کیونکہ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ہمیں بھی گمراہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ تم نے دنیوی اغراض کے لئے معبود بنا رکھے ہیں، قیامت کے دن یہ سارا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اور آج کے تمام دوست اس دن دشمن بن جائیں گے۔ پیار محبت اور الفت صرف وہی کام آئے گی، جو اللہ کی رضا کی خاطر کی گئی۔ اس کے علاوہ تمام ذرائع کٹ جائیں گے فرمایا كَذٰلِكَ يُرِيۡهِمُ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ حَسَرٰتٍ عَلَيۡهِمۡ اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان کو حسرت بنا کر دکھائے گا وہاں پر ان کا بیزاری کا اعلان کچھ کام نہ آئے گا۔ بلکہ ان کے عذاب میں اضافہ ہی ہوگا وَ مَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنَ النَّارِ ان کے لئے جہنم سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی، وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔ وجہ بیان ہو چکی ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر قرار دیا، شرک میں مبتلا ہوئے اور باطل پرست لوگوں کا اتباع کیا۔

## ایمان اور اعمالِ صالحہ کی اصل حسرت

یاد رہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی اصل حسرت تو کافر ہی کو ہوگی لیکن مسلمان بھی نیکیوں کی کمی اور گناہوں میں ملوث ہونے پر حسرت کا اظہار کریں گے، جیسے حدیث مبارک ہے "نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ہر مرنے والے کو افسوس وندامت ہوگی۔صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے عرض کی: یارسول اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ،کیا ندامت ہوگی؟ فرمایا: اگر نیک ہوگا تو زیادہ نیکیاں نہ کرنے پر نادم ہوگا اور اگر گنہگار ہوگا تو گناہوں سے باز نہ آنے پر نادم ہوگا۔(ترمذی، کتاب الزہد، ۵۹-باب، ۴ / ۱۸۱، الحدیث: ۲۴۱۱) حسرت کی اور بھی صورتیں ہوں گی جیسے دوسروں پر ظلم کرنے اور انہیں تکلیف دینے والوں کو ڈھیروں ڈھیر نیکیوں کے باوجود حسرت ہوگی کیونکہ ان کی نیکیاں دوسروں کو دیدی جائیں گی۔(مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، ص ۱۳۹۴، الحدیث: ۵۹ (۲۵۸۱)) جسے طلب علم کا موقع ملا لیکن علم حاصل نہ کیا اسے حسرت ہوگی۔(ابن عساکر، حرف المیم، محمد بن احمد بن جعفر۔۔۔الخ، ۵۱ / ۱۳۷) کسی جگہ جمع ہونے والے لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کئے بغیر اٹھ گئے تو وہ مجلس ان کے لئے حسرت ہوگی۔(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، کلام عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، ۸ / ۱۸۹، الحدیث: ۴)

**كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ**: اللہ اسی طرح انہیں ان کے اعمال دکھائے گا۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کافروں کے برے اعمال ان کے سامنے کرے گا تو انہیں نہایت حسرت ہوگی کہ انہوں نے یہ کام کیوں کئے تھے۔ایک قول یہ ہے کہ جنت کے مقامات دکھا کر ان سے کہا جائے گا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے تو یہ تمہارے لیے تھے، پھر جنت کی وہ عالیشان منزلیں مؤمنین کو دیدی جائیں گی۔

# حلال وطیب رزق سے کیا مراد ہے؟/ رزق حلال کے فضائل اور حرام رزق کی مذمت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾
اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ
اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ
اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

## حرام وحلال کرنا اللہ کا کام، نہ کہ انسانوں کا

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ | اے لوگو! | كُلُوْا | کھاؤ تم | مِمَّا | اس سے جو | | |
| فِي الْاَرْضِ | زمین میں ہیں | حَلٰلًا | حلال | طَيِّبًا | پاکیزہ | | |
| وَّلَا | اور مت | تَتَّبِعُوْا | پیروی کرو | خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ | شیطان کے قدموں کی | | |
| اِنَّهٗ | بیشک وہ | لَكُمْ | تمہارا | عَدُوٌّ | دشمن ہے | مُّبِيْنٌ | کھلا۔(168) |

كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا: جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ، مشرکین نے اپنی طرف سے بہت سے جانوروں کو حرام قرار دیا ہوا تھا، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ زمین میں پیدا شدہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں اور لوگوں کے نفع کیلئے ہی انہیں پیدا کیا ہے لہٰذا صرف ان چیزوں سے بچو جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود منع فرمادیا اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا وہ سب حلال ہیں۔ عرب بعض جانوروں کو اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور باور کرتے تھے کہ اب وہ حرام ہو گئے ہیں، ان کی اس حرکت کی مذمت ہے کہ حرام وحلال کرنا اللہ کا کام ہے، نہ کہ انسانوں کا، انسان جیسے کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتا، اسی طرح وہ کسی حلال کو حرام کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتا، یہ گویا خدا کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے، جو ہرگز درست نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دینا اس کی رزّاقیت سے بغاوت ہے مسلم شریف کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو مال میں اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہوں وہ ان کے لیے حلال ہے۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ ”میں نے اپنے بندوں کو باطل سے بے تعلق پیدا کیا پھر ان کے پاس شیاطین آئے اور انہوں نے لوگوں کو دین سے بہکایا اور جو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا اس کو حرام ٹھہرایا۔ (مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، باب صفات التی یعرف بہافی الدنیااہل الجنۃ واہل النار، ص ۱۵۳۲، الحدیث: ۶۳ (۲۸۶۵))

## حلال وطیب سے مراد

حلال وطیب سے مراد وہ چیز ہے جو بذاتِ خود بھی حلال ہے اور ہمیں حاصل بھی جائز ذریعے سے ہو طیب' کے معنی پاک کے ہیں، پاکی ظاہری نجاست سے بھی ہوتی ہے اور معنوی نجاست یعنی حرمت سے بھی؛ (قرطبی: ۲۰۸/۲) اس لئے دونوں معنوں کی گنجائش ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ حلال ہونا کافی نہیں، اسے ناپاک اور نجاست سے آلودہ بھی نہ ہونا چاہئے، ناپاک چیز کا کھانا بھی حرام ہے، دوسرا معنی مراد لیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ شئ اصلاً حلال ہو، جیسے: حلال

جانوروں کا گوشت، اور اسے حاصل بھی حلال طریقہ سے کیا گیا ہو، چوری، غصب اور سود و رشوت وغیرہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔

## رزق حلال کی فضیلت اور رزق حرام کی مذمت

احادیث مبارکہ میں رزق حلال کی بہت فضیلت اور رزق حرام کی بہت مذمت بیان کی گئی ہے

(1)......حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مُستجَابُ الدَّعوات کر دے یعنی میری ہر دعا قبول ہو۔ حضور پرنور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اے سعد! رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، اپنی خوراک پاک کرو، مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد مصطفٰی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی جان ہے آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا اور جس بندے کا گوشت سود اور حرام خوری سے اُگا اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے۔ (معجم الاوسط، من اسمہ محمد، ۵ / ۳۴، الحدیث: ۶۴۹۵)

(2)......حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے حلال مال کمایا پھر اسے خود کھایا یا اس کمائی سے لباس پہنا اور اپنے علاوہ اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق (جیسے اپنے اہل و عیال اور دیگر لوگوں) کو کھلایا اور پہنایا تو اس کا یہ عمل اس کے لئے برکت و پاکیزگی ہے۔ (الاحسان بترتیب ابن حبان، کتاب الرضاع، باب النفقۃ، ذکر کتبۃ اللہ جلّ وعلا الصدقۃ للمنفق...الخ، ۴ / ۲۱۸، الحدیث: ۴۲۲۲، الجزء السادس) ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حلال روزی کمائے اور حلال روزی سے ہی کھائے اور پہنے اسی طرح دوسروں کو بھی جو مال دے وہ حلال مال میں سے ہی دے۔ ہمارے بزرگان دین رزق کے حلال ہونے میں کس قدر احتیاط کرتے تھے اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔

## بزرگانِ دین کی رزق کے حلال ہونے میں کس قدر احتیاط

چنانچہ ایک بار امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا غلام آپ کی خدمت میں دودھ لایا۔آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسے پی لیا۔غلام نے عرض کی، میں پہلے جب بھی کوئی چیز پیش کرتا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کے بارے میں دریافت فرماتے تھےلیکن اِس دودھ کے بارے میں کچھ دریافت نہیں فرمایا؟ یہ سن کرآپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا، یہ دودھ کیسا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بیمار پر منتر پھونکا تھا جس کے معاوضے میں آج اس نے یہ دودھ دیا ہے۔حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ سن کر اپنے حلق میں اُنگلی ڈالی اور وہ دودھ اُگل دیا۔اِس کے بعد نہایت عاجزی سے دربارِ الٰہی میں عرض کیا ''یااللہ! عَزَّوَجَلَّ، جس پر میں قادر تھا وہ میں نے کر دیا، اس دودھ کا تھوڑا بہت حصہ جو رگوں میں رہ گیا ہے وہ معاف فرما دے۔(منہاج العابدین، العقبۃ الثالثۃ،تقوی الاعضاء الخمسۃ، الفصل الخامس،ص ۹۷)

## برائی اور بے حیائی کی طرف بلانے والا

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّمَا | صرف | یَاْمُرُكُمْ | وہ (تو) حکم دیتا ہے تمہیں | بِالسُّوْٓءِ | برائی کا |
| وَالْفَحْشَآءِ | اور بے حیائی کا | وَاَنْ | اور یہ کہ | تَقُوْلُوْا | تم کہو |
| عَلَى اللّٰهِ | اللہ پر | مَا | (وہ) جو | لَا تَعْلَمُوْنَ | تم نہیں جانتے۔(169) |

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ: وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دے گا۔سُوْٓءِ اور فَحْشَآءِ کو مُترادف یعنی ہم معنیٰ بھی قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سُوْٓءِ سے مراد مطلقاً گناہ ہے اور فَحْشَآءِ سے مراد کبیرہ گناہ ہیں۔(صاوی، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۶۹، ۱/ ۱۴۰)

اسلامی تعلیمات کے مطابق برائی اور بے حیائی (فحاشی) کی طرف اکسانے والی سب سے بنیادی اور ازلی قوت شیطان کی ہے شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور گناہوں کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے، شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو برائی کی طرف بلائے، کفر و شرک کی طرف، اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط عقائد منسوب کرنے کی طرف یا اس کے حلال کردہ کو حرام کہنے اور اس کے

حرام کردہ کو حلال کہنے کی طرف، برے کاموں مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی، وعدہ خلافی، بہتان، لڑائی فساد، حسد، بغض وکینہ، تکبر وانانیت، نفرت وعداوت، جنگ وجدل، تذلیل وتحقیر، استہزاء والزام تراشی وغیرہ چیزوں کی طرف بلائے۔ یونہی بے حیائی کے کام گانے، باجے، فلمیں، ڈرامے، ناچ، مُجرے، بدنگاہی، فحش گفتگو، گندی باتیں، ناجائز تعلقات، بری نیت سے دیکھنا، چھونا، بدکاری وغیرہ گناہوں کی طرف بلانا شیطان کا کام ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کل ان برائیوں میں سے بہت سی چیزوں کی طرف بلانے میں گھر والوں اور دوست احباب، گھر، بازار، معاشرہ، افسر باس وغیرہ کا تعاون یا ترغیب ہوتی ہے۔ کوئی آدمی نیکیوں کی طرف آنے کا سوچتا بھی ہے تو مذکورہ بالا افراد اسے کھینچ کر گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ اے کاش ہمیں اچھی صحبت، اچھا مطالعہ، اچھا گھرانہ اور اچھے دوست مل جائیں۔ مذکورہ قرآنی آیت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جو لوگ بھی فحاشی پھیلاتے ہیں، وہ درحقیقت شیطانی منصوبوں کو آگے بڑھا رہے ہوتے ہیں اس کے علاوہ، احادیثِ مبارکہ میں ان لوگوں کی بھی سخت مذمت کی گئی ہے جو معاشرے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں کو فروغ دیتے ہیں۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے حیائی کی بات کرنے والا اور اس کو پھیلانے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

## دین سے گمراہ اور ناواقف آباؤ اجداد کی پیروی کرنے والے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاِذَا | اور جب | قِيۡلَ | کہا جاتا ہے | لَهُمُ | انہیں |
| اتَّبِعُوۡا | تم اتباع کرو | مَآ اَنۡزَلَ | جو نازل کیا | اللّٰهُ | اللہ نے |
| قَالُوۡا | (تو وہ) کہتے ہیں | بَلۡ نَتَّبِعُ | (نہیں) بلکہ ہم اتباع کریں گے | | |
| مَآ اَلۡفَيۡنَا | اس چیز کا کہ جو ہم نے پایا | عَلَيۡهِ | اس پر | | |
| اٰبَآءَنَا | اپنے باپ دادا کو | اَوَلَوۡ | کیا (وہ اتباع کریں گے) اگرچہ | | |
| كَانَ | تھے | اٰبَآؤُهُمۡ | ان کے باپ دادا | | |
| لَا يَعۡقِلُوۡنَ | نہ عقل رکھتے (تھے) | شَيۡـًٔا | کچھ بھی | | |

| وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ | اور نہ وہ ہدایت پاتے (تھے)۔(170) |
|---|---|

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ : اور جب ان سے کہا جائے۔ جب کافروں سے کہا جاتا کہ توحید و قرآن پر ایمان لاؤ اور پاک چیزوں کو حلال جانو جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا تو مشرکین اس کا ایک ہی جواب دیتے کہ ہم تو اسی راہ و رسم اور طور طریقے پر چلیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے آئے ہیں۔ انہیں فرمایا گیا کہ جب باپ دادا دین کے امور کو نہ سمجھتے ہوں اور راہِ راست پر نہ ہوں تو ان کی پیروی کرنا حماقت و گمراہی ہے۔ گمراہ اور ناواقف باپ دادا کی پیروی انسان کو گمراہی کی طرف لے جائے گی، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، البتہ اگر آباء و اجداد ہدایت یافتہ اور اصحابِ علم ہوں، جیسا کہ صحابہ، اجلہ تابعین اور ائمہ مجتہدین وغیرہ تھے، تو اس حسن ظن پر ان کی اتباع کرنا کہ انھوں نے کتاب و سنت کو صحیح طریقہ پر سمجھا ہے، مذموم نہیں، کہ یہ ناواقف اور گمراہ لوگوں کی اتباع نہیں؛ بلکہ دین سے واقف اور ہدایت یافتہ لوگوں کی اتباع ہے۔ ہمارے ہاں شادی مرگ اور دیگر کئی مواقع پر شریعت پر چلنے کا کہا جائے تو لوگ آگے سے یہی باپ دادا، خاندان اور برادری کے رسم و رواج کا عذر پیش کرتے ہیں یہ بھی سراسر غلط و باطل ہے۔

## اچھی اور بری صحبت کے اثرات

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بروں کی پیروی بری ہے اور اچھوں کی پیروی اچھی جیسے ہم بزرگانِ دین، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیاء و صالحین کی پیروی کرتے ہیں تو یہ بہت اچھی ہے کہ اس کا حکم خود قرآن نے دیا ہے چنانچہ فرمایا: وَ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ (التوبہ:۱۱۹) اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اچّھا ساتھی وہ ہے کہ جب تو خُدا عَزَّ وَجَلَّ کو یاد کرے تو وہ تیری مدد کرے اور جب تُو بُھولے تو وہ یاد دلائے۔ جامع صغیر، الجزء الثانی، حرف الخاء، ص ۲۴۴، حدیث: ۳۹۹۹)

اچھا دوست وہ ہے جو اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہو، اس کے اوامر کی پابندی کرنیوالا، منہیات سے دور رہنے والا، فرائض کو ادا کرنے والا، سنن کی پابندی کرنے والا، حدود اللہ کا لحاظ رکھنے والا، اچھے اور اعلیٰ اخلاق سے پیش آنے والا، برے اخلاق سے بچنے والا، صلہ رحمی کرنے والا، والدین سے حسن

سلوک کرنیوالا، ہمسائے سے احسان کرنے والا، بردبار عاجز ،لوگوں کے کام آنے والا اورلوگوں کواذیت دینے سے دور رہنے والا ہو۔

برا دوست: وہ ہے جواللہ اوراس کے رسول کا باغی ہو،فرائض میں کوتاہی کرنے والا،منہیات میں جرأت کرنے والا،حدود اللہ کو پامال کرنے والا، برے اخلاق سے پیش آنے والا،قطع رحمی کرنے والا،والدین کانافرمان،ہمسائے سے برائی کرنے والا، جلد اور بہت زیادہ غصہ کرنے والا،متکبر اور لوگوں کواذیت دینے والا ہو۔گویا کہ عقیدہ عمل اورسلوک کرنے میں دین سے منحرف ہو۔

اچھی صحبت کے اثرات: بے شک انسانی زندگی پراچھی صحبت کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اچھادوست آپ کوخیراور بھلائی کی جانب راہنمائی کرے گا۔اورآپ کو دین و دنیا کی بہتری کا مشورہ دے گا۔اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر راغب کرے گا جبکہ آپ کے عیوب کی بھی نشاندہی کرتا رہے گا۔ برے اخلاق چھوڑ کراچھے اخلاق اپنانے کی دعوت دے گا۔ یا کم ازکم آپ اس کی نیکی کو دیکھ کرخود نیکی کرنے کی کوشش کریں گے ۔آپ کی موجوگی یاعدم موجودگی میں آپ کی خیرخواہی کرے گااورآپ کی زندگی یاموت کے بعدآپ کے لئے دعا مغفرت کرے گا۔

بری صحبت کے اثرات: جس طرح اچھی صحبت سے انسانی زندگی پراچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح بری صحبت اختیار کرنے سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔کیونکہ برے دوست کے تمام احوال ونقائص میں آپ اس کے برابر کے شریک ہیں ۔اور سب سے برا اثر جو انسان پر مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یا تو برادوست آپ کو بھی برائی میں شرکت کی دعوت دے گا جو آپ کے دین و دنیا دونوں کے لئے مضر ہے یا پھر برائی پرآپ کی حوصلہ افزائی کرے گا۔اورآپ کو والدین کی نافرمانی اورقطع رحمی پر ابھارے گا۔آپ کے رازوں کومخفی رکھے گا تا کہ آپ اپنے گناہوں کو جاری رکھیں ۔نیز آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے رازوں کو افشاء کردینا آپ کے لئے ذلت ورسوائی کا سبب ہوگا۔اسی لئے بزرگ فرماگئے کہ صُحْبَتِ طالح تُرا طالح کُنَند(یعنی اچھوں کی صحبت تجھے اچھا بنادے گی،اوربُروں کی صحبت تجھے بُرا بنادے گی۔

## نصیحت بے اثر کیوں؟

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَمَثَلُ | اور مثال | الَّذِیۡنَ | اُن لوگوں کی جنہوں نے | | كَفَرُوۡا | کفر کیا | |
| كَمَثَلِ | مانند مثال | الَّذِیۡ | اُس شخص کی ہے وہ جو | | | | |
| یَنۡعِقُ | پکارتا ہے | بِمَا | اس کو جو | لَا یَسۡمَعُ | نہیں سنتا وہ | | |
| اِلَّا | سوائے | دُعَآءً | دعا | وَّنِدَآءً | اور پکار کے | | |
| صُمٌّۢ | (وہ) بہرے | بُكۡمٌ | گونگے | عُمۡیٌ | اندھے ہیں | | |
| فَهُمۡ | پس وہ | لَا یَعۡقِلُوۡنَ | پس وہ نہیں عقل رکھتے۔(171) | | | | |

مثال بہ ظاہر کافروں کی دی گئی ہے، مگر مقصود ان کو دعوت دینے والے کی مثال دینا ہے کہ داعی کی حیثیت چرواہے کی اور کفر پر بضد کافروں کی مثال جانوروں کی ہے، جن کے لئے ہر بول محض ایک چیخ و پکار ہے اور وہ اس کا منشاء و مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں، جیسے جانوروں سے کسی بات کو سمجھنے اور قبول کرنے کی اُمید نہیں، وہی حال اِن کا ہے، گویا حق اور ہدایت کے معاملہ میں ان کے کان، ان کی زبان اور ان کی آنکھیں معطل اور اپنی صلاحیت سے محروم ہیں ۔اس آیت میں کچھ درس ہمارے لئے بھی ہے کہ دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت، قرآن و حدیث، اصلاح و تفہیم کے باوجود جو طرزِ عمل ہمارا ہے وہ بھی کچھ سوچنے کا تقاضا کرتا ہے کہ اِس اعتبار سے ہمارے آنکھ، کان بھی کھلے ہوئے ہیں یا نہیں؟ جب انسان کو اپنی خامیوں کا ادراک بھی ہو اور اسے سمجھا یا بھی جائے، لیکن پھر بھی اس کے رویے میں تبدیلی نہ آئے، تو یہ صورتحال واقعی گہرے غور و فکر کی متقاضی ہوتی ہے ۔وعظ و نصیحت یا قرآن و حدیث کا اثر نہ ہونے کی بنیادی وجہ قلبی سختی، گناہوں کی کثرت، اور نیت کا فقدان ہے ۔جب تک دل غفلت کی چادر اوڑھے رہے گا اور انسان عمل کی نیت سے محروم ہوگا، بہترین کلام بھی بے اثر رہے گا۔آیے اپنے آپ سے عہد کریں آیندہ کسی ایسی محفل میں جانے سے قبل یا کچھ پڑھنے سے قبل ہم یہ ارادہ کریں گے کہ ہم نے کچھ نصیحت حاصل کرنی ہے اور عمل بھی کرنا ہے۔

## حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ | اے وہ لوگو! جو | اٰمَنُوْا | ایمان لائے ہو | كُلُوْا | تم کھاؤ |
| مِنْ طَيِّبٰتِ | اُن پاکیزہ چیزوں سے | مَا رَزَقْنٰكُمْ | جو ہم نے تمہیں رزق دیا | | |
| وَاشْكُرُوْا | اور تم شکر کرو | لِلّٰهِ | اللہ کا | اِنْ كُنْتُمْ | اگر ہو تم |
| اِيَّاهُ | صرف اسکی | تَعْبُدُوْنَ | عبادت کرتے ہو۔(172) | | |

یعنی کافروں کا طریقہ اختیار کر کے اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام نہ کرلو۔ الغرض جہاں رزقِ الٰہی سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔ صرف یہ شرط لگائی ہے کہ حرام چیزیں نہ کھاؤ، حرام ذریعے سے حاصل کر کے نہ کھاؤ، کھا کر غافل نہ ہو جاؤ، یہ چیزیں تمہیں اطاعتِ الٰہی سے دور نہ کر دیں، کھا پی کر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا شکر ادا کرو۔ چنانچہ فرمایا: اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ حلال پر قناعت کرنے اور حلال کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ برکت بھی دیتے ہیں اور نیک اعمال کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں حلال روزی کے ساتھ عمل صالح کا ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے۔ جب انسان کی غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق اسے خود بخود ہونے لگتی ہے اور جب غذا ہی حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس راہ میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں اور آدمی نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:۷) ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھوں کی پیروی کرنے اور بروں کی پیروی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

# محرمات اربعہ/ ایک شبہ اور اس کا ازالہ/ کتمان حق پر حقیر مفاد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ
الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ
اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ
وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰۗئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

## غیر مذبوحہ جانور کھانے کا حکم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّمَا | درحقیقت | حَرَّمَ | اُس نے (تو) حرام کیا ہے | عَلَيْكُمُ | تم پر |
| الْمَيْتَةَ | مردار | | | | |

شریعت میں بغیر ذبح کیے مرنے والے جانور (مُردار) کا حکم قطعی حرام اور نجس ہے۔ اسے کھانا گناہِ کبیرہ ہے، تاہم حالتِ مجبوری میں جان بچانے کے لیے اس کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یعنی جو جانور

ذبح نہ کیا گیا ہو، اپنی موت آپ مرگیا ہو، یا ذبح کیا گیا ہو؛ مطلب یہ ہے کہ مردار خواہ وہ کسی طریقہ سے مرا ہو۔طبعی موت سے یا کہیں گر کر یا لاٹھی لگنے سے یا سینگ کی ضرب سے یا کسی درندے نے مار ڈالا ہو۔سب صورتوں میں حرام ہے۔لیکن شرعی طریقہ کی رعایت کے بغیر،البتہ اس سے حدیث کی بنا پر دو جانور مستثنیٰ ہیں، ایک: مچھلی، دوسرے: ٹڈے (سنن ابن ماجہ،باب صید الحیتان والجراد، حدیث نمبر: ۳۲۱۸) کہ ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں، مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے، کہ احادیث نبوی اسے اس کا جائز ہونا ثابت ہے۔(سنن ترمذی، حدیث نمبر:۱۷۲۸، باب ماجاء فی جلود المیتۃ الخ)

## بہتے ہوئے خون سے مراد اور حلال جانور کا خون

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَالدَّمَ | اورخون | وَلَحْمَ | اورگوشت | الْخِنْزِيرِ | سورکا |

بہتا ہوا خون (شرعی اصطلاح میں دم مسفوح) سے مراد وہ خون ہے جو جانور کو ذبح کرتے وقت رگوں سے تیزی کے ساتھ بہہ نکلتا ہے۔اسلامی شریعت میں یہ خون نجس (ناپاک) اور حرام قرار دیا گیا ہے۔اس کے برعکس وہ خون جو گوشت یا رگوں کے اندر لگا رہ جاتا ہے، وہ بہتا ہوا نہیں ہوتا، لہٰذا وہ پاک اور حلال ہوتا ہے۔خود قرآن میں ہی دوسرے موقع پر 'بہتے ہوئے خون' (دمِ مسفوح) کی قید کے ساتھ اس کا ذکر موجود ہے۔(الانعام:۱۴۵) نیز حدیث میں آیا ہے کہ دو مردار حلال ہیں یعنی مچھلی اور ٹڈی اور دو خون حلال ہیں۔کلیجی اور تلی جو منجمد خون ہی ہوتا ہے۔(احمد، بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح باب مایحل اکلہ مایحرم فصل ثانی)

یعنی اس بہتے خون سے مراد وہ خون ہے جو جانور ذبح کرتے وقت حلق سے بہتا ہے۔دور جاہلیت میں لوگ اس جمے ہوئے خون کے ٹکڑوں کو بھون کر کھالیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس خون کو حرام قرار دیا ہے۔باقی رہا وہ خون جو ذبح کرنے کے بعد گوشت کے خلیوں یا رگوں میں باقی رہ جاتا ہے تو وہ حرام نہیں، حتیٰ کہ گوشت پکڑتے وقت جو خون ہاتھ کو لگ گیا یا کپڑے سے صاف کرتے وقت جو خون لگ گیا وہ حرام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے دو خون حلال قرار دیئے ہیں، ایک کلیجی اور دوسرا تلی، یہ دونوں

چیزیں خون ہیں اور انہیں کھانا جائز ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صحیح بات یہ ہے کہ ذبح کے وقت تیزی سے بہنے والا خون حرام ہے اور جو خون گوشت کی رگوں میں باقی رہ جاتا ہے وہ علماء کے نزدیک حرام نہیں۔“ درج بالا وضاحت کے پیش نظر جو حضرات گوشت کا کاروبار کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ ذبح کرتے وقت بہنے والے خون سے پرہیز کریں، اس کے علاوہ جانور کا کوئی بھی خون حرام نہیں، البتہ صفائی اور نظافت کے پیش نظر اس خون کو دھو لینا چاہیے۔(واللہ اعلم)

## سوّر اپنے جسم کے تمام اجزاء کے ساتھ حرام ہے

لَحْمَ الْخِنْزِيرِ خنزیر یا سور جو نجس عین ہے۔اس کا صرف گوشت کھانا ہی حرام نہیں بلکہ یہ زندہ یا مردہ اس کی کسی بھی چیز سے استفادہ جائز نہیں چوں کہ جانوروں سے غذا میں اصلاً گوشت ہی مطلوب ہوتا ہے، اس لئے گوشت کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، ورنہ اس بات پر اجماع ہے کہ سوّر اپنے جسم کے تمام اجزاء ہڈی چمڑا، چربی وغیرہ کے ساتھ حرام ہے۔(ردالمحتار: ۱/۳۷۵، باب المیاہ) اسلامی تعلیمات کے مطابق سوّر (خنزیر) اپنے تمام تر اجزاء کے ساتھ نجس اور حرام ہے اس کا گوشت، چربی، ہڈیاں، بال اور اس سے بنی تمام اشیاء مسلمانوں کے لیے قطعی طور پر ممنوع ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سور کے گوشت کو صریحاً ”رجس“ (گندگی اور ناپاکی) قرار دیا ہے۔شریعت میں صرف ایک صورت میں اس کی اجازت ہے، اور وہ ہے ”جان بچانے کی حالت“ (مضطر)۔اگر کوئی شخص شدید بھوک کی وجہ سے مرنے کے کنارے پر ہو اور اس کے پاس حلال خوراک کا ذرہ برابر بھی انتظام نہ ہو، تو وہ اتنی مقدار کھا سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ سکے، بشرطیکہ وہ گناہ کی نیت نہ رکھتا ہو۔

## غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ

| وَمَآ | اور جو | أُهِلَّ | پکارا گیا | بِهٖ | اس پر |
|---|---|---|---|---|---|
| لِغَيْرِ اللّٰهِ | | | غیر اللہ کے لئے | | |

اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ جانور کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا اور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام

لے لیا گیا، صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی وہ جانور حرام ہی ہوگا، سوائے اس کے کہ ذبح کرنے سے پہلے اس شخص نے توبہ کرلی ہو؛ کیوں کہ جانور پر غیر اللہ کا نام لینا ہر دو صورت میں پایا گیا، بدقسمتی سے آج کل بعض مسلمان بھی بزرگوں کے نام سے منسوب کرکے جانور کی پرورش کرتے ہیں، یہ کھلا ہوا مشرکانہ عمل ہے، واضح رہے غیر اللہ کے نام جانور کو ذبح کرنا حرام ہے اور اگر جانور کے ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب بھی مقصود ہو تو ایسے فعل سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

## حالتِ اضطرار اور حالتِ اکراہ کا معنیٰ ومطلب

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَمَنِ | پس جو | اضْطُرَّ | لاچار ہوجائے | غَيْرَ بَاغٍ | نہ سرکشی کرنے والا |
| وَّلَا | اور نہ | عَادٍ | حد سے گزرنے والا | فَلَا | تو نہیں ہے |
| اِثْمَ | کوئی گناہ | عَلَيْهِ | اس پر | | |

یعنی اگر انسان جان بچانے کے لئے مجبور ہوجائے، تو ان حرام غذاؤں کو بھی کھاکر اپنی جان بچا سکتا ہے، اس مجبوری کی ایک صورت تو جان لیوا بھوک اور حلال غذا کی عدمِ موجودگی ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو ان حرام چیزوں کے کھانے پر مجبور کردیا جائے اور نہ کھانے کی صورت میں شدید نقصان میں مبتلا کئے جانے کا اندیشہ ہو، اس کو 'اکراہ' کہتے ہیں، زیادہ تر اہل علم نے اس صورت کو بھی اضطرار ہی قرار دیا ہے، (احکام القرآن لابن العربی: ۱/۵۶، بدائع الصنائع: ۱۸۵) حالتِ اضطرار اور اکراہ دونوں شریعتِ اسلامیہ میں ایسی مجبوری کی حالتیں ہیں جہاں انسان پر غیر معمولی دباؤ ہوتا ہے، حالتِ اضطرار کا معنیٰ شدید مجبوری اور لاچاری کی حالت ہے۔ یہ ایسی صورتحال ہے جہاں انسان کی جان پر بن آئے اور اگر وہ کوئی ممنوعہ یا حرام کام (جیسے جان بچانے کے لیے حرام کھانا) نہ کرے تو اس کی جان چلی جائے یا شدید ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو جائے۔ ایسی حالت میں شریعت نے بعض محرمات کو عارضی طور پر جائز قرار دیا ہے (جیسے بھوک سے مرتے ہوئے جانور کا گوشت کھانا)۔ اس کا قرآنی اصول ہے:" جو شخص بھوک کی شدت میں مجبور

ہو جائے، بشرطیکہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اکراہ کا مطلب کسی کو ناپسندیدہ کام پر زبردستی یا دباؤ کے ذریعے مجبور کرنا ہے۔ جب کوئی ظالم شخص کسی کو موت، شدید تشدد، یا اعضا کاٹنے کی دھمکی دے کر اپنی مرضی کا کوئی ناجائز یا حرام کام (مثلاً کلمہ کفر کہنا) کرنے پر مجبور کرے، تو اسے اکراہ کہتے ہیں۔ اکراہِ تام کی صورت میں اگر انسان مجبور ہو کر زبان سے کوئی غلط بات کہہ دے یا کام کر دے، جبکہ اس کا دل اس فعل پر راضی نہ ہو، تو شریعت اسے معاف کر دیتی ہے اور اس پر مؤاخذہ یا گناہ نہیں ہوتا۔

غَیْرَ بَاغٍ کے معنی ہیں کہ وہ اپنے اس عمل میں حکم شرعی سے بغاوت کرنے والا نہ ہو، یعنی شدید مجبوری کے بغیر ان حرام چیزوں کو ہاتھ نہ لگائے یعنی بس اتنی ہی مقدار حرام کا استعمال اس کے لئے جائز ہے، جس سے اس کی جان بچ جائے، اس سے زیادہ مقدار نہ کھائے۔

## چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کا مطلب

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ | بیشک اللہ | غَفُوْرٌ | بہت بخشنے والا |
| رَّحِیْمٌ | نہایت رحم کرنے والا ہے۔ | | |

اس آیت میں صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے یعنی مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر نامزد کی ہوئی چیز، حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے جانور مثلاً کتا، بلی، ریچھ، بندر، لنگور، گدھا، کوا، چھپکلی، کیڑے مکوڑے وغیرہ حرام ہیں۔ شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ صرف چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان چار کے علاوہ باقی تمام چیزیں حلال ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہاں صرف ان چیزوں کا نام لیا گیا ہے، جو عام طور پر استعمال میں آتی ہیں اور مقصود یہ ہے کہ ان چیزوں کو کبھی حلال نہ جاننا، یہ قطعی حرام ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ بہت سی دوسری چیزیں بھی حرام ہیں جن کا ذکر قرآن پاک کے دوسرے مقامات پر آتا ہے۔ حدیث پاک میں بھی بعض اشیاء کی حرمت بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا ان چار کے علاوہ باقی سب چیزوں کو حلال سمجھنا درست نہیں۔ صرف چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ مشرک لوگ چار حلال

چیزوں کو حرام سمجھتے تھے۔ ان کا ذکر سورہ مائدہ میں موجود ہے کہ وہ لوگ بحیرہ، سائبہ، وصیہ اور حام کو حرام سمجھتے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تو ان چیزوں کو حرام نہیں کیا، تم نے ان کی حرمت کس شریعت سے نکالی ہے۔ ان چار حلال چیزوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ چار چیزیں قطعی حرام ہیں۔ اس آیت میں تمام حرام چیزوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ جتلانا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کیئے، تم خوامخواہ ان کی حرمت اللہ کے ذمے لگا رہے ہو، البتہ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو تم حرام نہیں سمجھتے مگر اللہ نے انہیں حرام قرار دیا ہے، حرام چیزیں وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو حرام تو وہ ہیں جنہیں تم نے حلال سمجھا ہوا ہے۔

## کتمان حق بلاشبہ کفر ہے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | الَّذِیۡنَ | وہ لوگ جو | یَکۡتُمُوۡنَ | چھپاتے ہیں |
| مَآ اَنۡزَلَ | جو نازل کیا | اللّٰہُ | اللہ نے | | |
| مِنَ الۡکِتٰبِ | کتاب سے | وَیَشۡتَرُوۡنَ | اور لیتے ہیں وہ | | |
| بِہٖ | اس کے بدلے میں | ثَمَنًا | قیمت | قَلِیۡلًا | تھوڑی |
| اُولٰٓئِکَ | یہی لوگ ہیں | مَا یَاۡکُلُوۡنَ | نہیں بھر رہے | | |
| فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ | اپنے پیٹوں میں | اِلَّا | مگر (صرف) | | |
| النَّارَ | آگ (ہی) | وَلَا | اور نہیں | یُکَلِّمُہُمُ | بات کرے گا اُن سے |
| اللّٰہُ | اللہ | یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ | دن قیامت کے | وَلَا | اور نہ |
| یُزَکِّیۡہِمۡ | وہ انہیں پاک کرے گا | وَلَہُمۡ | اور ان کے لیے | | |
| عَذَابٌ | عذاب ہے | اَلِیۡمٌ | دردناک۔(174) | | |

شاہ رفیع الدین اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے پارے میں کتمان حق کا جو بیان ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب حضور نبی (علیہ السلام) کی بعثت کے متعلق جو پیشین گوئیاں موجود تھیں انہیں چھپاتے تھے اور اس مقام پر کتمان حق کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے

احکام بابت حلال وحرام وغیرہ کو چھپاتے تھے۔کتمان حق بلاشبہ کفر ہے۔اسی لئے مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد وزن کے لئے تعلیم جبری ہونی چاہیئے، تاکہ وہ حقوق و فرائض اور حلال وحرام کو پہچان سکیں۔

## ہر مسلمان پر کتنا علم دین سیکھنا فرض ہے؟

اسی لئے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ ضروریات دین کا سیکھنا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔اگر مسلمان اس فرض کو پورا نہیں کریں گے تو جہالت کی بنا پر کتمان کے مرتکب سمجھے جائیں گے۔واضح رہے کہ اتنا علم کا سیکھنا ہر مؤمن کے ذمہ فرضِ عین ہے کہ جس سے اسے اللہ کی پہچان ہو،اسی طرح اتنا علم سیکھنا ہر مؤمن کے ذمہ فرضِ عین ہے جو اس کو حرام حلال کی تمیز کرادے،اور یہ علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے جس سے اُسے پاکی ناپاکی کا ادراک ہو جائے۔اسی طرح وہ شخص جس شعبہ میں کام کررہا ہے یا جس شعبہ کا آدمی ہے، اُس شعبہ سے متعلق اُسے ضروری اسلامی تعلیمات کا علم ہو۔اسی طرح تمام فرائض اور ضروریاتِ زندگی سے متعلق ضروری مسائل سے آشنا ہو۔نیز نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ جیسے دین کے بنیادی اعمال کی معلومات اور ان سے متعلق ضروری مسائل کا علم ہو۔اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کی درست خوانی کا اہتمام کرتا رہے اور کم ازکم اس حد تک قرآنِ کریم کی سورتیں یاد کرلے جس سے نماز صحیح ہوسکے۔مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ سے تعلق قائم ہو اور صبح وشام کی مسنون دعاؤں کو سیکھنے کا اہتمام ہو۔آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی مبارک سنتوں کے بارے میں معلومات ہوں اور ان کو اپنانے کی کوشش اور اہتمام جاری رہے۔اور یہ تمام چیزیں ایک عام مسلمان کے لیے اُسی وقت آسان اور ممکن ہوسکتی ہیں جب اس کا اُٹھنا بیٹھنا علماء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا اور مقامی مسجد کے امام صاحب کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا، جن سے وہ موقع بہ موقع مسائل کی معلومات لیتا رہے گا اور دین کی بنیادی باتوں کے متعلق علم حاصل کرتا رہے گا۔اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اکابرین عظام نے چند بنیادی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کے مطالعہ سے دین کی بنیادی باتوں اور بنیادی مسائل کا علم حاصل ہوسکتا ہے، خود بھی اس کا مطالعہ کریں اور جو

بات سمجھ نہ آئے تو قریبی مسجد کے امام صاحب یا علماء حق سے رجوع فرمائیں۔کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیں: 1۔تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ) 2۔بہشتی زیور (مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ) 3۔صبح وشام کے مسنون اذکار اور دعائیں (مکتبہ شیخ سید احمد رحمہ اللہ کراچی) 4۔مسنون دعائیں (مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ)

حضرت مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا علم ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں تک نہ پہنچانا ایسا ہے۔جیسے کسی جنگل بیابان میں پانی کا چشمہ یا کنواں ہو، اور کوئی شخص اس پر زبردستی قابض ہو جائے۔لوگ پیاس بجھانے کے لئے چشمے پر جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں کتنا بڑا مجرم سمجھا جائے گا، اسی طرح قرآن پاک کا عالم اگر دوسرے لوگوں کی آبیاری نہیں کرتا تو وہ غاصب ہے۔فرمایا ایسے لوگوں پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے سخت ناراض ہونگے ان کی طرف مہربانی کے ساتھ توجہ کرنا تو درکنار وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کلام کرنا بھی پسند نہیں کریں گے، بلکہ ان کی طرف غیظ وغضب کی نگاہ سے دیکھیں گے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وَ لَا يُزَكِّيۡهِمۡ ، اللہ ان کا تزکیہ بھی نہیں کرے گے۔امام ترمذی فرماتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔گنہگار ہونے کی صورت میں دوزخ میں جائیں گے۔ مگر تزکیہ کے لئے، جب اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں گے۔تو اللہ تعالیٰ ان کو پاک کر دیں گے اور وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔مگر یہاں پر کتمان حق کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کبھی پاک نہیں کریگا، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ اور وہاں ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

## دنیا میں سب سے بہترین چیز ہدایت اور علم ہے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اُولٰٓئِكَ | یہی لوگ ہیں | الَّذِيۡنَ | وہ جنہوں نے | اشۡتَرَوُا | خریدا |
| الضَّلٰلَةَ | گمراہی کو | بِالۡهُدٰى | ہدایت کے بدلے | | |
| وَالۡعَذَابَ | اور عذاب کو | بِالۡمَغۡفِرَةِ | مغفرت کے بدلے | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَمَآ | توکس قدر | اَصۡبَرَھُمۡ | صبر کرنے والے ہیں وہ |
| عَلَى النَّارِ | | آگ پر۔(176) | |

فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى وَ الۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَةِ، ہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید یا ہے۔اگر یہ لوگ حق کو چھپانے کی بجائے اسے ظاہر کرتے۔خود بھی حق پر عمل کرتے اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی عمل پیرا ہوتے۔تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال ہوتی،ان کو گناہوں کی معافی ملتی اور یہ قیامت کے دن سرخرو ہوتے۔مگر یہ لوگ تو خود دوزخ کو اختیار کر رہے ہیں۔امام فخرالدین رازی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں:''دنیا میں سب سے بہترین چیز ہدایت اور علم ہے اور سب سے بری چیز گمراہی اور جہالت ہے تو جب یہودی علماء نے دنیا میں ہدایت اور علم کو چھوڑ دیا اور گمراہی و جہالت پر راضی ہو گئے تو اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ وہ دنیا میں (اپنی جانوں کے ساتھ) انتہائی خیانت کر رہے ہیں۔نیز آخرت میں سب سے بہترین چیز مغفرت ہے اور سب سے زیادہ نقصان دہ چیز عذاب ہے تو جب انہوں نے مغفرت کو چھوڑ دیا اور عذاب پر راضی ہو گئے تو بلا شبہ وہ آخرت میں انتہائی نقصان اٹھانے والے ہیں اور جب ان کا حال یہ ہے تو لامحالہ دنیا و آخرت میں سب سے بڑے خسارے میں یہ لوگ ہیں۔اس آیت میں یہودی علماء کے بارے میں فرمایا گیا کہ انہوں نے مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا، کیونکہ وہ حق بات کو جانتے تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ سید المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے اوصاف ظاہر کرنے میں اور ان کے بارے میں شبہات زائل کرنے میں عظیم ثواب ہے اور تاجدار رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی عظمت و شان چھپانے میں اور ان سے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالنے کی صورت میں بڑا عذاب ہے ،اس کے باوجود جب انہوں نے حق کو چھپایا تو لا محالہ انہوں نے مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا۔(تفسیر کبیر، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۷۵، ۲ / ۲۰۶) فَمَاۤ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ یہ دوزخ کی آگ پر کس قدر صبر کرنے اولے ہیں۔ان کا بڑا حوصلہ ہے جو دوزخ میں داخل ہوں گے۔

## کتاب میں اختلاف کرنے والا گروہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ذٰلِكَ | یہ | بِاَنَّ | اس لیے کہ بیشک | اللّٰہَ | اللہ نے |
| نَزَّلَ | نازل فرمائی | الْكِتٰبَ | کتاب | بِالْحَقِّ | حق کے ساتھ |
| وَاِنَّ | اور بیشک | الَّذِيْنَ | وہ لوگ جنہوں نے | | |
| اخْتَلَفُوْا | اختلاف کیا | فِي الْكِتٰبِ | کتاب میں | | |
| لَفِيْ شِقَاقٍ | یقیناً وہ ضد میں ہیں | بَعِيْدٍ | بہت دور | | |

فی الْکِتٰبِ: کتاب میں۔کتاب سے مراد قرآن شریف ہے یا توریت شریف، پہلی صورت میں اختلاف سے مراد ہوگا نہ ماننا اور دوسری صورت میں اس سے مراد ہوگا صحیح طور پر نہ ماننا کیونکہ یہودی قرآن کو توبالکل نہ مانتے تھے اور توریت کو ماننے کے دعویدار تھے، مگر صحیح طور پر نہ مانتے تھے، ورنہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر ایمان لے آتے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی، اس صورت میں کتاب سے قرآن ہی مراد ہوگا اور ان کا اختلاف یہ تھا کہ ان میں سے بعض قرآن کو شعر کہتے تھے، بعض جادو اور بعض کہانت کہا کرتے تھے۔(تفسیر قرطبی) الغرض! فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے مگر ان لوگوں نے اسے چھپالیا ہے۔حق کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ اور جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا۔یعنی اپنی مرضی کا مطلب بیان کیا، جیسا کہ یہودیوں کا شیوہ ہے کہ وہ مطلب بھی غلط بیان کرتے ہیں اور تشریح بھی غلط کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ وہ ضد میں دور جاپڑے ہیں ایسے لوگوں کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع باقی نہیں رہی، وہ سزا کے مستحق ہیں۔

# ایمان کی تفصیل/ نیکی کیا ہے؟ کن اعمال کو نیکی کہتے ہیں
# نیکی کے اہم پہلو

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَۃِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَى الزَّكٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

## ایمان! حقیقت ونوعیت

| | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| لَیْسَ | نہیں ہے | الْبِرَّ | نیکی | اَنْ | یہ کہ | تُوَلُّوْا | تم پھیرلو |
| وُجُوْھَكُمْ | اپنے چہرے | قِبَلَ الْمَشْرِقِ | مشرق کی جانب | | | | |
| وَالْمَغْرِبِ | اورمغرب (کی جانب) | وَلٰكِنَّ | اورلیکن | | | | |
| الْبِرَّ | نیکی (والا) تو وہ ہے | مَنْ | جو | | | | |
| اٰمَنَ | ایمان لائے | بِاللّٰہِ | اللہ پر | | | | |

ایمان کا لغوی معنی ہے امن دینا، اعتماد کرنا، کسی کو سچا سمجھ کر اس کی بات پر یقین کرنا، وغیرہ۔ ایمان کا اصطلاحی وشرعی معنی نبی کریم ﷺ اسے دین کی جو بات قطعی طور پر ثابت ہے، اُسے دل وجان سے تسلیم کرنا۔ ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ حضور اکرم ﷺ کو صادق ومصدوق سمجھیں، آپ ﷺ کی رسالت پر دل سے اعتقاد رکھیں اور زبان سے اس کی گواہی وشہادت دیں۔ ایمان کی حقیقت اصل میں ''تصدیق قلبی'' ہے اور رہا زبان سے اس کا اقرار کرنا تو یہ اقرار صرف اس لئے ہے، تاکہ ظاہر میں اب آپ پر مسلمان ہونے کے احکام جاری کئے جاسکیں اور یہ بھی ہے کہ زبانی اقرار ''تصدیق قلبی'' کی علامت بھی ہے، کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے۔ ہاں! یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص گونگا ہے یا جبراً اس سے کلمہ کہلایا گیا، یا پھر زبان سے اقرار کرنے کی اُسے مہلت نہ مل سکی لیکن اس کے قلب میں تصدیق موجود تھی تو ایسی تمام صورتوں میں زبانی اقرار کی ضرورت نہ ہوگی۔ ایمان کے اجزاء محدثین کے یہاں ایمان کے تین اجزاء ہیں: 1......تصدیق، 2......اقرار، 3......عمل۔ اسی لئے تو محدثین ایمان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ اختلاف محض لفظی ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، کیونکہ جو کچھ محدثین کہتے ہیں کامل ایمان تو حقیقتاً یہی ہے۔ بے عمل کا ایمان بہرحال ناقص ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ ایمان، تصدیق قلبی کا ہی نام ہے، اعمال اس کی حقیقت میں داخل نہیں، اگرچہ کمال ایمان، اعمال صالحہ ہی سے وجود میں آتا ہے۔

## ایمان بالآخرت

| | | | |
|---|---|---|---|
| اور فرشتوں پر | وَالْمَلٰٓئِكَةِ | اور دن آخرت کے | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ |

ایمان بالآخرت میں وہ تمام چیزیں آجاتی ہیں موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا، حساب کتاب کا منعقد ہونا، نیکی بدی کا امتیاز، پل صراط سے گزرنا، دوزخ، جنت وغیرہ یہ سب چیزیں ایمان بالآخرت میں داخل ہیں۔ لہٰذا نیکی اس شخص کی ہے جو ان سب چیزوں پر ایمان لایا۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ یہ اللہ تعالیٰ

کی نورانی مخلوق ہے، جسے اللہ جل شانہ، نے زمین میں آسمان اور اس کائنات کی تخلیق سے ہزاروں سال پہلے پیدا فرمایا۔یعنی ہر وہ اچھا عمل، اخلاقی برتری، اور انسانی ہمدردی پر مبنی طرزِ عمل ہے جو اللہ کی رضا کے لیے، خلوصِ نیت کے ساتھ اور حدودِ شریعت میں رہ کر کیا جائے۔ یہ نہ صرف عبادات بلکہ حقوق العباد، جیسے رشتہ داروں، یتیموں، اور ضرورت مندوں کی مدد، خوش اخلاقی اور سماجی بھلائی کے کاموں پر مشتمل ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کردہ کتابوں پر ایمان

وَالْكِتٰبِ : اور کتابوں پر: وَالْكِتٰبِ یعنی کتاب پر ایمان لانا بھی مکمل ایمان کا ایک حصہ ہے۔مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی کتابیں نازل فرمائی ہیں، سب پر ایمان لانا ضروری ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو کتاب بھی اتاری ہے۔اس پر میرا ایمان ہے کہ وہ برحق ہے اور پھر کتب سماویہ کے سلسلہ کی آخری کتاب قرآن حکیم پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے۔پہلی کتابوں پر صرف ایمان لانا ضروری ہے، ان پر عمل کرنا ضروری نہیں کیونکہ ان میں سے بعض احکام منسوخ ہو چکے۔البتہ آخری کتاب قرآن پاک پر ایمان بھی ضروری اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔کیونکہ اس کے احکام قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہیں۔

## انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر ایمان لانا بھی ضروری

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالنَّبِيّٖنَ | اور نبیوں کے | وَاٰتَى الْمَالَ | اور دے مال |

انبیاء (علیہم السلام) پر ایمان لانا بھی ضروری ہے حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر حضور خاتم النبین ﷺ تک جتنے بھی رسول اور نبی مبعوث ہوئے ہیں، سب پر ایمان لانا ضروری ہے، الغرض ایمان کی تمام جزیات کا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا لازم ہے۔ان میں سے کسی چیز کا انکار یا کسی چیز میں شک کرنا گمراہی کے مترادف ہے۔

## ایمان تصدیق کا نام ہے اور اسلام اتباع کا نام ہے

بہر حال ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کے انکار سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ضروریاتِ دین بہت ساری ہیں، مثلاً: اللہ کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا، فرشتوں، آسمانی کتابوں، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں، قیامت، تقدیر، موت کے بعد زندہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ ارکان اسلام کی فرضیت کا قائل ہونا، سود، زنا، جھوٹ اور فرائض اسلام کی عدم ادائیگی کی حرمت کا قائل ہونا وغیرہ۔ضروریاتِ دین بعض تفصیل کے ساتھ بتلائی گئی ہیں اور بعض اجمالاً۔جو ضروریاتِ دین تفصیلاً بتلائی گئی ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری ہے، مثلاً نماز پر اس کے متعلق بتلائی گئی ہیئت وکیفیت سمیت ایمان لانا ضروری ہے۔اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کا تو قائل ہے، لیکن اس تفصیل کے ساتھ قائل نہیں جو بتلائی گئی ہے تو وہ مومن نہیں۔اور جو ضروریات اجمالاً بتلائی گئی ہیں، مثلاً: فرشتوں پر ایمان لانا، سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانا وغیرہ تو ان پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے "اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ایمان اسلام سے الگ نہیں ہے، اور اسلام ایمان میں سے ہے، جو مؤمن ہوگا وہ مسلمان بھی ہوگا اور جو مسلمان ہوگا وہ مومن بھی ہوگا، اگرچہ لغۃً ایمان اسلام کا غیر ہے، جیسے پیٹ پیٹھ کے بغیر متصور نہیں ہے، اور پیٹھ پیٹ کے بغیر متصور نہیں ہے، اگرچہ وہ دونوں ایک دوسرے کے غیر ہیں۔پس ایمان تصدیق کا نام ہے اور اسلام اتباع کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہے وہ مسلم ہے اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ا کا تابع دار ہے وہ مومن ہے۔اور معتزلہ اور روافض کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ ہیں"۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| قرابت داروں کو | ذَوِي الْقُرْبٰى | اس کی محبت پر | عَلٰى حُبِّهٖ |

انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی بناء پر اس کی رضا کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔انفاق فی سبیل اللہ کی یہ اولین مد ہے اپنے عزیزوں پر خرچ کرنے پر دوہرا اجر ملتا ہے۔ایک اجر صلہ رحمی کا حاصل ہوتا ہے اور دوسرا صدقہ کا ذَوِي الْقُرْبٰى اور اگرچہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔اگر وہ مستحق ہے تو اس پر خرچ کرنا باعث اجر وثواب ہے۔تاہم عزیز واقارب پر خرچ کرنے کا

دوگنا ثواب ہے بشرطیکہ مقصود صلہ رحمی اور اللہ کی رضا ہو۔ دنیاوی چودھراہٹ کی طلب نہ ہو۔

## یتیموں اور مسکینوں کی حاجت براری

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالْيَتٰمٰى | اور یتیموں کو | وَالْمَسٰكِيْنَ | اور مسکینوں کو |

والیتمی یتیموں اور مسکینوں کی حاجت براری بھی نیکی ہے نابالغ کی حالت میں ہی باپ فوت ہوگیا ہے۔کمانے والا کوئی نہیں رہا۔یتیم ہوگیا ہے اس کے سرپرستی ضروری ہے۔اس پر مال خرچ کرنا چاہئے۔والمسٰکین اور مسکین وہ ہے۔جو محنت مزدوری کرتا ہے۔مگر کوشش کے باوجود اس کی بنیاد ضروریات پوری نہیں ہوتی، وہ بھی مستحق ہے ایسے شخص کی مالی اعانت یقیناً نیکی کا کام ہے۔یعنی مسکین اس ضرورت مند شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس اتنی کم ملکیت یا آمدنی ہو جو اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی (کھانے، کپڑے، گھر) کو پورا نہ کرسکے، اگرچہ وہ مانگنے والا نہ ہو، مسکین فقیر سے کچھ بہتر ہوتا ہے، یعنی اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا ہے لیکن وہ کفایت نہیں کرتا۔

## مسافر اور محتاج بھی اعانت کے مستحق

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَابْنَ السَّبِيْلِ | اور مسافروں کو | وَالسَّآئِلِيْنَ | اور سوال کرنے والے کو |

اور وہ مسافر بھی امداد کے مستحق ہیں جو دوران سفر محتاج ہو جائیں، زادِ راہ ختم ہوگیا ہے، یا چوری ہوگئی ہے یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوگیا ہے۔تو ایسے شخص پر خرچ کرنا بھی نیکی ہے۔خرچ کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا۔وَالسَّآئِلِيْنَ محتاج بھی اعانت کے مستحق ہیں۔ان پر مال خرچ کرنا بھی نیکی کا کام ہے۔سائل کے لفظی معنی مانگنے والے کے ہیں۔مگر مراد محتاج ہیں۔جب تک کہ سائل واقعی مستحق ہو۔بلا ضرورت سوال کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور پیشہ ورانہ گداگری کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

## سائل اور گداگر میں فرق

سائل اور گداگر میں فرق سمجھنا ضروری ہے! گداگر اس بھیک مانگنے والے کو کہتے ہیں جو پیشہ ور ہو اب اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کون پیشہ ور ہے اس کا آسان طریقہ ہے جو کسی گلی

یا مسجد یا چوک چوراہے بازار میں مانگ رہا ہے وہ گداگر ہے۔شرعی سائل وہ ہے جو لحاظ سے محتاج ہو اور اس کے لئے سوال کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار باقی رہے ایسے شخص کو سوال کرنا جائز ہو گا اور اس سوال کو پورا کرنا نیکی کا کام ہو گا۔اسلام نے سوالی کو خالی ہاتھ واپس بھیجنے سے منع کیا ہے۔آپ کچھ نہیں دے سکتے اسے حوصلہ دیجیے۔اور اگر کچھ دینے کی استطاعت رکھتے ہیں تو پھر دیجیے! ہم جب سوالی کو واپس بھیجتے ہیں اور گداگر کو دیتے ہیں تو دونوں جگہوں پہ ہم اسلام کے خلاف جا رہے ہوتے ہیں۔

## جہاد کرتے ہوئے گرفتار ہونے والے مجاہدین کو رہا کرانا

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَفِی الرِّقَابِ | اور گردنوں (کے چھڑانے) میں | وَاَقَامَ | اور قائم کرے |

یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے گرفتار ہو کر قید ہو گیا ہو۔یا اس کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ کسی مقروض کا قرض معاف کر کے یا اس کا قرض ادا کر کے اس کی گردن چھڑائی جائے۔ اس آیت پاک کے مطابق ایسا کرنا بھی نیکی ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔

## فوز و فلاح کا اہم ترین ذریعہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| الصَّلٰوۃَ | نماز | وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ | اور ادا کرے زکوٰۃ |

نماز قائم کی،نماز کے ذریعے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوتا ہے اور اس کی وجہ خطیرۃ القدس کی طرف ہو جاتی ہے۔گویا فوز و فلاح کا اہم ترین ذریعہ نماز ہے جو کہ بدنی عبادت ہے اور بہت بڑی نیکی کی بات ہے۔الزَّکٰوۃَ یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔صرف زکوٰۃ کے ادا کر دینے سے مال کا مکمل حق ادا نہیں ہو جاتا،یہ تو فرض ہے اور صاحب نصاب ہر سال ادا کرتا ہے جب کوئی شخص نصاب کو نہیں پہنچ پاتا تو زکوٰۃ فرض نہیں رہتی۔اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا بیان فرمایا ہے۔ایک بدنی عبادت ہے اور دوسری مالی عبادت ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بتیس 32 مقامات میں اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَاٰتُو الزَّکٰوۃَ کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔یہ اتنے اہم فرائض ہیں۔جن کے ذریعے ایک طرف اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے اور دوسری طرف مخلوق

خدا کے ساتھ روابط بڑھتے ہیں۔لہٰذا ان دونوں امور کو نیکی میں شامل فرمایا کہ نیکی اس شخص کی ہے جو نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔

## وعدہ خلافی بھی نفاق کی علامت

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالْمُوْفُوْنَ | اور (وہ جو) پورا کرنے والے ہیں | بِعَهْدِهِمْ | اپنے عہد کو |

یعنی نیکی ان لوگوں کی ہے کہ جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔جب کوئی شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ تیرے احکام کی تکمیل کروں گا۔ مگر پھر جب اس وعدے کو پورا نہیں کرتا تو اس میں نفاق کی علامت پائی جاتی ہے۔اسی طرح کسی مخلوق سے وعدہ خلافی بھی نفاق کی علامت ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیکی ان لوگوں کی ہے جو اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔

## اَلْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ کا مختصر اور جامع مفہوم

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِذَا | جب | عٰهَدُوْا | وہ عہد کریں |
| وَالصّٰبِرِيْنَ | اور (وہ جو) صبر کرنے والے ہیں | فِي الْبَأْسَاءِ | تنگدستی میں |
| وَالضَّرَّآءِ | | اور تکلیف (میں) | |

اَلْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ ایک قرآنی اور عربی مرکب ہے۔اس کا مختصر اور جامع مفہوم "سختی، مصیبت، تنگ دستی اور ہر قسم کے جسمانی یا مالی نقصانات" ہے۔قرآنِ مجید میں یہ الفاظ بطور محاورہ (ایک ساتھ) استعمال ہوئے ہیں۔اس کی مکمل تفصیل درج ذیل ہے: اَلْبَأْسَاء اس کا تعلق عام طور پر انسان کے بیرونی حالات سے ہوتا ہے۔مثلاً: غربت، ناداری، قحط سالی، دشمن کا خوف یا جنگی حالات۔ الضَّرَّآءِ: اس کا تعلق انسان کی ذاتی ذات یا جسم سے ہوتا ہے۔مثلاً: بیماری، جسمانی تکلیف، دکھ اور رنج۔یعنی اَلْبَأْسَاء اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان پر باہر سے وارد ہو۔مثلاً کوئی مالی یا جانی نقصان ہو جائے، زلزلہ یا طوفان آجائے اور ضراوہ تکلیف ہے جو انسانی جسم کے اندر پیدا ہو، جیسے بیمار ہو گیا پھوڑا نکلا جسم کے کسی حصے میں درد ہونے لگا، وغیرہ وغیرہ۔

## مذکورہ آیت میں تمام دینی مسائل کا خلاصہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَحِيْنَ الْبَأْسِ | | اور وقت لڑائی کے | اُولٰٓئِكَ | | یہی لوگ ہیں |
| الَّذِيْنَ | جنہوں نے | صَدَقُوْا | سچ کہا | وَاُولٰٓئِكَ | اور یہی لوگ |
| هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | | | ہی پرہیزگار ہیں | | |

وَحِيْنَ الْبَأْسِ ط اور وہ لوگ بھی نیکی والے ہیں کہ میدان جہاد میں پہنچنے والی تکلیف و نخوشی برداشت کرتے ہیں حتی کہ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں مگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا ہی نیکی نہیں بلکہ نیکی کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان پر ایمان لا کر اس کے تقاضے پورے کیے جائیں۔اس عقیدے کے ساتھ کہ آخرت میں ان کے بارے میں جواب طلبی ہونے والی ہے اور بالآخر یہ دِن برپا ہو کر رہے گا۔ملائکہ پر اس طرح ایمان لایا جائے کہ وہ خدائی نظام حکومت کے تابع فرمان،اہلکار،ہمارے نگران اور صبح و شام ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کی رپورٹ لکھ کر اللہ کے حضور پیش کر رہے ہیں۔انبیاء علیہم السلام کی ذات اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے،مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رشتے داروں،یتیموں،مسکینوں، مسافروں،سوالیوں اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا جائے۔اس کے ساتھ ہی نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائے۔چاہے تم امن اور خوشحالی میں ہو یا بدحالی اور حالت جنگ میں گویا کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہی قول کے سچے سمجھے جائیں گے۔یہی لوگ درحقیقت نیکوکار اور پرہیزگار ہیں۔اس فرمان میں کتاب مبین کی ابتدا سے لے کر اب تک جو احکامات بیان ہوئے ہیں اعتقادات،عبادات اور معاملات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ہ آیت قرآن پاک کی جامع ترین آیت ہے کیونکہ اس ایک آیت میں کئی ایک مسائل آگئے ہیں۔دینی مسائل کا زیادہ تر تعلق اصلاح عقیدہ،اخلاق یا تہذیب نفس سے ہے اور یہ سارے مسائل اس آیت میں موجود ہیں۔گویا آیت تمام دینی مسائل کا خلاصہ ہے۔ان میں سب سے اہم مسئلہ ایمانیات کا ہے۔جب تک

عقیدہ درست نہیں ہوگا، کوئی عمل مقبول نہیں۔

## اس آیت میں سولہ اُصولی تعلیمات

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ: یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ یعنی صحیح عقائد رکھنے والے اور نماز، زکوٰۃ، صدقات کے عامل، صبر کے عادی، وعدے کے پابند اور نیک اعمال کرنے والے ہی اپنے دعویٰ ایمان میں کامل طور پر سچے ہیں جو کفر اور دیگر تمام گناہوں سے بچنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ایمان کا دعویٰ پر کھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ اور یہ قرآن مجید کی اہم ترین اور نہایت جامع آیتوں میں ہے۔ روئے سخن ان اہل کتاب کی طرف ہے جنہوں نے قبلے کے مسئلے پر بحث ومباحثہ اس انداز سے شروع کر رکھا تھا جیسے دین میں اس سے زیادہ اہم کوئی مسئلہ نہیں ہے، مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ قبلے کے مسئلے کی جتنی وضاحت ضروری تھی وہ ہو چکی ہے، اب آپ کو دین کے دوسرے اہم مسائل کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اہل کتاب سے بھی یہ کہنا چاہیے کہ قبلے کے مسئلے پر بحث سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اپنا ایمان درست کرو اور وہ صفات پیدا کرو جو ایمان کو مطلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال واخلاق کو اپنانا ہے جس کی تاکید اس نے فرمائی ہے۔ پھر آگے ان عقائد واعمال کا بیان ہے۔ جس میں ایمانیات کا بھی ذکر آگیا، معاملات کی اصلاح بھی آگئی، جانی ومالی عبادت کا بھی تذکرہ ہوگیا اور اخلاق کی تعلیم بھی آگئی، اہل علم نے لکھا ہے کہ اس میں سولہ اُصولی تعلیمات آگئی ہیں، اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ نیکی محض کچھ ظاہری افعال کے کرنے اور رسموں کے بجالانے کا نام نہیں ہے، جو یہودیوں کا طرزِ عمل تھا، کہ ان کا پورا زور محض قبلہ کے مسئلہ پر تھا اور وہ اسی کو نیکی و بدی کا معیار بنائے ہوئے تھے، بلکہ اصل میں نیکی ایمان وعقیدہ، معاملات، عبادات اور اخلاق کی اصلاح کا نام ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مشرق یا مغرب

کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال واخلاق کو اپنانا ہے جس کی تاکید اس نے فرمائی ہے۔ پھر آگے ان عقائد واعمال کا بیان ہے۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اسے اپنی ذات وصفات میں یکتا، تمام عیوب سے پاک ومنزہ اور قرآن وحدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی تاویل یا تعطیل کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزا ہونے، حشر نشر اور جنت ودوزخ پر یقین رکھا جائے۔ الْکِتَابِ سے مراد تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام پیغمبروں پر یقین رکھا جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ عَلٰی حُبِّهٖ (ہ) ضمیر مال کی طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ الْبَأْسَاءِ سے تنگ دستی اور دشت فقر الضَّرَّاء سے نقصان یا بیماری اور الْبَأْسِ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر کرنا، یعنی احکامات الٰہیہ سے سرمو انحراف نہ کرنا نہایت کٹھن ہوتا ہے اس لئے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

# اسلامی قانون اور جاہلیت کے قانون میں بنیادی فرق/ معافی کی صورتیں/ قصاص میں زندگی ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی
بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِکَ
تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَکُمْ فِی
الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

## شریعت میں قصاص، دیت سے مراد اور اس کا حکم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یٰۤاَیُّھَا | اے | الَّذِیْنَ | وہ لوگو! جو | اٰمَنُوْا | ایمان لائے ہو! |

ایمان کے ایک معنی شریعت محمدی ﷺ کے آتے ہیں۔یعنی ایمان کے ساتھ ہر وہ شخص متصف ہوسکتا ہے جو توحید کا اقرار کر کے شریعت محمدی ﷺ میں داخل ہو جائے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| کُتِبَ | لکھ دیا گیا ہے | عَلَیْکُمُ | تم پر | الْقِصَاصُ | برابر کا بدلہ لینا |

اسلامی شریعت میں قصاص کا بنیادی اور واضح مطلب " برابر کا بدلہ" لینا ہے۔اس کا سیدھا سا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے کسی پر جو جرم کیا ہو (جیسے جان لینا، جسمانی اعضاء کو نقصان پہنچانا) مجرم

کو اسی کے مطابق سزا دی جائے گی یعنی قصاص کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو۔ یہاں مراد یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے اور قصاص صرف حکومت ہی لے سکتی ہے عوام کو اختیار نہیں ہے کہ وہ خود اپنے مقتولین کا قصاص لیتے پھریں کیونکہ اس سے بہت بڑی بے اعتدالیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ عداوتیں بڑھ جائیں گی اور زمین میں دنگا فساد برپا ہو جائے گا۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فِی الْقَتْلٰی | مقتولوں میں | اَلْحُرُّ | آزاد | بِالْحُرِّ | بدلے آزاد کے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالْعَبْدُ | اور غلام | بِالْعَبْدِ | بدلے غلام کے |
| وَالْاُنْثٰی | اور عورت | بِالْاُنْثٰی | بدلے عورت کے |
| فَمَنْ | پس جسے | عُفِیَ | معاف کیا جائے |

فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ سے مراد دیت اور خون بہا ہے مطلب یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کی طرف سے سب کچھ نہ سہی کچھ ہی معافی دیدی جائے۔ مثلاً قصاص معاف کر دیا جائے اور دیت لے لی جائے۔ صلح ہو جانے کی صورت میں قاتل اور مقتول کے ورثاء دونوں کو حسن سلوک کی تلقین فرمائی یعنی مقتول کے ورثاء بھی معقول طریقے سے خون بہا کا مطالبہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ فریق ثانی کو تنگ کرنے کے لیے خون بہا کے مطالبہ میں سختی کریں اور نہ زیادہ کا مطالبہ کریں اسی طرح قاتل کو بھی چاہئے کہ وہ مقررہ رقم معاہدے کے مطاق ادا کرے اور ٹال مٹول نہ کرے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| لَهٗ | اس کے لیے | مِنْ اَخِیْهِ | اس کے بھائی (ولی مقتول) کی طرف سے |

اَخِیْهِ سے مراد مقتول ہے اور مقتول کی طرف سے معافی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ورثا معاف کر دیں۔ مقتول کو قاتل کا بھائی کہہ کر اس لیے ذکر کیا کہ قاتل کے دل میں شفقت اور ندامت کے جذبات پیدا ہوں کہ جسے اس نے قتل کیا ہے وہ کوئی غیر نہیں تھا بلکہ دین اور بشریت میں اس کا بھائی تھا۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| شَیْءٌ | کچھ | فَاتِّبَاعٌ | تو پیروی کرنی ہے | بِالْمَعْرُوْفِ | دستور کے موافق |

دستور کے موافق کے معنی کسی کے نقش قدم پر چلنے کے ہیں اور یہ کبھی اطاعت اور فرمانبرداری کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا؛ فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی المعروف ہر اس قول یا فعل کا نام ہے جس کی خوبی عقل یا شریعت سے ثابت ہو اور منکر ہر اس بات کو کہا جائے گا جو عقل وشریعت کی روسے بری سمجھی جائے۔ جیسے سورہ آل عمران میں ہے یَأۡمُرُونَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَیَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاَدَآءٌ | اور ادا کرنا ہے | اِلَیۡهِ | اس کی طرف | بِاِحۡسَانٍ | اچھائی کے ساتھ |

الاداء کے معنی ہیں یکبارگی اور پورا پورا حق دے دینا اور پسندیدہ طریقہ سے خون بہا کا پورا پورا ادا کرنا۔ احسان عدل سے بڑھ کر چیز ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا ادا کرنا اور اپنا حق پورا لے لینے کا نام عدل ہے لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے لہذا احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ذٰلِكَ | یہ | تَخۡفِیۡفٌ | تخفیف ہے | مِّنۡ رَّبِّكُمۡ | تمہارے رب کی طرف سے |

ذٰلِكَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ذالک کا اشارہ حکم مذکور کی طرف ہے۔ یعنی عفو اور دیت کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے کہ اس نے معافی اور خون بہا اور معافی کی دو صورتیں ہیں: ایک بغیر معاوضہ مالی یعنی دیت لئے بغیر ہی محض رضائے الٰہی کے لئے معاف کردینا، دوسری صورت، قصاص کی بجائے دیت قبول کرلینا، اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جارہا ہے کہ طالب دیت بھلائی کا اتباع کرے۔ وَأَدَآءٌ إِلَیۡهِ بِإِحۡسَانٍ میں قاتل کو کہا جارہا ہے کہ بغیر تنگ کئے اچھے طریقے سے دیت کی ادائیگی کرے۔ اولیائے مقتول نے اس کی جان بخشی کرکے اس پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے یہ تخفیف اور رحمت (یعنی قصاص، معافی یا دیت تین صورتیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل اہل تورات کے لئے قصاص یا معافی تھی، دیت نہیں تھی اور اہل انجیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی تھی، قصاص تھا نہ دیت۔ (ابن کثیر) هَلۡ جَزَآءُ الۡإِحۡسَانِ إِلَّا الۡإِحۡسَانُ۔ اور دیت کی

صورت میں مقتول کے ورثاء کا فائدہ ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَرَحۡمَةٌ | اور رحمت ہے | فَمَنِ | پھر جس شخص نے | اعۡتَدٰی | زیادتی کی |

الرحمۃ وہ رقت قلب یعنی جس پر رحم کیا جائے۔رحمت میں رقت اور احسان دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔پس رقت تو اللہ تعالیٰ نے طبائع مخلوق میں ودیعت کردی ہے احسان کو اپنے لئے خاص کرلیا ہے فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِكَ یہ ان لوگوں کے لیے تخویف اخروی ہے جو حدود اللہ کے واضح ہوجانے کے بعد ان سے تجاوز کریں۔مثلاً قاتل کے بجائے کسی بے گناہ کو قتل کردیں یا معافی اور خون بہا وصول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کردیں یا بے گناہ پر قتل کا الزام لگا کر اس پر جھوٹا دعویٰ دائر کردیں۔یعنی قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کردے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھگتنی ہوگی۔

## خونِ انسان کی حرمت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بَعۡدَ | بعد | ذٰلِكَ | اس کے | فَلَهٗ | تو اس کے لیے |
| عَذَابٌ | عذاب ہے | اَلِيۡمٌ | دردناک (178) | | |

كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِي الۡقَتۡلٰى: تم پر مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا فرض کردیا گیا۔یہ آیت اَوس اور خَزرج کے بارے میں نازل ہوئی،ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے قوت،تعداد،مال و شرف میں زیادہ تھا۔اُس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک کے بدلے دو کو قتل کرے گا،زمانہ جاہلیت میں لوگ اس قسم کی زیادتیوں کے عادی تھے۔عہد اسلام میں یہ معاملہ حضور سید الانبیاء صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں پیش ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اور عدل و مساوات کا حکم دیا گیا۔اس پر وہ لوگ راضی ہوئے۔(جمل، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۷۸، ۱ / ۲۱۳) اس آیت میں قصاص اور معافی دونوں مسئلے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بیان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو قصاص اور معافی میں اختیار دیا ہے۔اس آیت مبارکہ اور اس کے شانِ نزول سے اسلام کی نظر میں خونِ

انسان کی حرمت کا بھی علم ہوتا ہے۔

## مقتول کے وارث کا حق

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے، جاہلیت کے زمانے میں اگر چہ قصاص تو لیا جاتا تھا لیکن اس میں ناانصافی یہ تھی کہ انہوں نے مختلف انسانوں کے جو درجے اپنے خیال میں مقرر کر رکھے تھے ان کے لحاظ سے اگر نچلے درجے کے کسی شخص نے اونچے درجے کے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو ورثاء کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ قاتل کے بجائے اس کے قبیلے کے کسی دوسرے آدمی کو قتل کیا جائے جو رتبے میں مقتول کے برابر ہو، چنانچہ اگر ایک غلام نے کسی آزاد آدمی کو قتل کر دیا ہو تو مطالبہ میں یہ ہوتا تھا کہ ہم قاتل غلام کے بجائے کسی آزاد آدمی کو قتل کریں گے، اسی طرح اگر قاتل عورت ہو اور مقتول مرد تو کہا جاتا تھا کہ قاتل عورت کے بجائے قبیلے کا کوئی مرد قتل کیا جائے، اس کے برعکس اگر قاتل مقتول سے اوپر کے درجے کا ہو مثلاً قاتل مرد ہو اور مقتول عورت تو قاتل کا قبیلہ کہتا تھا کہ ہماری کسی عورت کو قتل کر دو قاتل مرد سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اس آیت نے جاہلیت کی اس ظالمانہ رسم کو ختم فرما دیا اور اعلان کیا کہ جان ہر ایک کی برابر ہے اور قصاص ہر صورت میں قاتل ہی سے لیا جائے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت غلام ہو یا آزاد۔ خلاصہ کلام یہ ہوا 'قتل عمد' یعنی جان بوجھ کر قتل میں قصاص واجب ہے، قصاص کے اصل معنی برابری کے ہیں، یعنی 'قتل کے بدلہ قتل' قتل عمد سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص پر قتل کے ارادہ سے دھار دار ہتھیار سے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا جائے، (البحر الرائق: ۹/۶) ایسی صورت میں جہاں اسلامی حکومت ہو، وہاں مقتول کو حق ہے کہ عدالت کی وساطت سے قاتل کو قتل کر دے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں، (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۷/۲۶۴) اسلام سے پہلے بھی آسمانی کتابوں میں قتل کی یہی سزا مقرر کی گئی تھی بائبل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، (دیکھئے: احبار: ۲۴/۱۷) اگر جسم کو جزوی نقصان پہنچا، یا

کسی عضو کو کاٹ دیا یا چوٹ لگائی اور یہ جسم کا ایسا حصہ ہے اور ایسا زخم ہے کہ قصاص لیتے ہوئے بھی اسی حد تک قائم رہنا ممکن ہو تو اعضاء میں بھی قصاص واجب ہوگا، قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کا ذکر آیا ہے، (المائدۃ: ۴۵) جن صورتوں میں قصاص کا حکم نہیں، یا قصاص میں مساوات کو باقی رکھنا ممکن نہیں، وہاں بجائے قصاص کے دیت واجب ہوگی۔ (البحر الرائق: ۹/ ۳۳)

## پوری زندگی کا راز

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَلَكُمْ | اور تمہارے لیے | فِي الْقِصَاصِ | برابر کا بدلہ لینے میں |
| حَيٰوةٌ | (بڑی) زندگی ہے | يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ | اے عقل والو |
| لَعَلَّكُمْ | شاید کہ تم | تَتَّقُوْنَ | (قتل و غارت سے) بچو۔(179) |

یہ نہایت فصیح و بلیغ جملہ ہے۔ جس پر عرب کے فصحاء عش عش کرا ٹھے۔ کیونکہ اس مختصر سے جملہ میں دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ یعنی قصاص بظاہر تو موت ہے۔ مگر حقیقت میں پوری زندگی کا راز اسی میں ہے۔ قصاص اگرچہ بظاہر بہت دشوار اور برا معلوم ہوتا ہے مگر عقلمند اور صاحب ہوش لوگ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ قصاص تو زندگی کا باعث ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے قاتل قتل سے رک جائے گا اور اس طرح قاتل اور مقتول کی جان بچ جائے گی۔ اسی طرح قتل سے قاتل اور مقتول کے قبیلوں میں عداوت اور انتقام جس آگ کے بھڑکنے کا اندیشہ ہے وہ بھی نہیں بھڑکے گی۔ اور اس طرح دونوں خاندان قتل و خونریزی سے بچ کر آرام اور چین کی زندگی بسر کریں گے۔ اس لیے ارشاد فرمایا۔ اے دانش ورو! قصاص بری چیز نہیں بلکہ یہ تو تمہاری جانوں کی حفاظت کی ضمانت اور تمہاری زندگی کا بیمہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ قصاص سے ایک طرف تو تم دنیا میں قتل اور خون خرابہ سے بچ جاؤ گے اور دوسری طرف آخرت میں قتل اور فساد فی الارض کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

## اسلامی حدود کے نفاذ کی برکات

جب قاتل کو یہ خوف ہوگا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جراءت نہیں ہوگی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے، وہاں یہ خوف معاشرے

کو قتل و خونریزی سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جاسکتا ہے جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات الحمدللہ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو یہ پرسکون زندگی مہیا کرسکیں۔ جس قوم میں ظالم کی پردہ پوشی اور حمایت کی جائے وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور جہاں ظالم اور مجرم کو سزا دی جائے وہاں جرائم خود بخود کم ہو جاتے ہیں۔ ایک محلے سے لے کر عالمی سطح تک کے مجرموں میں یہی ایک فلسفہ کارفرما ہے۔ آپ غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ جن ممالک میں جرائم پر سخت سزائیں نافذ ہیں وہاں کے جرائم کی تعداد اور جہاں مجرموں کو سزائیں نہیں دی جاتیں وہاں جرائم کی تعداد کتنی ہے۔

## اسلام اور قانونِ جاہلیت میں بنیادی فرق

اسلام اور قانونِ جاہلیت میں بنیادی فرق عدل، اخلاقیات اور انسانی حقوق کا ہے۔ جاہلیت کا قانون قبیلہ پرستی، طاقتور کی بالادستی، عورتوں کی تذلیل اور توہم پرستی پر مبنی تھا، جبکہ اسلام نے مساوات، انصاف، اخلاقی اقدار اور انسانی جان و مال کے تحفظ کا قانون دیا، جس میں کسی عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں۔ انصاف و مساوات: جاہلیت میں کمزور اور غلاموں کے لیے کوئی حقوق نہیں تھے، جبکہ اسلام نے سب کو قانون کے سامنے برابر قرار دیا۔ مختصراً، اسلام نے جاہلیت کی تاریکی کو علم، عدل اور انسانیت کے نور سے بدل دیا۔

# وصیت کی تعریف اور حکم/ وصیت کی اقسام
# وصیت میں تبدیلی کی صورتیں

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ
اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۚۖ الۡوَصِیَّۃُ لِلۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ
حَقًّا عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۸۰﴾ؕ فَمَنۡۢ بَدَّلَہٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یُبَدِّلُوۡنَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۸۱﴾ؕ فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَیۡنَہُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ
اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۸۲﴾ؑ

## وصیت نہ کرنے کی صورت میں حق تلفی کا خطرہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| کُتِبَ | فرض کیا گیا | عَلَیۡکُمۡ | تم پر | اِذَا | جب |
| حَضَرَ | آنے لگے | اَحَدَکُمُ | تمہارے (کسی) ایک کو | الۡمَوۡتُ | موت |
| اِنۡ | اگر | تَرَکَ | وہ چھوڑے جا رہا ہو | خَیۡرَا | مال |
| الۡوَصِیَّۃُ | وصیت کرنا | لِلۡوَالِدَیۡنِ | ماں باپ کے لیے | | |
| وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ | اور رشتہ دار (کیلئے) | بِالۡمَعۡرُوۡفِ | دستور کے موافق | | |
| حَقًّا | یہ حق ہے | عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ | اوپر متقیوں کے۔(180) | | |

کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ: تم پر فرض کیا گیا ہے۔لکھ دیا گیا ہے" یعنی فرض کر دیا گیا ہے۔(راغب)

"کسی کو موت آپہنچے" یعنی اس کے اسباب وقرائن آپہنچیں، کیونکہ موت آنے کے بعد وصیت تو کیا، کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ چونکہ موت کسی بھی وقت آسکتی ہے، اس لیے اگر وصیت نہ کرنے کی صورت میں کسی کی حق تلفی کا خطرہ ہو، مثلاً کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو وصیت میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جب تک اسلام میں میراث کے احکام نہیں آئے تھے اس وقت تک مرنے والے پر اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا واجب تھا کیونکہ اس وقت صرف وصیت کے مطابق مال تقسیم ہوتا تھا جب میراث کے احکام آگئے تو وصیت کا حکمِ وجوب منسوخ ہوگیا۔ ابتدائی دور میں قانونِ میراث نہیں آیا تھا، اس وقت یہی قانون تھا کہ مرنے والا جس رشتہ دار کے لئے جو وصیت کر جائے، اس کے مطابق اس کا ترکہ تقسیم ہوگا، جب میراث کا قانون آگیا، جس کا تفصیلی ذکر (النساء: ۱۱-۱۲) میں ہے تو اب یہ حکم باقی نہیں رہا؛ بلکہ اب وارث کے لئے وصیت کر بھی جائے تو اس کا اعتبار نہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وارث کے لئے وصیت نہیں وَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، (سنن ترمذی) اور جو وارث نہ ہو، اس کے لئے بھی ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت معتبر نہیں، یہ تحدید بھی حدیث میں منقول ہے۔ (سنن ترمذی، باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث، حدیث نمبر: ۲۱۱۶) جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ترکہ کے وارث صرف بیوی اور اولاد اور بالخصوص اولاد نرینہ ہوا کرتی تھی (جیسا کہ آج کل مسلمانوں میں بھی عمومی رواج یہی چل نکلا ہے) ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے ہیں۔ اس آیت کی رو سے مرنے والے پر انصاف کے ساتھ والدین اور اقارب کے لیے وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا۔

## آیت میراث میں والدین اور اقارب کے حصے

بعد میں اللہ تعالیٰ نے آیت میراث میں والدین اور اقارب کے حصے خود ہی مقرر فرما دیئے تو یہ آیت منسوخ ہوگئی اور وصیت صرف ایک تہائی ترکہ یا اس سے بھی کم حصہ کے لیے رہ گئی۔ جویا تو ان وارثوں کے حق میں کی جاسکتی ہے جن کا حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیا یا پھر دوسرے رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے ایک تہائی مال تک وصیت کرنا ایک حق تھا جو مرنے والے کو دیا گیا تھا۔ مگر آج مسلمان اس سے بھی غافل ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اس حق کو استعمال کریں تو کئی معاشرتی مسائل از خود

حل ہو جاتے ہیں۔

## وصیت واجب ہونے کا حکم

یاد رہے کہ وصیت واجب ہونے کا حکم اگرچہ منسوخ ہو چکا لیکن وصیت کا جواز اب بھی باقی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما سے روایت ہے، رسول اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ اس کے پاس کچھ مال ہو اور وہ دو راتیں اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وصیۃ الرجل۔۔۔ الخ، ۲ / ۲۳۰، الحدیث: ۲۷۳۸) البتہ ایک تہائی تک وصیت ہو سکتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما سے روایت ہے، رسول کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''وصیت مال کے تہائی حصے میں ہے اور تہائی بہت ہے۔ (بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، ۲ / ۲۳۲، الحدیث: ۲۷۴۳) اور یہ بھی یاد رہے کہ وارث کیلئے وصیت درست نہیں۔ حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے، خبر دار! وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ (ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث، ۳ / ۳۱۰، الحدیث: ۲۷۱۳)

## وصیت میں تبدیلی کی صورتیں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَمَنْ | پھر جو شخص | بَدَّلَهٗ | اس (وصیت) کو بدل دے | بَعْدَ | بعد |
| مَا | جو (وہ) | سَمِعَهٗ | اسے سن چکا | فَاِنَّمَآ | تو صرف |
| اِثْمُهٗ | اس کا گناہ | | | | |
| عَلَى | اوپر | الَّذِيْنَ | اُنہی لوگوں کے ہے جنھوں نے | يُبَدِّلُوْنَهٗ | اسے بدلا |
| اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ | سَمِيْعٌ | خوب سننے والا | | |
| عَلِيْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔ (181) | | | | |

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ: پھر جو وصیت کو سننے کے بعد اسے تبدیل کر دے۔ یعنی جن

لوگوں نے مرنے والے کی زبان سے کوئی وصیت سنی ہو ان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی کمی بیشی کریں، اس کے بجائے ان کے لئے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔ وصیت کرنے کے بعد زندگی کے اندر اندر وصیت کرنے والے کو تو وصیت تبدیل کرنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن فوت ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص کو وصیت میں تبدیلی کی اجازت نہیں خواہ وصی تبدیل کرے یا گواہ یا کوئی اور۔ یونہی وصیت کے کاغذات میں تبدیلی کی جائے یا مال کی تقسیم میں۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے والے نے تو وصیت انصاف کے ساتھ کی ہو۔ مگر کوئی با اختیار وارث اس میں ترمیم و تنسیخ کر دے یا چند وارث ملکر تبدیلی کر دیں تو وہ سب گنہگار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے خود غرض لوگوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے ارادوں تک کو جاننے والا ہے۔ اسی طرح وصیت میں تبدیلی کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً مرنے والا کسی ایسے شخص کو کوئی حصہ دے گیا، جسے وارث پسند نہیں کرتے یا کسی کے کم حصے کو زیادہ یا زیادہ کو کم کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اپنی طرف سے ردو بدل کرتے ہیں۔ تو وہ لوگ گناہ گار ہوں گے، کیونکہ جائز وصیت پر عمل نہیں کیا، وارثان کے حصص کی تقسیم وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک نے بار بار تصریح کی ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَمَنۡ | پس جو شخص | خَافَ | خوف کرے | | |
| مِنۡ مُّوۡصٍ | وصیت کرنے والے کی طرف سے | جَنَفًا | حق تلفی کا | | |
| اَوۡ اِثۡمًا | یا گناہ کا | فَاَصۡلَحَ | پھر وہ اصلاح کرا دے | | |
| بَيۡنَهُمۡ | ان کے درمیان | فَلَآ | تو نہیں ہے | اِثۡمَ | کوئی گناہ |
| عَلَيۡهِ | اس پر | اِنَّ | بیشک | اللّٰهَ | اللہ |
| غَفُوۡرٌ | بہت زیادہ بخشنے والا | رَّحِيۡمٌ | نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (182) | | |

اسی طرح اگر کوئی وصیت کرنے والا وصیت صحیح طریقے سے نہیں کرتا۔ کسی کو حق سے زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو پورا حق بھی نہیں دیتا اور اس طرح پسماندگان میں تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے، تو

اس نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا جو شخص ڈر گیا۔ وصیت کرنے والے کے ایک طرف جھک جانے سے یا کسی گناہ کے ارتکاب سے فَاَصۡلَحَ بَیۡنَهُمۡ پس اس شخص نے فریقین میں صلح کرادی فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں بعض اوقات کوئی بیٹا نافرمان ہوتا ہے اور وصیت کرنے والا اسے جائیداد سے محروم کرتا ہے، تو یہ بات غلط ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ وارث بننا ایک غیر اختیاری چیز ہے اور جو حصہ اللہ نے ورثاء کو دیا ہے، وہ نیکی بدی یا فرمانبرداری اور نافرمانی پر موقوف نہیں ہے۔ اس کا اچھا یا برا صلہ کسی اور طریقے سے دیا جاسکتا ہے۔ مگر وارثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ حق اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، ایسی ہی صورت میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص درمیان میں آکر صلح کرادے، تو یہ اچھی بات ہے اس سے دونوں کو فائدہ ہوگا، وارثان کو ان کا جائز حصہ مل جائیگا اور وصیت کرنے والا بھی سرخرو ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر کوئی چھوٹی موٹی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا، کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۱۸۲ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ افسوس کہ مال کی محبت میں لوگ وصیتوں میں بہت ہیر پھیر کرتے ہیں، وصیت چھپا دیتے ہیں، جعلی وصیت نامے بنا لیتے ہیں، وصیت میں تبدیلی کر دیتے ہیں، وصیت پر عمل نہیں کرتے۔ ایک اہم مسئلہ یہ بھی یاد رہے کہ وصیت کے بارے میں ضروری ہے کہ شریعت نے جو قوانین بنائے ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ ان سے ہٹ کر عمل کی اجازت نہیں مثلاً ورثاء راضی نہ ہوں پھر بھی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دی جائے اور اس پر عمل کر لیا جائے۔ یہ سب ناجائز و حرام ہے۔

## وصیت کا بدلنا بڑا گناہ

وصیت کا بدلنا بڑا گناہ ہے، اس میں وصیت کا چھپانا بھی داخل ہے۔ "جَنَفًا" "مائل ہونا" یعنی اگر کسی کی طرف دلی میلان کی وجہ سے وصیت میں اس کی نامناسب طرف داری ہو۔ "اَوۡ اِثۡمًا" یا ناجائز کام کی وصیت ہو، مثلاً شراب پلانے کی، ناچ کرانے کی، کسی قبر پر چراغاں کرنے یا میلہ اور عرس کرانے کی تو ایسی وصیت کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ "جَنَفًا" سے مراد

دلی میلان کی بنا پر غلطی یا بھول چوک سے طرف داری ہو جائے اور "اِثْمًا" سے مراد جان بوجھ کر کسی کی حق تلفی ہو۔ "فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ" یعنی وارثوں کو سمجھا بجھا کر ان میں صلح کرا دے۔

## وصیت کی تعریف اور اس کی قسمیں

وصیت کی تعریف: کسی شخص کا یہ کہنا کہ میرے مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں شخص کو یا فلاں کام میں دے دینا، اس کو وصیت کہا جاتا ہے۔ (ماخذہ: درسی بہشتی زیور، ص: 545، ط: سعید احمد ویلفیئر ٹرسٹ) وصیت کا حکم: میت نے اگر کوئی جائز وصیت کی ہو تو اس کے ترکہ میں سے تجہیز و تکفین اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے، اس کے ایک تہائی میں میت کی جائز وصیت کے مطابق عمل کرنا ورثاء پر لازم ہے۔ واضح رہے کہ حکم کے اعتبار سے وصیت کے مختلف درجات ہیں جو کچھ اس طرح ہیں ) 1 واجب وصیت: بعض صورتوں میں وصیت کرنا واجب ہوتی ہے، جیسے: کسی کے ذمہ فرض نمازوں یا رمضان کے روزوں کی قضا باقی رہ گئی ہو تو ان کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت یا کسی کے ذمہ صدقہ فطر کی ادائیگی باقی ہے یا اس نے اپنے ذمہ واجب قربانی کا حکم ادا نہیں کیا یا قسم کھا کر توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا نہیں کیا یا منت مانی تھی اور اسے پورا نہیں کیا یا اس کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت رکھی ہوئی ہے اور اس نے واپس نہیں کی یا اس کے ذمہ کسی کا قرض ہے جو اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا ہے تو ان تمام صورتوں میں وصیت کرنا واجب ہے، کیونکہ ان سب کی ادائیگی واجب ہے۔ ) 2 مستحب وصیت: بعض دفعہ وصیت کرنا مستحب ہوتی ہے، جیسے: مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں ایک تہائی کے اندر مال لگانے کی وصیت کرنا یا کسی ہسپتال یا رفاہی ادارے میں مال دینے کی وصیت کرنا یا غرباء و مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر صدقہ کرنے کی وصیت کرنا یا بورنگ، کنواں کھدوانے، پانی کا کولر یا موٹر لگانے کی وصیت کرنا یا قرآن مجید اور دینی کتابیں خرید کر انہیں مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کرنے کی وصیت کرنا وغیرہ۔ )3 مباح وصیت: بعض دفعہ وصیت کرنا مباح ہوتی ہے، جیسے: مالدار لوگوں کے لئے وصیت کرنا، چاہے وہ غیر وارث رشتہ دار ہوں یا اجنبی ہوں۔ ) 4 مکروہ وصیت: بعض دفعہ وصیت کرنا مکروہ ہوتی ہے، مثلاً: ایسے لوگوں کے لئے

وصیت کرنا، جو ظاہر میں اللہ تعالی کے نافرمان ہوں اور کھلم کھلا گناہ کے کاموں میں مبتلا ہوں اور غالب گمان یہ ہو کہ وہ لوگ اس وصیت کے پیسوں کو گناہ کے کاموں میں استعمال کریں گے، تاہم اگر کسی نے ایسے لوگوں کے لئے وصیت کر دی تو اس وصیت پر عمل کیا جائے گا، البتہ وصیت کرنے والا گناہ گار ہو گا۔ )5 ناجائز وصیت: بعض دفعہ جو وصیت کی جاتی ہے، وہ ناجائز ہوتی ہے، جیسے: ورثاء کو محروم کرنے کی غرض سے ایک تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا یا غیر مسلموں کا عبادت خانہ بنوانے یا اس کی مرمت کروانے کی وصیت کرنا یا کسی کو شراب خرید کر دینے کی وصیت کرنا یا پختہ قبر بنوانے کی وصیت کرنا یا سنگ مرمر کی قبر بنوانے کی وصیت کرنا یا مرنے کے بعد کسی گناہ و بدعت کے کام کی وصیت کرنا وغیرہ، یہ سب وصیتیں ناجائز ہیں، کیونکہ مذکورہ امور ناجائز ہیں اور ایسی وصیتوں کو پورا کرنا بھی ناجائز ہے۔

# فرضیت روزہ اور اس کے روحانی و جسمانی فوائد
# روزے کی رخصت کے چند اہم مسائل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾
اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی
الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا
خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

## کُتِبَ کا بنیادی لغوی معنیٰ و مفہوم

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| یٰٓاَیُّھَا | اے | الَّذِیْنَ | وہ لوگو! جو | اٰمَنُوْا | ایمان لائے ہو | |
| کُتِبَ | فرض کیے گئے | عَلَیْکُمُ | تم پر | الصِّیَامُ | روزے | |
| کَمَا | جیسے | کُتِبَ | فرض کیے گئے | عَلَی الَّذِیْنَ | اوپر اُن لوگوں کے جو | |
| مِنْ قَبْلِکُمْ | تم سے پہلے تھے | لَعَلَّکُمْ | تا کہ تم | | | |
| تَتَّقُوْنَ | پرہیزگار بن جاؤ۔(183) | | | | | |

کُتِبَ عربی زبان کا لفظ ہے جو کتاب کی جمع ہے۔اس کا بنیادی لغوی معنیٰ "لکھنا"، "تحریر کرنا"

اور” فرض کرنا“ ہے ۔وسیع تر مفہوم میں ہر وہ تحریر جو محفوظ کی گئی کُتِبَ کہلاتی ہے ۔ کُتِبَ کا لفظ فرضیت کے لیے آتا ہے، جیسے اس سے پہلے قصاص کے متعلق آیا تھا کُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ یعنی تم پر قصاص فرض کیا گیا اسی طرح وصیت کے متعلق آچکا ہے کُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ ،تو تم پر وصیت کرنا لازم ہے، ارکان اسلام میں توحید و رسالت پر عقیدہ کے بعد نماز، پھر زکوٰۃ اور پھر روزہ کا نمبر ہے ۔چوتھا نمبر حج کا ہے اسی ترتیب سے پانچواں رکن جہاد ہے ۔اسی طرح یہاں پر روزوں کے متعلق کُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں ۔ صِيَامٌ، صَوۡمٌ (روزہ ) کا مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ہم بستری کرنے سے، اللہ کی رضا کے لئے، رکے رہنا، یہ عبادت چوں کہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لئے بہت اہم ہے، اس لئے اسے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے ۔اور تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے ۔

## ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن روزہ

اس آیت میں ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن روزہ کا بیان ہے ۔آیت میں فرمایا گیا ’’جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے ۔‘‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ بہت قدیم عبادت ہے ۔حضرت آدم عَلَيۡهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام سے لے کر تمام شریعتوں میں روزے فرض ہوتے چلے آئے ہیں اگرچہ گزشتہ امتوں کے روزوں کے دن اور احکام ہم سے مختلف ہوتے تھے ۔ یاد رہے کہ رمضان کے روزے 10 شعبان 2 ہجری میں فرض ہوئے تھے ۔( درمختار، کتاب الصوم، ۳ / ۳۸۳ ) جس طرح اس سے پہلے اصولوں کو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اسی طرح روزہ رکھنے کی غرض و غایت بھی تحصیل تقویٰ ہی بیان کی گئی ہے ۔روزہ سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے ۔خدا کی محبت اور نیکی کی رغبت بڑھتی ہے ۔ باطن پاک و صاف ہو جاتا ہے اور دل گناہوں سے پاک اور مال حرام سے متنفر ہو جاتا ہے ۔حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡهُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''اے جوانو! تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ قاطعِ شہوت ہے۔(بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، ۳/ ۴۲۲، الحدیث: ۵۰۶۶) روزہ ہر پیغمبر کی شریعت میں فرض رہا ہے۔ البتہ روزوں کی تعداد اور وقت میں فرق تھا۔

## روزہ کی غرض وغایت

یہاں روزہ کی غرض وغایت بیان فرمائی ہے کہ روزہ بظاہر فاقہ اور تکلیف معلوم ہوتا ہے مگر اس میں تمہارے لیے روحانی فوائد ہیں اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تم روزے رکھنے سے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے۔ کیونکہ روزہ رکھنے سے قوت شہوانیہ ضعیف ہوجائے گی اور نفس کی خواہش مرغوبات نفسانیہ کی طرف کم ہوجائے گی جس کا نتیجہ گناہوں سے بچنے اور نیکی کے کاموں میں رغبت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہی تقویٰ ہے اس روحانی تزکیہ کے علاوہ روزہ سے بدن کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ روزہ کے روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے جسمانی فوائد بھی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا روزہ رکھو تاکہ تمہیں صحت نصیب ہو۔

## روزہ سے بہتر حفظان صحت کا کوئی اصول نہیں

یورپ کے بہت سے نامور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسلام نے فاقہ کا جو طریقہ روزہ کی صورت میں مقرر کیا ہے، اس سے بہتر حفظان صحت کا کوئی اصول نہیں مختلف بیماریوں کے حملہ کی صورت میں بھی روزہ صحت مندی کا سبب بنتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ روزہ رکھو، صحت نصیب ہوگی اور سفر کرو غنیمت حاصل ہوگی۔ بسا اوقات اقامت میں آدمی کامیاب نہیں ہوتا مگر سفر کرنے سے اللہ تعالیٰ ایسے وسائل پیدا کر دیتا ہے، جو اس کی کامیابی کا سبب بن جاتے ہیں، اور انسان تنگی سے نکل کر فراخی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس لیے مادی اور روحانی دونوں قسم کے فوائد کا حامل ہے۔

## گنتی کے چند دن

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| اَيَّامًا | چند دن | مَّعْدُوْدٰتٍ | گنتی کے | فَمَنْ | پس جو | كَانَ | ہو |
| مِنْكُمْ | تم میں سے | مَّرِيْضًا | بیمار | اَوْ عَلٰى سَفَرٍ | یا سفر پر | | |
| فَعِدَّةٌ | تو گنتی (پوری کرنی) ہے | مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ | دوسرے دنوں سے | | | | |
| وَعَلَى الَّذِيْنَ | اور اوپر اُن لوگوں کے جو | يُطِيْقُوْنَهٗ | طاقت رکھتے ہیں اُس کی | | | | |
| فِدْيَةٌ | فدیہ ہے | طَعَامُ | کھانا | مِسْكِيْنٍ | ایک مسکین کا | فَمَنْ | پس جو |
| تَطَوَّعَ | خوشی سے کرے | خَيْرًا | کوئی نیکی | فَهُوَ | تو وہ | | |
| خَيْرٌ | زیادہ بہتر ہے | لَّهٗ | اس کیلئے | | | | |
| وَاَنْ تَصُوْمُوْا | اور یہ کہ تم روزہ رکھو | خَيْرٌ | (بہت) بہتر ہے | | | | |
| لَّكُمْ | تمہارے لیے | اِنْ | اگر | كُنْتُمْ | ہوتم | | |
| تَعْلَمُوْنَ | جانتے ۔(184) | | | | | | |

## کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ: گنتی کے چند دن ہیں ۔فرض روزے گنتی کے دن ہیں یعنی صرف رمضان کا ایک مہینہ ہے جو انتیس دن کا ہوگا یا تیس دن کا۔لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ذہن میں رکھو کہ جس رب عزّ وجلّ نے تمہیں گیارہ ماہ کھلا یا پلایا، وہ اگر ایک ماہ صرف دن کے وقت کھانے پینے سے منع فرمادے اور اس فاقے میں بھی تمہارے جسم و روح ،ظاہر و باطن، دنیا و آخرت کا فائدہ ہو تو ضرور اس کی اطاعت کرو۔

## روزے کی رخصت کے چند اہم مسائل

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا: تو تم میں جو کوئی بیمار ہو۔حیض و نفاس والی عورت کو تو روزہ رکھنے کی اجازت ہی نہیں وہ تو بعد میں قضا کرے گی۔اس کے علاوہ بھی چند افراد ہیں جنہیں روزہ چھوڑنے

کی اجازت ہے۔آیت میں بطورِ خاص بیمار اور مسافر کو رخصت دی گئی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ سفر سے مراد تین دن کی مسافت یعنی سفرِ شرعی کی مقدار (جس کے بعد قصر واجب ہوتی ہے) فقہاءِ احناف کے نزدیک 48 میل ہے، جو جدید پیمانے کے مطابق تقریباً ساڑھے ستتر کلو میٹر اور احتیاطاً بانوے کلو میٹر ہے۔اس سے کم سفر ہے تو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔(درمختار مع ردالمحتار) مریض کو بھی رخصت ہے جبکہ اسے روزہ رکھنے سے مرض کی زیادتی یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں ممنوع ایام کے علاوہ اور دنوں میں روزہ رکھ لے۔البتہ یہ یاد رہے کہ مریض کو محض زیادہ بیماری کے یا ہلاکت کے صرف وہم کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ کسی دلیل یا سابقہ تجربہ یا کسی ایسے طبیب کے کہنے سے غالب گمان حاصل ہو جو طبیب ظاہری طور پر فاسق نہ ہو۔(ردالمحتار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم، ۳ / ۴۶۴)

روزے کی رخصت کے چند اہم مسائل: (1)......جو فی الحال بیمار نہ ہو لیکن مسلمان ماہر طبیب یہ کہے کہ وہ روزے رکھنے سے بیمار ہو جائے گا وہ بھی روزہ چھوڑ سکتا ہے۔(2)......حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر روزہ رکھنے سے اپنی یا بچے کی جان کا یا اس کے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو بھی افطار جائز ہے۔(3)......جس مسافر نے طلوعِ فجر سے قبل سفر شروع کیا اس کو تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن جس نے طلوعِ فجر کے بعد سفر کیا اس کو اُس دن کا روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

## ایک مسکین کا فدیہ

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ: ایک مسکین کا فدیہ۔ یعنی وہ بوڑھا جس کی عمر ایسی ہو گئی کہ اب روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا، جب وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو یعنی نہ اب رکھ سکتا ہے اور نہ آئندہ ہی اس میں اتنی طاقت آنے کی امید ہو کہ روزہ رکھ سکے، اس کے لیے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے فدیے کے طور پر نصف صاع پونے دو کلو گندم یا اس کا آٹا دیدے یا اس کی قیمت دیدے اور اگر فدیہ جَو سے دینا ہو تو گندم سے دگنا یعنی ساڑھے تین کلو دینا ہوگا۔(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم، ۳ / ۴۷۱-۴۷۲) یہ بھی یاد رہے کہ اگر فدیہ

دینے کے بعد روزہ رکھنے کی قوت آ گئی تو روزہ رکھنا لازم ہو جائے گا۔(عالمگیری،کتاب الصوم،الباب الخامس،۱/ ۲۰۷)مسئلہ:اگر کوئی شیخ فانی غریب و نادار ہو اور فدیہ دینے کی قدرت بھی نہ رکھتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے۔(درمختار،کتاب الصوم،فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم،۳/ ۴۷۲){فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ: پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔فدیہ کی مقدار تو مخصوص ہے لیکن اگر کوئی زیادہ دینا چاہے تو بخوشی دے سکتا ہے۔جتنا زیادہ دے گا اتنا ہی ثواب بڑھتا جائے گا۔جیسے بعض صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُم نے نماز کے خشوع و خضوع میں فرق پڑنے پر پورا باغ صدقہ کر دیا۔یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ مسافر و مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اگرچہ اجازت ہے لیکن زیادہ بہتر و افضل روزہ رکھنا ہی ہے جیسا کہ آیت کے آخر میں فرمایا:وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اور تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

## روزے کے طبی فوائد

طبی لحاظ سے روزوں کے بے شمار فوائد ہیں،ان میں سے چند یہ ہیں(1)......روزہ رکھنے سے معدے کی تکالیف اور اس کی بیماریاں ٹھیک ہو جاتی ہیں اور نظام ہضم بہتر ہو جاتا ہے۔(2)......روزہ شوگر لیول،کولیسٹرول اور بلڈ پریشر میں اعتدال لاتا ہے اور اس کی وجہ سے دل کا دورہ پڑنے کا خطرہ نہیں رہتا۔(3)......روزے کے دوران خون کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے دل کو انتہائی فائدہ مند آرام پہنچتا ہے۔(4)......روزے سے جسمانی کھچاؤ، ذہنی تناؤ، ڈپریشن اور نفسیاتی امراض کا خاتمہ ہوتا ہے۔(5)......روزہ رکھنے سے موٹاپے میں کمی واقع ہوتی اور اضافی چربی ختم ہو جاتی ہے۔(6)......روزہ رکھنے سے بے اولاد خواتین کے ہاں اولاد ہونے کے امکانات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔

بہر حال روزہ انسان کے اخلاقی اور روحانی کردار کی اصلاح کا ادارہ ہے۔روزے کا مقصد ضبط نفس،تزکیہ نفس،خدا شناسی،ہمدردی،دیکھ بھال اور اشتراک کا جذبہ،انسانیت کی محبت اور خدا سے محبت پیدا کرنے میں مدد کرنا ہے۔روزہ ایک عالمگیر رسم ہے اور دنیا کے تمام مذاہب اس کی

وکالت کرتے ہیں، بعض میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پابندیاں ہیں۔ اسلامی روزہ، محض فاقہ کشی یا خود انکاری کے برخلاف، عبادت اور خدا کی اطاعت، شکر گزاری، معافی، روحانی تربیت اور خود پر کھنے کا عمل ہے۔ روزہ رکھنے سے نظم وضبط پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ روزہ انسان کو مخصوص وقت پر کھانے، عبادت اور دیگر معمولات کا پابند بناتا ہے۔ اس کے علاوہ روزہ خود احتسابی کا موقع دیتا ہے تاکہ انسان زندگی کا جائزہ لے اور اپنی غلطیوں سے سیکھے۔ رمضان میں ہر طرف روحانی ماحول پیدا بن جاتا ہے۔ دن بھر روزے کے ساتھ ساتھ نفل نماز، ذکر اور قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ ہر طرف نیکیوں کا چرچا ہوتا ہے، لوگ مساجد میں آتے ہیں اور دینی محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس مقدس مہینے میں عبادات کا ماحول بندے کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے جس کی بدولت اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ جنت کا مستحق بنتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رمضان میں ایک نفل عبادت کی، اسے فرض عبادت کا ثواب ملے گا، اور جس نے ایک فرض عبادت ادا کی، اسے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ (صحیح ابن خزیمہ: 1887) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں کی گئی ہر نیکی کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادات کرتے ہیں، صدقہ وخیرات میں اضافہ کرتے ہیں، اور اپنی آخرت بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ روزے کی وجہ سے لوگ اللہ کے قریب ہوتے ہیں اور برے کاموں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوری، دھوکا دہی، بدعنوانی اور دیگر جرائم میں کمی آتی ہے، جس سے معاشرے میں امن وامان کی فضا قائم ہوتی ہے۔ رمضان کا مہینہ ہمیں جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست رکھنے کے ساتھ ساتھ نظم وضبط والی زندگی گزارنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ اگر رمضان کے بعد بھی ہم یہی طرزِ زندگی اپنائیں تو عمر بھر ہم نہ صرف بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں بلکہ صحت مند، خوش گوار اور بہترین زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔

# ماہ رمضان اور قرآن پاک/قرب خداوندی/ قبولیت دعا کی تین صورتیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ شَھْرُ رَمَضَانَ
الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَھِدَ
مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ ؕ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ
اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ
وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝۱۸۵ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا
دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶

## ماہِ رمضان کی عظمت وفضیلت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| شَھْرُ | مہینہ | رَمَضَانَ | رمضان کا | الَّذِیْٓ | (وہ ہے کہ) جو |
| اُنْزِلَ | نازل کیا گیا | فِیْہِ | اس میں | الْقُرْاٰنُ | قرآن |
| ھُدًی | ہدایت ہے | لِّلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | وَبَیِّنٰتٍ | اور واضح دلیلیں |
| مِّنَ الْھُدٰی | ہدایت کی | وَالْفُرْقَانِ | اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی | | |
| فَمَنْ | پس جو | شَھِدَ | پائے | مِنْکُمُ | تم میں سے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| الشَّهۡرَ | (اس) مہینہ کو | فَلۡيَصُمۡهُ | تو چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے | | |
| وَمَنۡ | اور جو شخص | كَانَ | ہو | مَرِيۡضًا | بیمار |
| اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ | یا سفر پر | فَعِدَّةٌ | تو گنتی پوری کرے | | |
| مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ | دوسرے دنوں سے | يُرِيۡدُ | چاہتا ہے | | |
| اللّٰهُ | اللہ | بِكُمُ | تمہارے لئے | الۡيُسۡرَ | آسانی |
| وَلَا يُرِيۡدُ | اور نہیں وہ چاہتا | بِكُمُ | تمہارے لیے | | |
| الۡعُسۡرَ | تنگی | وَلِتُكۡمِلُوا | اور تاکہ تم پوری کرو | | |
| الۡعِدَّةَ | گنتی | وَلِتُكَبِّرُوا | اور تاکہ تم بڑائی (بیان) کرو | | |
| اللّٰهَ | اللہ کی | عَلٰى مَا | اُس پر کہ جو | هَدٰٮكُمۡ | ہدایت دی اُس نے تمہیں |
| وَلَعَلَّكُمۡ | اور تاکہ تم | تَشۡكُرُوۡنَ | شکر کرو۔(185) | | |

اس آیت میں ماہِ رمضان کی عظمت وفضیلت کا بیان ہے اور اس کی دو اہم ترین فضیلتیں ہیں پہلی یہ کہ اس مہینے میں قرآن اترا اور دوسری یہ کہ روزوں کے لئے اس مہینے کا انتخاب ہوا۔ تمام کتب سماویہ اور اسی طرح قرآن کریم رمضان ہی میں نازل ہوئیں اور قرآن لیلۃ القدر کو سارے کا سارا آسمان دنیا پر نازل کر دیا گیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے حالات کے مطابق آپ پر نازل ہوتا رہا جو سراپا ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب ہے۔ اس آیت سے قرآن اور رمضان کا خصوصی تعلق معلوم ہوا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں جبریل (علیہ السلام) سے قرآن کا دور فرمایا کرتے اور زندگی کے آخری رمضان میں دو بار دور فرمایا۔ مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ رمضان میں بطور خاص قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کریں۔ اسی لیے رمضان میں قیام اللیل کی خصوصی تاکید کی گئی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کرے، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری، کتاب الایمان، باب تطوع قیام رمضان من الایمان) اس مہینے میں قرآن اترنے کے یہ معانی ہیں: (1)......رمضان وہ ہے جس

کی شان وشرافت کے بارے میں قرآن پاک نازل ہوا۔(2)......قرآن کریم کے نازل ہونے کی ابتداء رمضان میں ہوئی۔(تفسیر کبیر، البقرۃ،تحت الآیۃ: ۱۸۵، ۲/ ۲۵۲-۲۵۳)(3)......مکمل قرآن کریم رمضان المبارک کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا اور بیت العزت میں رہا۔(خازن، البقرۃ،تحت الآیۃ: ۱۸۵، ۱/ ۱۲۱) یہ اسی آسمان پر ایک مقام ہے یہاں سے وقتاً فوقتاً حکمت کے مطابق جتنا جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام لاتے رہے اور یہ نزول تیئس سال کے عرصہ میں پورا ہوا۔**عظمت والی چیز سے نسبت کی برکت:** رمضان وہ واحد مہینہ ہے کہ جس کا نام قرآن پاک میں آیا اور قرآن مجید سے نسبت کی وجہ سے ماہِ رمضان کو عظمت وشرافت ملی ۔اس سے معلوم ہوا کہ جس وقت کو کسی شرف وعظمت والی چیز سے نسبت ہو جائے وہ قیامت تک شرف والا ہے ۔اسی لئے جس دن اور گھڑی کو حضور پرنور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ولادت اور معراج سے نسبت ہے وہ عظمت وشرافت والے ہوگئے، جیسے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی روزِ جمعہ پیدائش پر جمعہ کا دن عظمت والا ہو گیا۔(مسلم، کتاب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، ص ۴۲۵) حضرت یحییٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی پیدائش، وصال اور زندہ اٹھائے جانے کے دن پر قرآن میں سلام فرمایا گیا۔اسی طرح حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اپنی پیدائش، وصال اور زندہ اٹھائے جانے کے دن پر سلام فرمانا قرآن میں مذکور ہے۔**وَ الْفُرْقَانِ:** اور حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

## قرآن مجید کی تین شانیں

زیرِ تفسیر آیت میں قرآن مجید کی تین شانیں بیان ہوئیں:(1)...... قرآن ہدایت ہے،(2)......روشن نشانیوں پر مشتمل ہے اور(3)......حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔’’فرقان‘‘ وہ چیز ہے جو حق و باطل کے درمیان اچھی طرح فرق کر دے، دنیا میں جتنی مذہبی کتابیں ہیں، خواہ قرآن مجید نے ان کی تصدیق کی ہو یا نہ کی ہو، وہ انسانی آمیزشوں اور ملاوٹوں کی وجہ سے حق و باطل میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہیں، یہ صرف قرآن ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کے محافظ ہیں اور وہ قیامت تک کھرے کھوٹے اور حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت کا حامل رہے گا۔

قرآن شریف کے 23 نام ہیں اور یہاں قرآن مجید کا دوسرا مشہور نام فرقان ذکر کیا گیا ہے۔ یُرِیْدُ اللہُ بِکُمُ الْیُسْرَ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت ہم پر فرض فرمائی لیکن اپنی رحمت سے ہم پر تنگی نہیں کی بلکہ آسانی فرماتے ہوئے متبادل بھی عطا فرما دیئے۔ روزہ فرض کیا لیکن رکھنے کی طاقت نہ ہو تو بعد میں رکھنے کی اجازت دیدی، بعض صورتوں میں فدیہ کی اجازت دیدی، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر اشارے سے پڑھنے کی اجازت دیدی، ایک مہینہ روزہ کا حکم فرمایا تو گیارہ مہینے دن میں کھانے کی اجازت دیدی اور رمضان میں بھی راتوں کو کھانے کی اجازت دی بلکہ سحری و افطاری کے کھانے پر ثواب کا وعدہ فرمایا۔ گنتی کے چند جانوروں کا گوشت حرام قرار دیا تو ہزاروں جانوروں، پرندوں کا گوشت حلال فرما دیا۔ کاروبار کے چند ایک طریقوں سے منع کیا تو ہزاروں طریقوں کی اجازت بھی عطا فرما دی۔ مرد کو ریشمی کپڑے سے منع کیا تو بیسیوں قسم کے کپڑے پہننے کی اجازت دیدی۔ الغرض یوں غور کریں تو آیت کا معنیٰ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسانی چاہتا ہے اور وہ ہم پر تنگی نہیں چاہتا۔ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ) اس آیت سے علمائے کرام نے روزوں کی تکمیل پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے عید الفطر کا اہتمام اور اس کے لیے جاتے اور واپس آتے ہوئے تکبیرات کا اہتمام اخذ کیا ہے۔ جس کی عملی تفسیر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان رخصتوں اور اللہ کی مہربانیوں کی وجہ سے تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جس نے ہر قسم کے لوگوں کا لحاظ رکھ کر ایسے احکام فرمائے ہیں۔

## ماہ مبارک کا قرآن پاک کے ساتھ خصوصی لگاؤ

ماہِ رمضان اور قرآنِ مجید کا تعلق لازم و ملزوم اور انتہائی گہرا ہے۔ رمضان المبارک کو ”قرآن کا مہینہ“ بھی کہا جاتا ہے، اس ماہ مبارک کو قرآن پاک کے ساتھ بطور یادگار خصوصی لگاؤ ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت ایک عظیم الشان اور اہم عبادت ہونے کے ساتھ پُر کیف و پُر لذت عبادت بھی ہے۔ متعدد آیات اور کئی احادیثِ مبارکہ میں مختلف طریقوں سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی

ترغیب وتاکید کی گئی ہے، اور تلاوتِ قرآن سے بے اعتنائی اور غفلت برتنے پر وعید سنائی گئی ہے۔ دوسری طرف رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کی اور زیادہ اہمیت وفضیلت ہے؛ کیونکہ قرآن پاک کو رمضان کے ساتھ خصوصی تعلق ہے کہ اس کا نزول اسی ماہِ مبارک میں ہوا۔

## سلف صالحین کا طریقہ

ہمارے نیک سلف (یعنی صحابہ، تابعین، اور محدثین) رمضان میں قرآن کی تلاوت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے: امام مالک رحمہ اللہ رمضان میں حدیث کا درس چھوڑ دیتے اور پورا وقت قرآن کی تلاوت میں گزارتے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں ساٹھ مرتبہ قرآن مکمل کرتے (یعنی روزانہ دو مرتبہ ختم کرتے) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رمضان میں ہر رات دن میں ایک ایک قرآن کریم ختم کرتے اور ایک قرآن تراویح میں مکمل فرماتے۔ یہ تمام بزرگوں کے معمولات ہمیں سکھاتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ قرآن کی تلاوت کے لیے سب سے زیادہ موزوں وقت ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ اس مہینہ میں قرآن پاک کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے اگرچہ محض تلاوت منتہائے مقصود نہیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے نصیحت پکڑی جائے اس کے بتلائے ہوئے اصولوں کی پیروی کی جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔

## دعا کرنے کی ترغیب/ قبولیت دعا کی گھڑیاں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاِذَا | اور جب | سَاَلَكَ | آپ سے سوال کریں | عِبَادِیْ | میرے بندے |
| عَنِّیْ | میرے متعلق | فَاِنِّیْ | تو بلاشبہ میں | قَرِیْبٌ | قریب ہوں |
| اُجِیْبُ | میں قبول کرتا ہوں | دَعْوَۃَ | دعا | | |
| الدَّاعِ | دعا کرنے والے کی | اِذَا | جب (بھی) | | |
| دَعَانِ | مجھ سے مانگے | فَلْيَسْتَجِيْبُوْا | پس چاہیے کہ مانیں وہ (بھی) | | |
| لِیْ | میرا حکم | وَلْيُؤْمِنُوْا | اور چاہئے کہ وہ ایمان لائیں | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بِیْ | مجھ پر | لَعَلَّهُمْ | تاکہ وہ | يَرْشُدُوْنَ | وہ ہدایت پائیں۔(186) |

اس آیت سے پہلے اور بعد میں ماہ رمضان کا ذکر ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ رمضان، خصوصاً روزے کی حالت دعا کی قبولیت کا خاص سبب ہے اور پھر افطار کا وقت قبولیت دعا کا وقت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روزے دار کے لیے افطار کے وقت ایک قبول کی جانے والی دعا ہے (یعنی رد نہیں ہوتی)۔“ [ابن ماجہ، الصیام، باب فی الصائم لا ترد دعوتہ: 1753] چنانچہ حدیث کے راوی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب روزہ افطار کرتے تو اپنے اہل و عیال کو بلاتے اور دعا کرتے۔ [مسند أبی داؤد الطیالسی: 2262] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”عِبَادِیْ“ کہہ کر اپنے بندوں پر اپنی خاص رحمت ظاہر کی ہے اور پھر اپنے قریب ہونے کا ذکر کر کے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرے جس میں نہ کوئی گناہ ہو اور نہ قطع رحمی، مگر اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے ایک عطا فرما دیتا ہے، یا تو اس کی دعا جلد قبول کر لیتا ہے، یا آخرت میں اس کا ذخیرہ کر لیتا ہے، یا اس سے اتنی برائی ٹال دیتا ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ”پھر تو ہم بہت دعا کریں گے۔“ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے کہیں زیادہ ہے۔“ [مسند أحمد: 18/3، ح: 1139۔ صحیح]

(فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ) دعا کی قبولیت کے سلسلے میں دو حکم دیے، ایک تو یہ کہ ان پر بھی لازم ہے کہ وہ میری بات مانیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتا تو خواہ وہ دعویٰ کرتا رہے مگر (توبہ کے بغیر) اس کے دل میں اللہ کی رحمت کی امید کا چراغ روشن نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا، جو طویل سفر کرتا ہے، بکھرے ہوئے بالوں والا ہے، غبار سے بھرا ہوا ہے، وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) ”یارب! یارب!“ حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور وہ حرام غذا کے ساتھ پلا بڑھا ہے تو اس کی دعا کیسے قبول کی جائے؟ [مسلم، الزکوٰۃ، باب

قبول الصدقة ۔ :1015 ] دوسرا حکم یہ کہ مجھ پر ایمان لائیں اور یقین رکھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے، جب تک کہ کوئی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے، بشرطیکہ جلدی بھی نہ کرے۔" پوچھا گیا: "یارسول اللہ! وہ جلدی کیا ہے؟" فرمایا: "یہ کہ کوئی کہے کہ میں نے دعا کی اور میں نے (دوبارہ) دعا کی تو میں نے نہیں دیکھا کہ وہ میری دعا قبول کرتا ہو، سو اس وقت وہ تھک ہار کر رہ جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔" (مسلم، الذکر والدعاء: 92/2735)

## دعا کی قبولیت رزق حلال کے ساتھ مشروط

دعا کی قبولیت کے ضمن میں دو باتیں بڑی اہم ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ دعا کی قبولیت رزق حلال کے ساتھ مشروط ہے، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد گرامی ہے کہ حلال رزق کھاؤ گے تو دعا قبول ہوگی ،دوسری چیز یہ ہے کہ دل کی پوری توجہ ساتھ ہونی چاہیے حدیث شریف کا مفہوم ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسی دعا کو قبول فرماتے ہیں کہ جو عاجزی کے ساتھ دل کی گہرائیوں اور پوری توجہ کے ساتھ کی گئی ہو، جو غافل ہے لہو لعب میں مشغول ہے، اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی، نیز یہ بھی آتا ہے کہ دعا جب پورے یقین کے ساتھ کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے۔ الغرض! قبولیت دعا کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جب دعا مصلحت خداوندی کے مطابق ہوتی ہے، تو وہ فوراً قبول کرلی جاتی ہے اور بندہ کو اسکی مطلوبہ چیز دے دی جاتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مطلوبہ شئے تو بندہ کو نہیں ملتی مگر اس دعا کی برکت سے بندہ پر نازل ہونے والی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ جب بندہ کی دعا نکلتی ہے، تو وہ آنے والی مصیبت کے ساتھ ٹکراتی ہے، اور وہ اسے نیچے نہیں آنے دیتی حتیٰ کہ صور اسرافیل پھونکا جائے۔ فرمایا دعا کی قبولیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اسے دعا کرنے والے کے لیے ذخیرہ آخرت بنا کر رکھ دیا جاتا ہے، قیامت کے دن دعا گو کو پتہ چلے گا کہ دعاؤں کے کتنے ذخیرہ اس کے لیے موجود ہیں۔ اس دن بندہ خواہش کرے گا، کاش کہ دنیا میں اس کی کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی اور وہ سب کو سب اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ ہی بن جاتی۔ فرمایا جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں تو قریب ہوں میں ہر پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔

# سابقہ لغزش کی معافی / اعتکاف فی المساجد
# اور چند مسائل حفاظت حدود شرعیہ/ اکل حلال

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ
لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ
فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ
الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا
تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۱۸۷ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۱۸۸

## میاں بیوی کا ازدواجی تعلق تمہارے لئے حلال کر دیا گیا

| | | | |
|---|---|---|---|
| اُحِلَّ | حلال کر دیا گیا | لَكُمْ | تمہارے لیے |
| لَيْلَةَ الصِّيَامِ | روزے کی رات کو | الرَّفَثُ | صحبت کرنا |
| اِلٰى نِسَآئِكُمْ | اپنی عورتوں کے ساتھ | هُنَّ | وہ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| لِبَاسٌ | لباس ہیں | لَّكُمْ | تمہارے لیے | وَاَنْتُمْ | اور تم |
| لِبَاسٌ | لباس ہو | لَّهُنَّ | ان کے لیے | عَلِمَ | جان لیا |
| اللّٰهُ | اللہ نے | اَنَّكُمْ | کہ بیشک تم | كُنْتُمْ | تھے |
| تَخْتَانُوْنَ | خیانت کرتے | اَنْفُسَكُمْ | اپنے نفسوں کی | | |
| فَتَابَ | پس اُس نے توجہ فرمائی | عَلَيْكُمْ | تم پر | | |
| وَعَفَا | اور معاف کر دیا | عَنْكُمْ | تمہیں | فَالْـٰٔنَ | لٰہذا اب |
| بَاشِرُوْهُنَّ | مباشرت کرو اُن سے | وَابْتَغُوْا | اور تلاش کرو | | |
| مَا | اُس کو جو | كَتَبَ | لکھ دیا ہے | اللّٰهُ | اللہ نے |
| لَكُمْ | تمہارے لیے | وَكُلُوْا | اور تم کھاؤ | وَاشْرَبُوْا | اور پیو |
| حَتّٰى | یہاں تک کہ | يَتَبَيَّنَ | واضح ہو جائے | لَكُمُ | تمہارے لیے |
| الْخَيْطُ | دھاری | الْاَبْيَضُ | سفید | مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ | سیاہ دھاری سے |
| مِنَ الْفَجْرِ | فجر کی | ثُمَّ | پھر | اَتِمُّوا | تم پورا کرو |
| الصِّيَامَ | روزے کو | اِلَى الَّيْلِ | رات تک | وَلَا | اور نہ |
| تُبَاشِرُوْهُنَّ | مباشرت کرو تم اُن (عورتوں) سے | وَاَنْتُمْ | جبکہ تم | | |
| عٰكِفُوْنَ | اعتکاف کرنیوالے ہو | فِي الْمَسٰجِدِ | مسجدوں میں | | |
| تِلْكَ | یہ | حُدُوْدُ | حدیں ہیں | اللّٰهِ | اللہ کی |
| فَلَا | پس نہ | تَقْرَبُوْهَا | اس کے قریب جاؤ | كَذٰلِكَ | اسی طرح |
| يُبَيِّنُ | بیان کرتا ہے | اللّٰهُ | اللہ | اٰيٰتِهٖ | اپنی آیتیں |
| لِلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | لَعَلَّهُمْ | شاید کہ وہ | | |
| يَتَّقُوْنَ | متقی بنیں۔(187) | | | | |

اُحِلَّ لَکُمْ : تمہارے لئے حلال کر دیا گیا۔شانِ نزول: شرعِ اسلام میں افطار کے بعد کھانا پینا، جماع کرنا نمازِ عشاء تک حلال تھا، نمازِ عشاء کا وقت شروع ہونے کے بعد یہ سب چیزیں بھی حرام ہو جاتی تھیں، یونہی سونے کے بعد بھی یہ چیزیں حرام ہو جاتی تھیں اگرچہ ابھی عشاء کا وقت شروع نہ ہوا ہو۔ بعض صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے رمضان کی راتوں میں ہم بستری کا فعل سرزد ہوا۔ اس پر وہ حضرات نادم ہوئے اور بارگاہِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ میں صورتِ حال عرض کی تو آیت اتری۔(جلالین وصاوی، البقرۃ، تحت الآیۃ:۱۸۷، ۱ / ۱۵۶، ۱۵۷) اور فرمادیا گیا کہ آئندہ تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا نیز اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے رہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرمادیا اور آئندہ کیلئے اجازت بھی عطا فرمادی۔ آیت میں خیانت سے وہ ہم بستری مراد ہے جو اجازت سے پہلے رمضان کی راتوں میں مسلمانوں سے سرزد ہوئی تھی۔ روزہ فرض ہونے کے بعد شروع میں بعض احکام میں سختی تھی، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ رات میں بھی میاں بیوی کا ازدواجی تعلق ممنوع تھا، پھر اس آیت کے ذریعہ شب میں کھانے پینے کی طرح بیوی سے ہم بستری کی اجازت بھی دے دی گئی،(بخاری، باب اُحل لکم الخ، حدیث نمبر:۴۵۰۸) اس سے اسلام کا اعتدال وتوازن بھی نمایاں ہے، بعض مذاہب میں مرد وعورت کے صنفی تعلق کو اللہ کی قربت اور دینداری و پاکیزگی کے منافی سمجھا گیا ہے، عیسائی دنیا میں رہبانیت کے غلبہ نے کیسے فتنے جگائے ہیں، اس کی پوری تاریخ ہے؛ اسلام نے صرف ناجائز تعلق کو منع کیا، جائز اور قانونی تعلق کی نہ صرف اجازت دی؛ بلکہ حوصلہ افزائی کی؛ کیوں کہ قدرت نے اس سے نسل انسانی کی افزائش کو متعلق رکھا ہے۔

## میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ؕ یعنی میاں بیوی ایک دوسرے سے لباس کی طرح مل جاتے ہیں، انھیں جدا رکھنا یقیناً ان پر شاق ہوگا، اس لیے انھیں رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت دے دی گئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ

نہیں، لباس سے بڑھ کر انسان کا کوئی راز دار نہیں ہوتا، انسان کا پورا وجود لباس کے سامنے بے لباس ہوتا ہے اور یہی لباس ہے! جو سردی و گرمی سے انسان کی حفاظت کرتا ہے، میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس کہہ کر اس طرف اشارہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے راز کا امین اور مشکل وقتوں میں ایک دوسرے کا محافظ و مددگار ہونا چاہیئے

وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کو طلب کرنے سے مراد یا تو یہ ہے کہ عورتوں سے ہم بستری اولاد حاصل کرنے کی نیت سے ہونی چاہیے جس سے مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ ہو اور دین قوی ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد شرعی طریقے کے مطابق یہ فعل کرنا ہے۔ اس سے صحبت کی لذت کے ساتھ ساتھ پاک دامنی کا حصول اور اولاد کی طلب مراد ہے۔ کفار کی خواہش کے مطابق مسلمانوں کا اولاد کی کثرت سے اجتناب جائز نہیں۔ یعنی بیوی سے تمہارا تعلق محض شہوت پوری کرنے کے لئے نہ ہو، کہ یہ تو حیوانات بھی کرتے ہیں؛ بلکہ نیت اولاد کے حصول کی ہونی چاہئے، کیوں کہ قدرت نے انسان کے اندر جو جنسی داعیہ رکھا ہے، اس کا مقصود ہی نسل انسانی کی افزائش ہے۔

## اس آیت کا شان نزول

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا: اور کھاؤ اور پیو۔ یہ آیت حضرت صرمہ بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ محنتی آدمی تھے، ایک دن روزے کی حالت میں دن بھر اپنی زمین میں کام کر کے شام کو گھر آئے، بیوی سے کھانا مانگا، وہ پکانے میں مصروف ہوگئیں اور یہ تھکے ہوئے تھے اس لئے ان کی آنکھ لگ گئی، جب بیوی نے کھانا تیار کر کے انہیں بیدار کیا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ اس زمانہ میں سو جانے کے بعد روزہ دار پر کھانا پینا ممنوع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دوسرا روزہ رکھ لیا جس سے کمزوری انتہا کو پہنچ گئی اور دوپہر کے وقت بیہوش ہو گئے۔ تاجدار رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں ان کا حال بیان کیا گیا تو ان کے بارے میں

یہ آیت نازل ہوئی۔

## قرآن سمجھنے کیلئے حدیث کا علم بھی ضروری ہے

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ سے صبح صادق، اور الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے (ابن کثیر) فجر کے سفید دھاگے سے مراد صبح صادق ہے۔ اس "سفید دھاگے" اور "سیاہ دھاگے" کے سمجھنے میں بعض صحابہ علیہم الرضوان کو غلط فہمی ہوگئی۔ انھوں نے سرہانے کے ساتھ سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا رکھ لیا اور اس کے واضح ہونے کا انتظار کرتے رہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس سے مراد رات کی سیاہی سے صبح کی سفیدی واضح ہونا ہے۔" [بخاری] معلوم ہوا کہ قرآن سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ حدیث بھی ضروری ہے۔ یعنی صبح صادق تک کھانے پینے اور میاں بیوی کے مخصوص تعلق کی اجازت ہے، صبح ہوتے ہی روزہ شروع کر دینا ہے، احتیاط یہ ہے کہ چند منٹ پہلے ہی آدمی ان باتوں سے رک جائے؛ تا کہ روزہ کا ادا ہونا مشکوک نہ ہو جائے، صبح ہونے کے بعد جان بوجھ کر ایک لقمہ بھی کھالے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور کفارہ واجب ہو جائے گا، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے؛ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۲/ ۲۱۴) کیوں کہ خود قرآن مجید نے ابتداءِ روزہ کا وقت مقرر کر دیا ہے اور آگے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی قائم کی ہوئی سرحدیں ہیں، ان کے آگے بڑھنا درست نہیں۔ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ اس میں بیان ہے کہ رمضان کی راتوں میں روزہ دار کے لیے بیوی سے ہم بستری حلال ہے جبکہ وہ معتکف نہ ہو لیکن اعتکاف میں عورتوں سے میاں بیوی والے تعلقات حرام ہیں۔ رمضان سے چونکہ اعتکاف کا خاص تعلق ہے، اس لیے یہاں اعتکاف کے احکام کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اعتکاف کا معنی اپنے آپ کو کسی کے ساتھ یا کسی جگہ روک کر رکھنا ہے۔ (راغب) اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کسی بھی مسجد میں کیا جا سکتا ہے، مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ یا جامع مسجد کی تخصیص نہیں؛ کیوں کہ قرآن مجید نے کسی خاص مسجد کی تخصیص نہیں کی ہے؛ بلکہ اس کو عام رکھا ہے، اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اعتکاف کی حالت میں رات میں بھی بیوی سے ہم بستر ہونا یا کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرنا جو جنسی

نوعیت کا ہو، جیسے بوسہ، شہوت کے ساتھ مساس وغیرہ جائز نہیں، اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے؛ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۷۲۰/۲) البتہ بیوی سے ملاقات میں حرج نہیں، آپ ﷺ معتکف تھے، اسی حال میں حضرت صفیہؓ آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے مسجد تشریف لے گئیں، صحیح احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ (بخاری، باب زیارۃ المرأۃ، حدیث نمبر: ۲۰۳۸)

## اعتکاف کے چند مسائل

(1)......مردوں کے اعتکاف کے لیے باقاعدہ شرعی مسجد ضروری ہے۔ (2)...... معتکف کو مسجد میں کھانا، پینا، سونا جائز ہے۔ (3)......عورتوں کا اعتکاف ان کے گھروں میں مسجدِ بیت میں جائز ہے اور فی زمانہ انہیں مسجدوں میں اعتکاف کی اجازت نہیں۔ (4)......واجب اور سنت اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔ نفلی اعتکاف میں روزہ ضروری نہیں اور نفلی اعتکاف چند منٹ کا بھی ہوسکتا ہے۔ جب مسجد میں جائیں، نفلی اعتکاف کی نیت کرلیں۔ (5)......واجب و سنت اعتکاف میں ایک لمحے کیلئے بلا اجازتِ شرعی مسجد سے نکلے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ **تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا**: یہ کام اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں، ان کی سختی سے پابندی کرو۔ (ابن کثیر) ایسے ہی احکام سے فقہاء نے یہ اُصول اخذ کیا ہے کہ جیسے گناہ سے بچنا واجب ہے؛ اسی طرح ان کاموں سے بھی اجتناب واجب ہے جو خود جائز ہوں؛ لیکن وہ گناہ تک لے جانے کا ذریعہ بن سکتے ہوں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو حرام کیا ہے، ان کے قریب بھی جانے کو منع فرمادیا ہے۔

## کسی کا مال ناحق کھانے کی وعید

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا | اور نہ | تَاْكُلُوْٓا | تم کھاؤ | اَمْوَالَكُمْ | اپنے مال |
| بَيْنَكُمْ | آپس میں | بِالْبَاطِلِ | ناجائز طریقے سے | | |
| وَتُدْلُوْا | اور (نہ) تم لے جاؤ | بِهَآ | اُن کو | | |
| اِلَى الْحُكَّامِ | حاکموں تک | لِتَاْكُلُوْا | تاکہ تم کھاؤ | | |
| فَرِيْقًا | کچھ حصہ | مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ | لوگوں کے مالوں سے | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| بِالْاِثْمِ | گناہ کے ساتھ | وَاَنْتُمْ | حالانکہ تم |
| تَعْلَمُوْنَ | جانتے ہو۔(188) | | |

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ: اورآپس میں ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤ۔اس آیت میں باطل طور پرکسی کامال کھاناحرام فرمایاگیاخواہ لوٹ کرہویاچھین کر،چوری سے یا جوئے سے یاحرام تماشوں یاحرام کاموں یاحرام چیزوں کے بدلے یارشوت یاجھوٹی گواہی سے یہ سب ممنوع وحرام ہے۔(احکام القرآن،باب مایحلہ حکم الحاکم ومالا یحلہ،۱/ ۳۰۴)اس سے معلوم ہواکہ ناجائز فائدہ کے لیےکسی پرمقدمہ بنانااوراس کوحکام تک لے جاناناجائزوحرام ہے۔اسی طرح اپنے فائدہ کی غرض سے دوسرے کوضرر پہنچانے کے لیے حکام پراثر ڈالنا،رشوتیں دیناحرام ہے حکام تک رسائی رکھنے والےلوگ اس آیت کے حکم کوپیش نظررکھیں۔حضرت ابوبکرصدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سےروایت ہے،نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نےارشادفرمایا:”وہ شخص ملعون ہے جواپنےمسلمان بھائی کونقصان پہنچائے یااس کےساتھ دھوکہ کرے۔(تاریخ بغداد،باب محمد، محمد بن احمد بن محمد بن جابر/ ۳۶۰،رقم: ۲۶۲)یہ بھی معلوم ہواکہ جھوٹی گواہی،جھوٹی وکالت،جھوٹے مقدمہ کی پیروی وکوشش کی اجرتیں حرام ہیں۔

اس آیت میں حرام مال کھانے سےمنع کیاگیاہےاوراس میں یہ لطیف نکتہ پوشیدہ ہےکہ روزہ کی حالت میں توحلال چیزبھی اتنے وقت کے لیےحرام ہوجاتی ہے،مگرحرام مال تومدت العمریعنی ہمیشہ کے لیےحرام ہے،گویاایک مسلمان حرام مال کی طرف سےساری عمرکے لیےروزے دارہے وہ اس کے قریب کیسے جاسکتاہے۔ایک حدیث شریف میں ہے:”کسی مسلمان کامال بغیراس کی دلی رضامندی کےکسی کے لیےحلال نہیں“،لہٰذادنیاکےعارضی فائدے کے لیےاپنی آخرت کا نقصان کرناکسی عقلمند شخص کاکام نہیں۔اللہ تعالی ہمارے لئے قرآن مجیدکوبابرکت بنائے اوراس کی آیتوں اورنصیحتوں کوہمارے لئے مفید بنائے۔آمین

# شریعت میں سورج اور چاند کی گردش کا اعتبار
# ہجری کیلنڈر اہمیت، ضرورت، تقاضے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا
الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

## چاند کی حقیقت اور روزہ کی ابتداء وانتہا

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یَسْـَٔلُوْنَكَ | وہ آپ سے سوال کرتے ہیں | عَنِ الْاَهِلَّةِ | چاند کے متعلق | | |
| قُلْ | آپ کہہ دیں | هِیَ | وہ | مَوَاقِیْتُ | اوقات مقررہ ہیں |
| لِلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | وَالْحَجِّ | اور حج (کے لئے) | | |
| وَلَیْسَ | اور نہیں ہے | الْبِرُّ | نیکی | بِاَنْ | یہ کہ |
| تَاْتُوا | تم آؤ | الْبُیُوْتَ | (اپنے) گھروں میں | | |
| مِنْ ظُهُوْرِهَا | ان کی پشت سے | وَلٰكِنَّ | اور لیکن | | |
| الْبِرَّ | نیکی تو (اُس کی) ہے | مَنِ اتَّقٰی | جو پرہیزگاری کرے | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَاۡتُوا | اور تم آؤ | الۡبُیُوۡتَ | (اپنے) گھروں میں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| مِنۡ اَبۡوَابِهَا | ان کے دروازوں سے | وَاتَّقُوا | اور تم ڈرو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اللّٰهَ | اللہ سے | لَعَلَّكُمۡ | تاکہ تم | تُفۡلِحُوۡنَ | کامیابی حاصل کرو۔(189) |

اس آیت کریمہ میں چاند کی حقیقت کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ مختلف امور کی ادائیگی کے لیے اور خاص طور پر حج کے لیے اوقات کا تعین ہوتا ہے، عبادت ہی کو لے لیں، نماز کی ادائیگی کے لیے اوقات مقرر ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنی ہو، تو سال کا تعین کرنا ہوگا، روزہ کے لیے چاند کے اوقات کی ضرورت پڑیگی کہ اس کی ابتداء اور انتہاء چاند کے نکلنے پر ہی منحصر ہے اور پھر ارکان اسلام میں سے حج چوتھا رکن ہے۔ یہ بھی مقررہ مہینہ کے مقررہ ایام میں ہی ادا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کی عدت کے تعین کے لیے بھی چاند کا حساب ہی لینا پڑتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں تمہارے لیے بہت سے فوائد ہیں۔

## چاند کی گردش اور سورج کی گردش

ایک نظام دنیا میں سورج کی گردش کے حساب سے چلتا ہے، ایک چاند کی گردش کے حساب سے۔ سورج کی گردش والا سال ''شمسی سال'' کہلاتا ہے، جنوری، فروری، مارچ، اپریل مئی وغیرہ۔ اور ایک ''قمری سال'' کہلاتا ہے محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ۔ ہماری عبادات میں، شرعی معاملات میں سورج کی گردش کا اعتبار بھی ہے اور چاند کی گردش کا اعتبار بھی ہے۔ ہمارے ہاں شریعت میں دنوں کا تعین چاند سے ہوتا ہے، اوقات کا تعین سورج سے ہوتا ہے۔ ہم جب ایام طے کرتے ہیں، یہ شب برأت ہے، یہ شب معراج ہے، یہ شب قدر ہے، یہ ایام بیض ہیں، اور یہ ایام حج ہیں۔ تو ایام جب طے کرتے ہیں کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے، یہ محرم کا مہینہ ہے، یہ عاشورہ ہے، ایام اور مہینے جب طے کرتے ہیں تو ان میں اعتبار ہوتا ہے چاند کا۔ لیکن جب اوقات طے کرتے ہیں تو ان میں اعتبار ہوتا ہے سورج کا۔ روزے کے دن کا تعین چاند سے کریں گے، یہ پہلا روزہ ہے، یہ ستائیسواں ہے، یہ انتیسواں ہے، اس کا تعلق چاند سے ہے۔ لیکن روزے کا وقت جو طے کریں گے تو

اس کا تعلق سورج سے ہے۔طلوعِ فجر،غروبِ آفتاب۔طلوعِ فجر سورج کے طلوع سے پہلے ہوگی،اور غروبِ آفتاب سورج کا غروب ہے۔

## اعمال اور اوقات میں سورج کی گردش کا کردار

ہمارے روزے کے دورانیہ کا تعین بھی سورج کی گردش سے ہے۔حج کے ایام کا بھی یہی حال ہے۔حج کے ایام طے کریں گے چاند سے،آج یوم الترویہ ہے،آج یوم الحج ہے،آج یوم الاضحیٰ ہے۔لیکن حج کے اوقات اور اعمال کا تعین سورج سے ہے۔رمی کس وقت کرنی ہے،مزدلفہ کب جانا ہے،عرفات سے کب آنا ہے۔ہم نمازوں کے اوقات بھی سورج کی گردش سے طے کرتے ہیں۔فجر کس وقت ہے،ظہر کس وقت ہے،عصر کس وقت ہے،مغرب کس وقت ہے،عشاء کس وقت ہے۔ساری نمازوں کے اوقات کا تعلق سورج کی گردش سے ہے۔سورج کے آگے آگے سورج کے پیچھے پیچھے۔سورج کا دورانیہ بڑھ جائے گا تو نمازوں میں وقفہ زیادہ ہو جائے گا،سورج کا دورانیہ کم ہوگا تو نمازوں میں وقفہ کم ہو جائے گا۔ہمارے ہاں یہ نہیں ہے کہ ہم سورج کی گردش کو نہیں مانتے،ہم تو روزمرہ اسی کو مانتے ہیں۔ہمارے اعمال اور اوقات سورج کی گردش کے حساب سے چلتے ہیں،اور ایام اور مہینے چاند کی گردش کے اعتبار سے چلتے ہیں۔البتہ چاند کا مہینہ چھوٹا ہے سورج کے مہینے سے،دس دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔

## ایام کا تعلق چاند سے کرنے کی حکمتیں

اس میں بہت سی حکمتیں مفسرین بیان فرماتے ہیں۔ایک حکمت یہ ہے۔یعنی ایام کا تعلق چاند سے کرنے کی حکمتیں کیا ہیں،ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ چاند کا مہینہ ہر تین سال کے بعد (سورج کا) مہینہ بدل لیتا ہے۔پیچھے آتا رہتا ہے۔اور (سورج کے) تینتیس سال میں چاند کا مہینہ چاروں موسموں میں،جہاں چار موسم ہوتے ہیں،گردش پوری کر لیتا ہے۔اگر ایک مسلمان بالغ ہونے کے بعد طبعی عمر کو پہنچنے تک،یعنی اس کو تیس پینتیس سال مل جائیں،تو وہ سال کے ہر موسم کے روزے رکھ لیتا ہے۔ٹھنڈے روزے بھی مل جاتے ہیں،گرم روزے بھی مل جاتے ہیں،لمبے

روزے بھی مل جاتے ہیں، درمیانے بھی مل جاتے ہیں، چھوٹے بھی مل جاتے ہیں۔گویا پورا سال روزے رکھے ہیں اس نے۔ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں۔ضمناً ایک بات عرض کر دیتا ہوں۔ فقہاء مسئلہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں جب ہم حساب کرتے ہیں تو چاند کے حساب سے کرنی چاہیے۔زکوٰۃ میں سال کب مکمل ہوگا، کب زکوٰۃ دینی ہے، اس کا حساب چاند کے مہینوں کے حساب سے کرنا چاہیے، شرعاًیہ ضروری ہے۔ورنہ تینتیس سال میں ایک سال کی زکوٰۃ رہ جائے گئی۔اگر کوئی آدمی سالانہ زکوٰۃ جنوری فروری کے حساب سے دیتا ہے تو تینتیس سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ رہ جائے گی، کیونکہ یہ (سورج کے سال) تینتیس ہوں گے اور وہ (چاند کے سال) چونتیس ہوں گے

## ''تقویم'' (کیلنڈر) ایک قومی، سماجی اور انسانی ضرورت

''تقویم'' (کیلنڈر) ایک قومی، سماجی اور انسانی ضرورت ہے۔تاریخ محفوظ رکھنے کے لیے، واقعات مرتب کرنے کے لیے، لائحہ عمل طے کرنے کے لیے، بیشتر دینی و شرعی مسائل کا لزوم معلوم کرنے کے لیے اور زندگی سے جڑی ہر یاد کو دوام بخشنے کے لیے تقویم کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ تقویم، انسان کے لیے ضبطِ اوقات کا ایک ناگزیر پیمانہ اور منصوبہ بندی کا اہم ترین معیار رہے؛ اسی لیے زمانۂ قدیم سے انسان ایام وماہ وسال کو یاد رکھنے کا ضرورت مند رہا ہے اور آج بھی ہے۔اس تقویم کی بنیاد منشائے الٰہی کے عین مطابق چاند پر ہے اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے سن وسال کی تعیین کا ذریعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ سورہ یونس، آیت: ۵ ر میں ارشادِ الٰہی ہے ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سورج کو ضیاء وروشنی اور چاند کو اجالے اور چاندنی کے لیے بنایا ہے اور چاند کی منزلیں مقرر فرمائیں، تاکہ اس کے ذریعے تم سالوں کی تعداد اور حساب وکتاب معلوم کر سکو'' اسی ہجری کیلنڈر کے ۱۲ ر مہینے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ، آیت ۳۶ میں یہی فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان بنائے ہیں، اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہیں'' اس آیت سے اور پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ سال کے ۱۲ ر ماہ اور ہر ماہ کے آغاز اور تاریخ کا پتہ چلانے کا ربانی ذریعہ چاند (ہلال) ہے تمام شرعی امور مثلاً رمضان، حج، یومِ عرفہ، ایامِ تشریق اور ایامِ بیض چاند ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

غرض اس ہجری، قمری اور اسلامی تقویم کی بنیاد اِسی فطری اور قدرتی نظام پر قائم ہے، جس کے واضح اشارے قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

## سنہ ہجری کی ابتداء کیسے ہوئی؟

عہد فاروقی تک سرکاری مراسلات میں صحیح اور مکمل تاریخ کا اندراج لازمی نہ سمجھا جاتا تھا جسے ایک طرح کی دفتری خامی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اس خامی کا علاج حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ بلا کر کر دیا۔ سنہ ہجری کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ ''الفاروق'' میں لکھتے ہیں: ۲۱ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی، جس پر صرف شعبان کا لفظ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ؟ اسی وقت مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور ہجری تقویم کے مختلف پہلو زیر بحث آئے جن میں سے ایک بنیادی پہلو یہ بھی تھا کہ کون سے واقعہ سے سن کا آغاز ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۸ ربیع الاوّل کو ہجرت فرمائی تھی۔ چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے؛ لہٰذا دو مہینے ۸ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سن ہجری قائم کیا گیا۔ اس طرح اس سن کا آغاز یکم محرم الحرام بروز جمعۃ المبارک ۱ھ مطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء سے ہوا، یہ سن فطری اور حقیقی ہے۔

## تاریخ انسانی کا قابل ذکر باب

ہجری تقویم دنیا کے رائج سنین اور تقویموں میں ایک بہت ہی معروف و مشہور تقویم ہے۔ اس کا نقطۂ آغاز دنیا کی عظیم ہستی اور اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہم ترین سفر ہجرت ہے۔ جو حکم الٰہی کی تعمیل کے ساتھ ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا درخشاں عنوان اور تاریخ انسانی کا قابل ذکر باب ہے؛ بل کہ ہجرت، اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے، کفر و ایمان کی کشمکش، حق و باطل کی آویزش اور اسلامی انقلاب کی جدو جہد میں ہجرت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ہجرت ایک اہم ترین عبادت، انبیاء کرام کی سنت، دعوت دین کی شاہ راہ اور کامیابی وظفر مندی کی دلیل ہے۔

## اسلامی انقلاب کی طرف ایک اہم پیش رفت

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تقویم کے لیے ہجرت کا انتخاب کیوں کیا؟ جو بظاہر درماندگی، شکست اور مجبوری میں کیا گیا اقدام ہے۔ انھوں نے دیگر قوموں کی طرح فتح وظفر کو مبداء تاریخ کیوں نہیں بنایا؟ اس سلسلہ میں ایک معروف اسلامی اسکالر رقم طراز ہیں کہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم اسلامی تحریک کی جدو جہد میں واقعہ ہجرت بظاہر تو ایک ناخوشگوار واقعہ ہے؛ لیکن حقیقتاً یہ اسلامی انقلاب کی طرف ایک اہم پیش رفت ہے۔ مسلمانوں نے اسی لیے اپنی تقویم کو کسی شخصیت، خاندان یا قوم کی طرف نسبت دینے کے بجائے ایک نظریہ کی جدو جہد کے مخصوص مرحلے سے نسبت دی ہے۔ مسلمانوں کا سنہ، سنہ ہجری ہے جو ہجرت کے واقعہ سے شروع ہوتا ہے چناں چہ ہر دفعہ جب مسلمان اپنے سالِ نو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ عظیم ترین اسلامی تاریخ کی بھرپور جدو جہد کے لیے ایک ایسے مرحلے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب وہ کسمپرسی اور جبر وتشدد کے ماحول سے نکل کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کے مرحلے میں قدم رکھ رہے تھے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ ہجرت کی تاریخ نئے سال کی یکم تاریخ کے ساتھ اس طرح منطبق ہوگئی کہ ہجرت ہی مسلمانوں کے لیے سال نو کا موضوع بن کر رہ گئی ہے۔ بلاشبہ ہجرت مدینہ کا واقعہ اپنی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے فتح مکہ سے کسی صورت کم نہیں ہے؛ بلکہ شاید کچھ زائد ہی ہے۔ جس روز ہجرت کر کے مکہ چھوڑا جا رہا تھا، اسی روز تاریخ کے ایوان میں مکہ کی فتح کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا۔'' (ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید اسعد گیلانی ؒ، نقوش سیرت نمبر ج ۸، ص ۲۵۰-۲۵۱) مختصر یہ کہ ہجری کیلنڈر کا اسلام اور مسلمانوں سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے، اس کی ترویج واشاعت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ قرون اولی کے مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں نے اسے اولین انتخاب کے طور پر استعمال کیا ہے؛ لیکن افسوس صد افسوس کہ بعد کے زمانوں میں خود ہماری بے شعوری، لاپرواہی اور تساہل کے سبب اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہ سکی جو قرون اولیٰ میں اسے حاصل تھی۔ نیز امت کی سیادت وخلافت سے محرومی اور سیاسی وتعلیمی زوال بھی اس کی ایک بنیادی وجہ ہے، کیوں کہ جب کوئی قوم کسی خطہ میں غلبہ پاتی ہے تو وہاں کے باشندوں پر

اپنی تہذیبی و معاشرتی بلکہ ہر طرح کے اثرات چھوڑتی ہے۔

## اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلامی تقویم ہجری کے استعمال کی عادت ڈالیں، اپنے روز مرہ کے استعمال میں اس تقویم کو مدنظر رکھیں، اگر چہ! دوسری تقویمات، تاریخوں اور کیلنڈروں کا استعمال گناہ نہیں ہے، شرعاً اس کے اختیار کرنے میں بھی ممانعت نہیں ہے؛ لیکن شمسی تقویم کا ایسا استعمال کہ ہم اسلامی تقویم کو بالکلیہ بھلا بیٹھیں! یہ کسی طرح درست نہیں، اس لیے کہ اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے اور اس کے استعمال میں ثواب ہے، جس سے محروم نہیں ہونا چاہیے، نیز! اپنی شناخت اور اپنے امتیاز کو باقی رکھنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں اس کی بہتر شکل یہ ہے کہ ہم قمری تاریخ کے استعمال کو ترجیحی بنیادوں پر دوسری تقویم کے مقابلے میں استعمال کریں، خدانخواستہ اگر سب مسلمان اسلامی تقویم ہجری کو چھوڑ بیٹھیں اور بھلا دیں تو سب کے سب اللہ کے ہاں مجرم ٹھہریں گے، اس لیے کہ اسلام کی بہت ساری عبادات کا تعلق و ربط اسی تقویم کے ساتھ ہے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں لکھتے ہیں: ''البتہ چوں کہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قِمری پر ہے، اس لیے اس کی حفاظت ''فرض علی الکفایہ'' ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالے، جس سے حساب قِمری ضائع ہو جائے، تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے؛ لیکن خلافِ سنتِ سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اُس کے فرض کفایہ ہونے کے لَا بُدَّ افضل واحسن ہے''۔ (بیان القرآن) (لَا بُدَّ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''ضروری، ناگزیر، یالازمی''۔ جبکہ افضل (سب سے بہتر) اور احسن (انتہائی خوبصورت وعمدہ) ہیں۔) بہر صورت علمائے امت فرماتے ہیں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ تقویم چاند کے حساب سے رکھیں اگر مسلمان اس حساب کو ترک کریں گے تو گناہ گار ہوں گے، بیشک سورج کی تقویم بھی

رکھیں، اس میں ممانعت نہیں ہے، مگر چاند کے حساب کو بھی ضرور اپنے روزمرہ کے امور میں جاری رکھیں، خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں مہینوں کی ترتیب اور اُن کے نام جو معروف ہیں، وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن آسمان وزمین پیدا کیے، اُسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور اُن کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرما دیئے تھے، اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکامِ شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اِسی قمری حساب پر تمام احکامِ شرعیہ، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ دائر ہیں (۱)، لیکن قرآن حکیم نے تاریخ وسال معلوم کرنے کے لیے جیسے قمر (چاند) کو علامت قرار دیا ہے، اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت فرمایا ہے لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابِ اس لیے تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لیے چاند کے حساب کو پسند فرمایا، اور احکامِ شرعیہ اسی پر دائر فرمائے، اس لیے قمری حساب کا محفوظ رکھنا ''فرضِ کفایہ'' ہے، اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے، تو سب گنہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے، تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے، لیکن یہ سنت اللہ اور سنتِ خلف کے خلاف ضرور ہے، اس لیے بلا ضرورت، خصوصاً علما وطلبا کو قمری تاریخ چھوڑ کر شمسی تاریخ اختیار کرنا اچھا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند کے حساب رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دنیا اور آخرت میں فلاح اور کامیابی کا راز خوف خدا ہی میں مضمر ہے خدا سے ڈر کر اس کے مقرر کیے ہوئے آئین حیات کے اتباع ہی سے دین و دنیا میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں اپنے دینی تشخص و ورثے کی حفاظت کا اہتمام کرنے اور اس جانب خصوصی توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

# جہاد پر اعتراض/ زیادتی کی ممانعت
# جہاد کا مقصد/ فتنہ وفساد کی بیخ کنی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ
مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾
وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

## حدیبیہ کا واقعہ/ حرمت والے مہینوں میں جنگ کا جواز

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَقَاتِلُوْا | اور تم لڑو | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | اللہ کی راہ میں |
| الَّذِيْنَ | اُن لوگوں سے جو | يُقَاتِلُوْنَكُمْ | تم سے لڑتے ہیں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا تَعْتَدُوْا | اور نہ تم زیادتی کرو | اِنَّ | بیشک | اللّٰهَ | اللہ نے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا يُحِبُّ | نہیں پسند کرتا | الْمُعْتَدِيْنَ | زیادتی کرنے والوں کو۔(190) |

وَ قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ: اور اللہ کی راہ میں لڑو۔ 6 ہجری میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اس سال حضور سید المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مدینہ طیبہ سے عمرے کے ارادے سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، مشرکین نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا اور اس پر صلح ہوئی کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ آئندہ سال تشریف لائیں تو آپ کے لیے تین روز کیلئے مکہ مکرمہ خالی کر دیا جائے گا، چنانچہ اگلے سال 7 ہجری میں حضور پرنور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عمرے کی قضاء کے لیے تشریف لائے۔ اب حضور انور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ ایک ہزار چار سو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُم تھے۔ مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کفار نے اگر وعدہ پورا نہ کیا اور حرم مکہ میں حرمت والے مہینے ذی القعدہ میں جنگ کی تو مسلمان چونکہ حالت اِحرام میں ہوں گے اس لئے اس حالت میں جنگ کرنا ان کیلئے بڑا مشکل تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت سے ابتدائے اسلام تک نہ حرم میں جنگ جائز تھی اور نہ حرمت والے مہینوں میں، لہٰذا انہیں تَرَدُّد ہوا کہ اس وقت جنگ کی اجازت ملتی ہے یا نہیں اس پر یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں تو کچھ صحابہ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے ہم سے لڑائی شروع نہ کر دیں اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئے گی کے حدود حرم میں اور خاص طور پر ذیقعدہ کے مہینے میں لڑائی کیسے کریں جبکہ اس مہینے میں جنگ ناجائز ہے، ان آیات نے وضاحت فرمائی کہ اپنی طرف سے تو جنگ نہ کی جائے، البتہ اگر کفار معاہدہ توڑ کر جنگ شروع کر دیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے جنگ جائز ہے اور اگر وہ حدود حرم اور محترم مہینے کی حرمت کا لحاظ کئے بغیر حملہ آور ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے بھی ان کی زیادتی کا بدلہ لینا درست ہے۔ وَ لَا تَعۡتَدُوۡا: اور زیادتی نہ کرو۔ اس سے مراد ہے کہ جو جنگ کے قابل نہیں ان سے نہ لڑو، یعنی عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور زخمیوں پر دست درازی نہ کرو۔

## وَلَا تَعۡتَدُوۡا کا ایک اور مطلب

مفسرین کرام نے وَلَا تَعۡتَدُوۡا کا ایک اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جہاد صرف دین کی خاطر کرو، اس کے علاوہ جہاد کا اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہئے، اگر کوئی شخص شہرت حاصل کرنے کے

لیے، بہادری دکھانے کے لیے یا مال و دولت اکٹھا کرنے کے لیے جہاد میں شریک ہوتا ہے تو یہ زیادتی ہوگی۔اسی لیے فرمایا زیادتی نہ کرو، بلکہ خالص دین کی سربلندی کے لیے جہاد میں حصہ لو۔گویا اسلام کا جہاد اتنا پاکیزہ ہے کہ دین کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے اسکی اجازت ہی نہیں دی گئی۔اب اسلام کے جہاد پر اعتراض کرنے والے نام نہاد متمدن لوگوں کا حال ملاحظہ فرمائیں۔دنیا کی خاطر لڑی جانے والی جنگ میں ہزاروں لاکھوں بے گناہ جانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ہسپتالوں پر بمباری کر کے مریضوں تک کی پرواہ نہیں کرتے۔دوسری جنگ عظیم میں چھ کروڑ کے قریب انسان لقمہ اجل بن گئے۔پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ کے لگ بھگ جانیں تلف ہو جائیں۔اندھا دھند بمباری سے کھیت تباہ ہو گئے، جانور ہلاک ہوئے، عورتیں اور بچے بھی اس ہلاکت کا شکار ہوئے، آخر یہ کون سی تہذیب اور کونسا تمدن ہے۔اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔دشمن کی لاشوں کا مثلہ نہ کرو اور خواہ مخواہ کھیتوں اور مویشیوں کو برباد نہ کرو وغیرہ وغیرہ جن کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔یعنی قوت وہاں استعمال کرو جہاں ضرورت ہو اور اتنی ہی کرو جتنی ضرورت ہو۔احادیث کی کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔

## لفظ فتنہ کا عربی زبان میں وسیع مفہوم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاقْتُلُوْهُمْ | اور تم قتل کرو اُن کو | حَيْثُ | جہاں | | |
| ثَقِفْتُمُوْهُمْ | تم انہیں پاؤ | وَاَخْرِجُوْهُمْ | اور انہیں نکال دو | | |
| مِّنْ حَيْثُ | جہاں سے | اَخْرَجُوْكُمْ | انہوں نے تمہیں نکالا | | |
| وَالْفِتْنَةُ | اور فتنہ | اَشَدُّ | زیادہ سخت ہے | مِنَ الْقَتْلِ | قتل سے |
| وَلَا | اور نہ | تُقٰتِلُوْهُمْ | تم لڑو ان سے | عِنْدَ | نزدیک |
| الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ | مسجد حرام کے | حَتّٰى | یہاں تک کہ | | |
| يُقٰتِلُوْكُمْ | وہ لڑیں تم سے | فِيْهِ | اس میں | | |
| فَاِنْ | پھر اگر | قٰتَلُوْكُمْ | وہ تم سے لڑیں | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَاقْتُلُوْهُمْ | تو تم ان کو قتل کرو | كَذٰلِكَ | اسی طرح ہے |
| جَزَآءُ | سزا | الْكٰفِرِيْنَ | کافروں کی (191) |

وَ اقْتُلُوْهُمْ : اور انہیں قتل کرو۔آیت مبارکہ میں اوپر بیان کئے گئے سِیاق وسِباق میں فرمایا گیا کہ چونکہ کافروں نے تمہیں مکہ مکرمہ سے بے دخل کیا تھا اور اب بھی تمہارے ساتھ آمادۂ قتال ہیں تو تمہیں دورانِ جہاد ان سے لڑنے، انہیں قتل کرنے اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالنے کی اجازت ہے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول نہ کرنے والوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا۔یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے قتل کا حکم ان کے جرم سے زیادہ بڑا نہیں کیونکہ وہ لوگ فتنہ برپا کرنے والے ہیں اور ان کا فتنہ شرک ہے یا مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالنا(تفسیرات احمدیہ، البقرۃ، تحت الآیۃ:۱۹۱،ص ۸۱) تو ان کا فتنہ ان کو قتل کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔فتنہ کا لفظ عربی زبان میں بڑے وسیع مفہوم اور کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔مثلاً مشرکین مکہ کا بیت اللہ کا متولی ہونا اور بیت اللہ میں بت رکھنا،مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز ادا کرنے، حتیٰ کہ داخل ہونے سے روکنا یہ سب فتنہ کے کام ہیں،قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اس کا اطلاق شرک، گمراہی اور انکارِ حق پر بھی ہوتا ہے۔گویا یہاں فتنہ سے مراد مشرکین مکہ کی ہر وہ حرکت ہے جو انہوں نے دین اسلام کو روکنے کی خاطر کی تھی۔مثلاً مسلمانوں پر ظلم وستم اور جبر واستبداد،انہیں دوبارہ کفر پر مجبور کرنا،اگر وہ ہجرت کر جائیں تو ان کا پیچھا نہ چھوڑنا اور بعد میں ان کے اموال وجائیداد کو غصب کر لینا وغیرہ یہی سب باتیں فتنہ میں شامل ہیں۔ایسی تمام باتوں کے سدباب کے لیے جہاد کرنا ضروری قرار دیا گیا۔یہ حکم مشرکین مکہ کے بارے میں ہے کہ ایک تو انھوں نے مسلمانوں کو بے گھر کر دیا ہے،دوسرے مسلمانوں کے خلاف مسلسل جنگ کی تدبیریں کر رہے ہیں،بدر، اُحد اور احزاب تینوں جنگوں میں جارحیت انھیں کی طرف سے ہوئی،اس لئے تم بھی ان سے جنگ کرو اور جیسے انھوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا ہے،تم بھی ان کو مکہ سے بے دخل کر دو،اسلام کی مسلسل مخالفت اور رکاوٹ مکہ والوں کی فتنہ انگیزی تھی،نیز جبر و دباؤ اور لوگوں سے ان کی آزادی کو سلب کر لینا ایسا

جرم ہے کہ ایسے مجرمین لائق قتل ہیں، اس سے اگر چہ چند اشخاص کی جان جائے گی، مگر فتنہ کا استیصال ہو جائے گا اور پورے سماج کو راحت حاصل ہو گی۔ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ: اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو۔ مسجدِ حرام شریف کے ارد گرد کئی کلو میٹر کا علاقہ حرم کہلاتا ہے۔ حرم کی حدود میں مسلمانوں کو لڑنے سے منع کر دیا گیا کیونکہ یہ حرم کی حرمت کے خلاف ہے لیکن اگر کفار ہی وہاں مسلمانوں سے جنگ کی ابتداء کریں تو انہیں جواب دینے کیلئے وہاں پر بھی ان سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے کی اجازت ہے۔ ’حرم‘‘ کا احترام عرب بھی کرتے تھے اور اسلام نے بھی اس کو برقرار رکھا، اس لئے فرمایا گیا کہ حرم میں تمہاری طرف سے جنگ کی ابتداء نہ ہونی چاہیئے، ہاں، اگر وہ حملہ کریں، تو پھر مدافعانہ جنگ میں کوئی قباحت نہیں؛ کیوں کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ البتہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف فرمادے گا کہ اسلام تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

## جہاد کا حکم فطرت کے عین مطابق

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فَاِنِ | پھر اگر | انۡتَهَوۡا | وہ باز آجائیں | فَاِنَّ | تو بلا شبہ | اللّٰهَ | اللہ |
| غَفُوۡرٌ | بہت زیادہ بخشنے والا | | رَّحِيۡمٌ | | نہایت رحم کرنے والا ہے۔(192) | | |

فَاِنِ انۡتَهَوۡا اور اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں اور صلح کر لیں، تو لڑائی کو طول دینے کی ضرورت نہیں اور اگر وہ ایمان قبول کر لیں تو معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، ان کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کے مسئلہ جہاد پر بعض بے دین قسم کے لوگوں خصوصاً عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ لوگوں کو تلوار کے ذریعے مرعوب کر کے دین میں داخل کرنا کہاں کا انصاف ہے، تاہم اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو محسوس ہو گا کہ جہاد کا حکم فطرت کے عین مطابق ہے، بلکہ بعض اوقات یہ لازم ہو جاتا ہے جب دنیا میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائے، کسی کی جان و مال محفوظ نہ رہے تو پھر ایسے لوگوں کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا کے متمدن لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عوام کی جان و مال اور عزت

وآبرو کی حفاظت ہونی چاہئے۔تو پھر انہیں فلسفہ جہاد کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ اس کے بغیر ظلم وستم کی بیخ کنی ممکن ہی نہیں۔

## جہاد کی حکمت اور جہاد کی اصل غرض وغایت

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَقٰتِلُوْھُمْ | اور تم ان سے لڑو | حَتّٰى | یہاں تک کہ | | | | |
| لَا تَكُوْنَ | نہ رہے | فِتْنَةٌ | کوئی فتنہ | وَّيَكُوْنَ | اور ہو جائے | | |
| الدِّيْنُ | دین | لِلّٰهِ | (صرف) اللہ کے لیے | فَاِنِ | پس اگر | | |
| انْتَهَوْا | وہ باز آجائیں | فَلَا | تو نہیں ہے | عُدْوَانَ | زیادتی | | |
| اِلَّا | مگر | عَلَى الظّٰلِمِيْنَ | اور پر ظالموں کے۔ | | | | |

اب آگے جہاد کی حکمت بھی بیان فرمادی ہے وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ان کے ساتھ جنگ کرو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے یعنی فتنہ سے مراد ہر وہ مزاحمت اور قوت ہے جو تبلیغ و اشاعت اسلام کی راہ میں آڑے آئے جس سے اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف مدافعانہ جنگ کا قائل نہیں۔بلکہ اسلام کی اشاعت میں جو قوت رکاوٹ بنے اس سے جارحانہ جنگ کرنا ضروری ہے۔تا آنکہ ایسی رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور اللہ کا دین غالب ہو۔البتہ جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں اور جزیہ دینا قبول کرلیں۔ان پر تمہیں ہاتھ نہ اٹھانا چاہیے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنے عقاید یا دین یا مذہب سے مجبور ہو کر اسلام قبول کرلیں کیونکہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جہاد کا اصل مقصد کسی کو اسلام پر مجبور کرنا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں کوئی شخص کفر پر اصرار کرے تب بھی جزیہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کرکے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے، لیکن جزیرۂ عرب کا حکم مختلف ہے، یہ وہ ملک ہے جہاں رسول کریم ﷺ کو براہ راست بھیجا گیا اور جہاں کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آپ ﷺ کی تعلیمات براہ راست سنیں، ایسے لوگ اگر ایمان نہ لائیں تو پچھلے انبیاء (علیہم السلام)

کے زمانوں میں انہیں عذاب عام کے ذریعے ہلاک کیا گیا، آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عذاب عام موقوف فرما دیا گیا لیکن یہ حکم دیا گیا کہ جزیرہ عرب میں کوئی کافر مستقل شہری کی حیثیت میں نہیں رہ سکتا، یہاں اس کے لئے تین ہی راستے ہیں یا اسلام لائے یا جزیرہ عرب سے باہر چلا جائے یا جنگ میں قتل ہو جائے۔ بہر حال جہاد کی اصل غرض وغایت بھی یہ ہے کہ دنیا سے فتنہ وفساد و جنگ وجدل بدامنی اور بدنظمی اور کفر وشرک کا قلع قمع کر دیا جائے تا کہ غلبہ اسلام کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے۔ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ اور اطاعت صرف اللہ ہی کیلئے باقی رہے یعنی جو کوئی دین اسلام میں داخل ہونا چاہئے اسے کوئی شخص روکنے والا نہ ہو اور وہ بلا خوف وخطر دین حنیف کو اختیار کر سکے۔ اگر یہ لوگ اس قسم کی فتنہ انگیزی سے باز آجائیں دین کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں، زیادتی نہ کریں فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ تو ان پر کوئی زیادتی نہیں ہے، البتہ جو ظالم ہوگا، اس کے خلاف جہاد کیا جائے گا تا کہ دنیا میں عدل وانصاف کو قائم کیا جا سکے اور فتنہ و فساد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بھی بیان فرما دیے فریضہ حج کے بعد اسلام کا یہ ایک اہم رکن ہے۔

# چار مہینوں کی حرمت ابتدا سے ہے / انفاق فی سبیل اللہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہم مدات

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلشَّہۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّہۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا
عَلَیۡہِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾
وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ
الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

## حُرمت والے مہینوں کا احترام باہمی رویہ پر منحصر

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَلشَّہۡرُ | مہینہ | الۡحَرَامُ | حرمت والا | | |
| بِالشَّہۡرِ الۡحَرَامِ | حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے | وَالۡحُرُمٰتُ | اور سب حرمتیں | | |
| قِصَاصٌ | بدلے کی چیزیں ہیں | فَمَنِ | پس جو شخص | | |
| اعۡتَدٰی | زیادتی کرے | عَلَیۡکُمۡ | تم پر | فَاعۡتَدُوۡا | تو تم زیادتی کرو |
| عَلَیۡہِ | اس پر | بِمِثۡلِ | مثل | مَا اعۡتَدٰی | اس کے زیادتی کرنے کے |
| عَلَیۡکُمۡ | تم پر | وَاتَّقُوا | اور تم ڈرو | اللّٰہَ | اللہ سے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاعْلَمُوْٓا | اور تم جان لو | اَنَّ | کہ بیشک | اللّٰهَ | اللہ |
| مَعَ | ساتھ ہے | الْمُتَّقِيْنَ | متقین کے۔(194) | | |

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے وقت سے لے کر عرب میں یہ دستور چلا آیا تھا کہ ذی قعد ذی الحجہ اور محرم کے مہینے حج کرنے والوں کی وجہ سے قابل احترام قرار دیئے گئے تھے اور ان کے درمیان رجب کا مہینہ عمرہ کرنے والوں کے لیے مختص کیا گیا تھا۔تا کہ حج اور عمرہ کرنے والے امن وامان سے سفر کرسکیں۔ان مہینوں میں جدال وقتال بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا۔چونکہ یہ ایک اچھا دستور تھا۔لہذا اسلام نے اسے بحال رکھا۔لیکن ظاہر ہے کہ اگر دوسرا فریق ان کے احترام کی پروا کئے بغیر حملہ آور ہو جائے،تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دفاع نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا،اس لئے فرمایا گیا کہ ان مہینوں کا احترام باہمی رویہ پر منحصر ہے،اگر اہل مکہ اس کا لحاظ کریں تو تم بھی جنگ سے اجتناب کرو،اور وہ جنگ کریں تو تم بھی جنگ کرو اور برابر کا معاملہ رکھو،اس ارشاد کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ رجب ۶ ہجری میں جب آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے ،تو اہل مکہ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور بالآخر صلح حدیبیہ ہوئی صلح کے مطابق پھر جب ۷ ہجری میں آپ ﷺ عمرہ کے لئے تشریف لئے گئے،جسے عمرۃ القضاء کہتے ہیں تو صحابہ کو اندیشہ تھا کہ یہ حرام مہینہ ہے،اگر اہل مکہ جنگ پر اتر آئے،تو ہم کیا کریں؟ جنگ نہ کریں،تو ناحق جان جاتی ہے،جنگ کریں تو حرام مہینہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟اسی کا اس آیت میں جواب دیا گیا ہے،حرام مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا یہ حکم اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہوگیا؟اس میں اہل علم کی رائیں مختلف ہیں، راجح یہ ہے کہ اب بھی ان مہینوں میں اقدامی حملہ درست نہیں اور دفاعی جنگ میں مضائقہ نہیں۔(دیکھئے:احکام القرآن للجصاص:۱/ ۳۸۹-۳۹۰)

## تقویٰ اور عدل وانصاف کا درس

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ : تو جو تم پر زیادتی کرے۔کافر مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتے رہے، شروع اسلام میں دن رات،صبح وشام ہر وقت مسلمانوں کو ستانے میں لگے رہے،کسی کو شہید کیا،کسی کو

تپتی ریت پر گھسیٹا، کسی کو انگاروں پر لٹایا، کسی کو کوڑے مارے، کسی کا راہ چلتے مذاق اڑایا، مسلمانوں کو ان کے گھروں سے ہجرت پر مجبور کر دیا، ان کے کاروبار ختم کر دیئے، انہیں ان کے رشتے داروں سے جدا کر دیا۔ ان تمام واقعات کی تلخیاں مسلمانوں کے دلوں میں موجود تھیں، اب جبکہ مسلمانوں کو بدلہ لینے کا موقع مل رہا تھا تو اس بات کا امکان تھا کہ مسلمان بھی بدلہ لینے میں اپنے جذبہ انتقام کو بھر پور طریقے سے پورا کرتے اور بدلہ لینے میں حد سے بڑھ جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ہی مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ تم پر جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں تمہیں ان سے بدلہ لینے کا اختیار تو دیا جا رہا ہے لیکن تم اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہو جتنی انہوں نے تم پر زیادتی کی، اس سے زائد کی تمہیں ہرگز اجازت نہیں۔ لہٰذا بدلہ لینے میں بھی تقویٰ اور خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور مَعِیَّت اسی کو نصیب ہوگی جو ہر حال میں تقویٰ اختیار کرے گا۔ کیا حسین تعلیم ہے اور کیا پاکیزہ تربیت ہے جس وقت جذبات مچل رہے ہوں، جذبہ انتقام جوش مار رہا ہو، دشمن قبضے میں آنے ہی والا ہو، غلبہ حاصل ہوا ہی چاہتا ہو اس وقت بھی تقویٰ کا، عدل و انصاف کا درس دیا جا رہا ہے، زیادتی کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ کیا روئے زمین پر کوئی دوسرا ایسا دین، قانون ہے جو اپنے ماننے والوں کو اس طرح کے اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کا درس دیتا ہو؟ ہرگز نہیں۔ یقیناً یہ صرف اسلام ہی ہے۔

آیت کا منشا یہ ہے کہ اگر ان مہینوں میں کافر تم سے جنگ کرتے ہیں تو پھر تمہیں بھی ان سے جنگ کی اجازت ہے، ورنہ نہیں۔ مگر یہ خیال رہے کہ جتنی زیادتی تم پر ہوئی اتنی ہی تم کر سکتے ہو۔ اس سے زیادہ نہیں اور اس معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

## انفاق فی سبیل اللہ کی دو قسمیں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاَنۡفِقُوۡا | اور تم خرچ کرو | فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ | اللہ کی راہ میں | | |
| وَلَا | اور نہ | تُلۡقُوۡا | تم ڈالو | بِاَيۡدِيۡكُمۡ | اپنے ہاتھوں کو |
| اِلَى التَّهۡلُكَةِ | طرف ہلاکت کے | وَاَحۡسِنُوۡا | اور تم نیکی کرو | | |
| اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ | يُحِبُّ | پسند کرتا ہے | | |

| نیکی کرنے والوں کو۔(195) | الْمُحْسِنِيْنَ |
|---|---|

اس سے پہلی آیت میں قتال فی سبیل اللہ کا حکم ہے، یہ آیت بھی اسی حکم کی تکمیل ہے، یعنی جہاد میں اور اس کی تیاری میں خرچ کرتے رہو اور اس میں کوتاہی کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، کیونکہ اس صورت میں کفار تم پر غالب آجائیں گے، جو سراسر ہلاکت ہے۔ جہاد کے حکم کے بعد اب یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ خرچ کے بغیر جہاد ناممکن ہے۔ انفاق کے لغوی معنی ''خرچ کرنا'' اور فی سبیل اللہ کے معانی ہیں ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں''۔ اصطلاحِ شریعت میں اللہ کی رضا کے لیے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو انفاق فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ شریعت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک انفاقِ واجبہ اور دوسری انفاقِ نافلہ۔ ان میں ایک قسم فرض اور دوسری نفلی صدقہ وخیرات کے زمرے میں آتی ہے۔ انفاقِ واجبہ: یہ فرض ہے اور اصطلاحِ شریعت میں اسے ''زکوٰۃ'' کہا جاتا ہے۔ صوفیاء اور فقراء اسے زکوٰۃِ شریعت یا زکوٰۃِ شرعی کہتے ہیں۔ عشر بھی اس میں شامل ہے انفاقِ نافلہ: ان میں وہ تمام صدقات اور خیرات شامل ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جاتے ہیں۔ فقراء اسے زکوٰۃِ حقیقی یا زکوٰۃِ حقیقت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جو چیز رضائے الٰہی کے لیے فی سبیل اللہ دی جائے صدقہ یا خیرات کہلاتی ہے۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ اللہ کا راستہ کون سا ہے۔ قرآن پاک میں اس کی مختلف مدات بیان کی گئی ہیں۔ ''مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' میں بھی یہی بات ہے خرچ کریں مگر کہاں تو اس کی تشریح پہلے آچکی ہے۔ سب سے پہلے زکوٰۃ ادا کرو، پھر حج وعمرہ کا خرچہ ہے۔ غرباء ومساکین پر خرچ کرو۔ اس کے بعد دفاع کا ہے اور اسی مد میں جہاد فی سبیل اللہ بھی آتا ہے۔ اور پھر اللہ کے راستے کی آگے کئی شاخیں ہیں۔ جیسے دین کی تعلیم کا شعبہ ہے تصنیف وتالیف کی مد ہے، مجاہدین کی اعانت ہے۔ ان سب امور پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کے بعد صدقۃ فطر واجب ہے۔ قربانی بھی واجب ہے۔ اسی طرح اعزہ واقارب پر خرچ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اخراجات سنت اور

مستحب ہیں ۔ان سب میں خرچ کرنا چاہیے اور سب سے بڑھ کر جہاد کی مد ہے اگر اہل اسلام اس مد میں خرچ نہیں کریں گے تو دشمن غلبہ پا جائے گا اور مسلمان ذلیل وخوار ہوں گے اور پھر نہ صرف مال ضائع ہوگا بلکہ جانیں بھی تلف ہوگی ۔آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں ۔تاتاریوں کے حملوں کے بعد مسلمانوں کے قدم نہیں جم سکے ۔

## آج کے مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ باقی نہیں رہا

وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ باقی نہیں رہا۔غیر مسلم اقوام زیادہ خرچ کرتی ہیں ۔ اسلحہ سازی اور دوسری ٹیکنالوجی پر جو کچھ یورپی طاقتیں خرچ کر رہی ہیں ۔اس کی مثال کہاں ملے گی ۔اس زمانے کی بڑی بڑی عمارتیں اور ان میں تعیش کا سامان مسلمانوں کے کون سے کردار کی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔بڑی بڑی قیمتی کاریں درآمد ہو رہی ہیں ،غیر ملکی عورتوں سے شادیاں ہو رہی ہیں لاکھوں روپیہ ننگ و ناموس کے نام پر برباد کیا جا رہا ہے ۔مگر کیا مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کر رہا ہے ۔نہیں بلکہ بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر رہ گیا ہے ۔دنیا کے مختلف گوشوں میں انگریز نے کس قدر ذلیل کیا ہے ۔روس اور امریکہ کیا کچھ کر رہے ہیں ۔مسلمانوں کے پاس افرادی قوت ہے ۔بیشمار وسائل مہیا ہیں مگر سب عیاشی کی نذر ہو رہے ہیں ۔انفاق فی سبیل اللہ کو ترک کر دیا گیا ہے ۔ایک فیصد بھی صاحب ثروت آپ کو نہیں ملیں گے جو اپنے مال کا معقول حصہ دین کی حفاظت اور اس کی بقا کے لئے خرچ کر رہے ہوں ۔انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں نواب نجیب الدولہ تھے اپنے دور میں پانچ سو علماء کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وظیفہ پانچ روپے سے لیکر پانچ سو روپے تک تھا۔اس وقت کے پانچ سو روپے آج کے ایک لاکھ سے زیادہ حیثیت رکھتے تھے ۔ یہ وظیفہ محض علم دین کی تحصیل کے لئے دیا گیا تھا اور وہ لوگ نواب کی کسی پالیسی کے پابند نہیں تھے ۔جیسا کہ آج کل بیوروکریسی کا شیوہ ہے کہ کسی کو چند ٹکے دیکر اس کا دین ایمان تک خرید لیا۔ایسا نہیں تھا۔آج مسلمان تبلیغ دین کے لئے کتنی رقم خرچ کر رہے ہیں ۔عیسائیت کا راستہ بند کرنے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جا رہی ہیں ۔امریکہ اور برطانیہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے

اربوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔کہیں سکول کے نام پر،کہیں کسی ہسپتال کی آڑ میں اور کہیں کسی اور رفاہی ادارہ کی صورت میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔مگر سچے دین کا داعی مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوتا۔خدا کا فرمان ہے خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔مگر ہم پر کوئی اثر نہیں۔ایسی صورت حال میں دشمن غلبہ حاصل نہیں کرے گا،تو اور کیا ہو گا۔ہم مسلمانوں کو عقل کرنی چاہیئے،اللہ اور اس کے نبی نے کتنی ترغیب دی فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''صدقہ مال کو کم نہیں ہونے دیتا (خواہ آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے یا ثواب بڑھتا رہے)۔''(مسلم) ☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''خیرات کرنے میں جلدی کیا کرو۔''☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''اے آدم کے بیٹے! تُو نیک کام میں خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''(بخاری ومسلم) ☆ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''اپنی حیات میں ایک درہم خرچ کرنا مرتے وقت سو درہم خیرات کرنے سے افضل ہے۔''(ابو داوٗد) بہرحال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے (انفاق فی سبیل اللہ) کا مطلب مال کو اللہ کی رضا کے لیے دینی، تعلیمی اور رفاہی کاموں میں لگانا ہے،جس کا کم از کم اجر سات سو گنا تک ہے۔اس کی اہم مدات میں زکوٰۃ،صدقاتِ واجبہ،فقراء ومساکین کی مدد،دین کی اشاعت،مدارس ومساجد کی تعمیر،جہاد،اور قدرتی آفات میں متاثرین کی امداد شامل ہیں خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی،عشر (زرعی پیداوار پر)،صدقہ فطر،اور نذر و نیاز اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد میں مال خرچ کرنا،مجاہدین کی مدد،ضرورت مند رشتہ دار،یتیم،مسکین،اور غریب پڑوسیوں کی مدد کرنا۔دینی مدارس کی امداد،قرآن وحدیث کی نشر واشاعت،اور طلبہِ علم کی کفالت۔مسجد کی تعمیر ومرمت،پانی کے لیے کنویں/ ٹینک لگوانا،اور دین کے مراکز سیلاب،زلزلہ،یا قحط زدگان کی مدد اور خوراک وادویات کی فراہمی یتیم خانے،ہسپتال، اور غریبوں کے لیے گھر بنانا (صدقہ جاریہ) خرچ کرتے وقت نیت صرف اللہ کی رضا ہونی چاہیے۔اسی طرح اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فضیلت رکھتا ہے۔تنگی میں خرچ فراخی کے

ساتھ ساتھ تنگدستی میں بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بہت اعلیٰ عمل ہے۔

فرمایا، وَ اَحۡسِنُوۡا یعنی مستحقین کے ساتھ احسان کرو۔قرابت داروں غریبوں مسکینوں، بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔اگراللہ کی رضا چاہتے ہوتو اللہ کے راستے میں خرچ کر کے احسان جیسے اہم اصول پر عمل کرو۔ورنہ اللہ تعالیٰ ظلم وزیادتی کرنے والوں،کفروشرک اور بدعات کے مرتکبین کو بھی پسندنہیں فرماتا۔

راہِ خدامیں خرچ کرنے کااصل حکم تو مال کے حوالے سے ہے لیکن علامہ صاوی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اس کے معنیٰ کی مزید وسعت کو بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ آیت کامطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اوراس کی رضاکے کاموں میں اپنے جان ومال کوصرف کروخواہ جہاد ہو یا رشتے داروں سے حسنِ سلوک یااللہ تعالیٰ کے کمزوراورغریب بندوں کی مددکی صورت میں ہو۔(صاوی،البقرۃ،تحت الآیۃ:۱۹۵،۱/ ۱۶۳)الغرض!راہِ خدامیں خرچ کرنے کوترک کرنا بھی ہلاکت کا سبب ہے،فضول خرچی بھی ہلاکت ہے،جہادترک کرنا بھی ہلاکت ہے یونہی اس طرح کی ہروہ چیز جو ہلاکت کاباعث ہوان سب سے باز رہنے کاحکم ہے حتّٰی کہ بے ہتھیارمیدان جنگ میں جانایازہرکھانا یاکسی طرح خودکشی کرناسب حرام ہے۔چونکہ خودکشی خودکوہلاک کرنے کی نہایت ہی نمایاں صورت ہے لہٰذا یہاں اس کی وعید بیان کی جاتی ہے،چنانچہ خودکشی کے بارے میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشادفرمایا:”جس نے پہاڑ سے گرکرخودکشی کی وہ مسلسل جہنم میں گرتا رہے گا اورجس نے زہرکھا کرخودکشی کی(قیامت کے دن)وہ زہراس کے ہاتھ میں ہوگااورجہنم کی آگ میں اسے ہمیشہ کھاتا رہے گااورجس نے چھری کے ذریعے خودکوقتل کیا،(قیامت کے دن)وہ چھری اس کے ہاتھ میں ہوگی اوردوزخ کی آگ میں ہمیشہ وہ چھری اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔(بخاری،کتاب الطب،باب شرب السمّ والدوائبہ۔۔۔الخ،۴/ ۴۳،الحدیث:۵۷۷۸)

# حج کی تعریف اور حج وعمرہ کے چند احکام
# حج مبرور کیا ہے؟/ حج نہ کرنے پر وعیدیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ مَحِلَّہٗ ؕ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِہٖۤ اَذًی مِّنْ رَّاْسِہٖ فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَۃِ اِلَی الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَۃٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَھْلُہٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

## حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو/ فرضیت حج

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاَتِمُّوا | اور تم پورا کرو | الْحَجَّ | حج | وَالْعُمْرَۃَ | اور عمرہ |
| لِلّٰہِ | اللہ کے لیے | فَاِنْ | پھر اگر | اُحْصِرْتُمْ | تم روک دیئے جاؤ |
| فَمَا | تو جو | اسْتَیْسَرَ | میسر ہو | | |
| مِنَ الْھَدْیِ | قربانی سے (وہ کردو) | وَلَا | اور نہ | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| تَحۡلِقُوۡا | منڈواؤتم | رُءُوۡسَكُمۡ | اپنے سر | | |
| حَتّٰى | یہاں تک کہ | یَبۡلُغَ | پہنچ جائے | الۡهَدۡىُ | قربانی |
| مَحِلَّهٗ | اپنے حلال ہونے کی جگہ پر | فَمَنۡ | پس جو شخص | كَانَ | ہو |
| مِنۡكُمۡ | تم میں سے | مَّرِيۡضًا | مریض | اَوۡ بِهٖۤ | یا (ہو) اُس کو |
| اَذًى | کوئی تکلیف | مِّنۡ رَّاۡسِهٖ | اس کے سر میں | | |
| فَفِدۡيَةٌ | تو فدیہ دینا ہے | مِّنۡ صِيَامٍ | روزوں سے | | |
| اَوۡ صَدَقَةٍ | یا صدقہ (سے) | اَوۡ نُسُكٍ | یا قربانی (سے) | فَاِذَآ | پھر جب |
| اَمِنۡتُمۡ | تم امن میں ہوجاؤ | فَمَنۡ | تو جس نے | | |
| تَمَتَّعَ | فائدہ اٹھالیا | بِالۡعُمۡرَةِ | عمرے کے ساتھ | | |
| اِلَى الۡحَجِّ | حج (کے احرام) تک | فَمَا | تو جو | | |
| اسۡتَيۡسَرَ | میسر ہو | مِنَ الۡهَدۡىِ | قربانی سے (وہ کرے) | | |
| فَمَنۡ | پھر جو شخص | لَّمۡ يَجِدۡ | نہ پائے (قربانی) | فَصِيَامُ | تو روزے (رکھنے ہیں) |
| ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ | تین دن کے | اِذَا رَجَعۡتُمۡ | جب تم واپس جاؤ | | |
| تِلۡكَ | یہ | عَشَرَةٌ | دس ہیں | كَامِلَةٌ | پورے |
| ذٰلِكَ | یہ (حکم) | لِمَنۡ | اُس شخص کے لیے ہے | | |
| لَّمۡ يَكُنۡ | (کہ) نہ ہوں | اَهۡلُهٗ | اس کے گھر والے | | |
| حَاضِرِى | موجود | الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ | مسجد حرام (کے پاس) | | |
| وَاتَّقُوا اللّٰهَ | اور تم ڈرو اللہ سے | وَاعۡلَمُوۡۤا | اور جان لو | | |
| اَنَّ | کہ بیشک | اللّٰهَ | اللہ | شَدِيۡدُ | سخت |
| الۡعِقَابِ | سزا دینے والا ہے۔(196) | | | | |

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ: اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔آیت میں مراد یہ ہے کہ حج وعمرہ دونوں کو ان کے فرائض وشرائط کے ساتھ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر سستی اور کوتاہی کے مکمل کرو۔حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظمہ کے طواف کا۔اس کے لیے خاص وقت مقرر ہے جس میں یہ افعال کئے جائیں تو حج ہے۔حج 9 ہجری میں فرض ہوا،اس کی فرضیت قطعی ہے،اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔حج کی فرضیت قرآن کریم،حدیث شریف اور اجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے،جیسا کہ نماز،روزہ اور زکاۃ کی فرضیت ثابت ہے؛اس لیے جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے،وہ کافر ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ (سورہ آل عمران،آیت:۹۷) ترجمہ:"اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے،یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی اور جو شخص منکر ہو؛ تو اللہ تعالی تمام جہاں والوں سے غنی ہیں"۔یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت کے حوالے سے نصّ قطعی ہے۔

## حج کے فرائض

حج کے فرائض یہ ہیں:(1)......احرام(2)......وقوف عِرفہ(3)......طواف زیارت۔حج کی تین قسمیں ہیں:(1)......اِفراد یعنی صرف حج کا احرام باندھا جائے۔(2)......تَمَتُّع یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے پھر عمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے بعد اسی سفر میں حج کا احرام باندھا جائے۔جس(3)......قِران یعنی عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھا جائے،اس میں عمرہ کرنے کے بعد احرام کی پابندیاں ختم نہیں ہوتیں بلکہ برقرار رہتی ہیں۔عمرہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ عمرہ میں صرف احرام باندھ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کر کے حلق کروانا ہوتا ہے۔حج وعمرہ دونوں کے ہر ہر مسئلے میں بہت تفصیل ہے اس کے لئے معلم الحجاج کا مطالعہ مفید رہے گا۔

## اِحصار کے لغوی اور اصطلاحی معنی

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ: تو اگر تمہیں روک دیا جائے۔ یہاں سے حج کے ایک اہم مسئلے کا بیان ہے جسے اِحصار کہتے ہیں۔ اِحصار کے لغوی معنی" روکنے یا قید کرنے" کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں، حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کسی ایسے عارض (مثلاً بیماری، راستہ بند ہونے، یا دشمن) کا پیش آنا جس کی وجہ سے حاجی یا معتمر مناسکِ حج (وقوفِ عرفہ) یا عمرہ (طواف) ادا کرنے سے روک دیا جائے، احصار کہلاتا ہے۔آیت کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرہ کی ادائیگی میں تمہیں کوئی رکاوٹ پیش آجائے جیسے دشمن کا خوف ہو یا مرض وغیرہ تو ایسی حالت میں تم احرام سے باہر آجاؤ اور اس صورت میں حدودِ حرم میں قربانی کا جانور اونٹ یا گائے یا بکری کا ذبح کروانا تم پر واجب ہے اور جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ ہو جائے تب تک تم سر نہ منڈواؤ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا: پھر جو تم میں بیمار ہو۔ اِحصار کے بعد ایک اور مسئلے کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ حالت ِاحرام میں بال منڈوانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یونہی لباس،خوشبو وغیرہ کے اعتبار سے کافی پابندیاں ہوتی ہیں۔اگر ان کا خِلاف کریں تو دَم یا صدقہ لازم آتا ہے لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں کہ مجبوری کی وجہ سے احرام کی پابندیوں کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔بغیر عذر کے اور عذر کی وجہ سے کئے گئے افعال میں شریعت نے کچھ فرق کیا ہے۔آیت میں اس کی کچھ صورتوں کا بیان ہے۔جان بوجھ کر احرام کی پابندیوں کی مخالفت کرے گا تو گناہگار بھی ہوگا اور فدیہ دینا بھی لازم آئے گا اور مجبوری کی وجہ سے مخالفت کرے تو گناہگار نہ ہوگا لیکن فدیہ دینا پڑے گا البتہ مجبوری والے کو فدیے میں کچھ رخصتیں بھی دی گئی ہیں جہاں دَم کا حکم ہے جُرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جوؤں کی سخت ایذا کے باعث ہوگا تو اُسے جُرمِ غیر اختیاری کہتے ہیں اس میں اختیار ہوگا کہ دَم (قربانی) کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا دونوں وقت پیٹ بھر کھلائے یا تین روزے رکھ لے۔اور اگر اس (جرم) میں صدقہ کا حکم ہے اور مجبوری کیا تو اختیار ہوگا کہ صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ {فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ: تو جو حج سے عمرہ ملانے

کافائدہ اٹھائے۔ جو شخص ایک ہی سفر میں شرائط کالحاظ کرتے ہوئے حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرے اس پرشکرانے کے طور پرقربانی لازم ہے اور یہ قربانی عید کے دن والی قربانی نہیں ہوتی بلکہ جداگانہ ہوتی ہے اور اگر قربانی کی قدرت نہ ہوتو اسے حکم ہے کہ دس روزے رکھے، ان میں سے تین روزے حج کے دنوں میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک احرام باندھنے کے بعدکسی بھی تین دن میں رکھ لے، اکٹھے رکھے یا جدا جدا دونوں کا اختیار ہے اور سات روزے 13 ذی الحجہ کے بعد رکھے۔ مکہ مکرمہ میں بھی رکھ سکتے ہیں لیکن افضل یہ ہے کہ گھر واپس لوٹ کر رکھے۔

حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: مکہ کے رہنے والے۔ حجِ تمتع یا حجِ قِران کا جائز ہونا صرف آفاقی یعنی میقات سے باہر والوں کے لئے ہے۔ حدودِ میقات میں اور اس سے اندر رہنے والوں کے لئے نہ تمتع کی اجازت ہے اور نہ قران کی، وہ صرف حجِ اِفراد کرسکتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سفر کے دوران اگر احصار پیدا ہو جائے یعنی رکاوٹ کھڑی ہو جائے اور کوئی شخص حج وعمرہ کی تکمیل نہ کرسکے، تو اسے کیا کرنا چاہئے، یہ مسائل بیان ہوئے ہیں۔ حج اور عمرہ کے ارکان ملتے جلتے ہیں، تاہم ان کی ادائیگی کے اوقات مختلف ہیں۔ عمرہ کو حج اصغر بھی کہتے ہیں اور یہ سال بھر کے تمام ایام میں سوائے ایام حج کے ادا کیا جاسکتا ہے۔ حج مخصوص ایام یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تا تیرہویں تاریخ کو ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ ان ایام کے علاوہ کسی اور تاریخ پر حج ادا نہیں ہوسکتا۔ حج عمر بھر میں صاحب استطاعت کے لئے ایک دفعہ فرض ہے، البتہ عمرہ سنت ہے ہاں اگر ایک دفعہ اس کی نیت کرے تو پھر واجب ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر عمرہ کا احرام باندھ لیا ہے، تو پھر لازماً اس کو پورا کرنا پڑے گا۔ اگر سفر کے دوران کوئی رکاوٹ پڑ جائے اور انسان عمرہ مکمل نہ کرسکے۔ تو اسے بہرحال قضا کرنا ہوگا اب اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ خود حضور ﷺ کا عمل موجود ہے۔ آپ نے صحابہ کرام کے ہمراہ 6ھ میں عمرہ کا سفر اختیار کیا مگر حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک دیا اور بغیر عمرہ ادا کئے واپس جانا پڑا۔ آپ نے اگلے سال یعنی 7ھ میں اس کو قضاء کیا۔

## لِلّٰہ کا مفہوم ومطلب

لِلّٰہ کا مفہوم یعنی حج وعمرہ جیسی مشقت طلب اور صبر آزما عبادت صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہئے اس میں غرور وتکبر اور فخر اور تفاخر کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہئے حج پر روانہ ہوتے وقت بینڈ باجے کا استعمال اور گلے میں ہاروں کے ذریعے تشہیر تفاخر کی نشانی ہے۔عام طور پر تو عزیز و اقارب ہی حاجی خود اپنے گلے میں ہار ڈال کر اپنی حیثیت کو نمایاں کرتا ہے حج سے واپسی پر بھی یہی کچھ ہوتا ہے حاجی کو ہاروں اور اب خاص طور پر کرنسی نوٹوں کے ہاروں سے لادا جاتا ہے۔اگر ہار پہنانے والا کوئی نہیں پہنچا تو اپنے پاس سے ہار نکال کر گلے میں ڈال لیا جاتا ہے کہ حاجی کی پہچان ہو یہ سب فخریہ چیزیں ہیں۔ان کی وجہ سے خالص اللہ کی رِضا نہیں رہتی بلکہ اس فعل میں دوسرے لوگوں کی رضا کو بھی شامل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔اور یہی چیز لفظ للہ کے مفہوم کے خلاف ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے اعمال اچھے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا“۔پوچھا گیا پھر کون؟ فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا“۔پوچھا گیا پھر کون؟ ارشاد فرمایا: ”حج مبرور“

## حج مبرور کیا ہے؟ / حج مبرور کا بدلہ

حج مبرور کیا ہے؟ وہ حج جس کے دوران کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا ہو۔وہ حج جو اللہ کے یہاں مقبول ہو۔وہ حج جس میں کوئی ریا اور شہرت مقصود نہ ہو اور جس میں کوئی فسق وفجور نہ ہو۔وہ حج جس سے لوٹنے کے بعد گناہ کی تکرار نہ ہو اور نیکی کا رجحان بڑھ جائے۔وہ حج جس کے بعد آدمی دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور آخرت کے سلسلہ میں دلچسپی دکھائے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان (گناہوں) کا کفارہ ہے، جو ان دونوں کے درمیان ہوئے ہوں، اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے“۔(بخاری) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اتنے توشہ اور سواری کا مالک ہو جائے، جو اسے بیت اللہ تک پہنچا دے، اس

کے باوجود وہ حج نہ کرے؛ تو اس کے لیے کوئی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ یہودی ہونے کی حالت میں مرے یا نصرانی، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالی اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا، اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی"۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۸۱۲) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو ان شہروں میں بھیجوں، پھر وہ ان لوگوں کی تحقیق کریں کہ جنہوں نے استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا، پھر وہ ان لوگوں پر ٹیکس لاگو کریں؛ (کیوں کہ) وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں"۔

حج کے اجر وثواب جو احادیث مبارکہ کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، وہ کسی بھی مسلمان کو حج وعمرہ کا شوق دلانے کے لیے کافی ہیں۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالی نے مال و دولت سے نوازا ہے، ان کو چاہیے کہ خود کو حج وعمرہ کے عظیم ثواب سے محروم نہ کریں، کیوں کہ ہم ہمہ دم نیکیوں کے حصول اور گناہوں وسیئات سے مغفرت کے سخت محتاج ہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ہماری زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ کاغذ کی ایک ناؤ ہے، جہاں تک پہنچ جائے غنیمت ہے۔ آپ کی یہ ڈیڑھ دن کی زندگی چلی گئی؛ تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گی۔ پھر حج کرنے میں کیوں تاخیر!

فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ان احکام کی پابندی کے لئے اللہ سے ڈرتے رہو کہیں خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ بعض اوقات انسان باریک احکام کو نظرانداز کر جاتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ وَاعْلَمُوْٓا اس بات کو اچھے طریقے سے سمجھ لینا چاہئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑے گا۔ تو اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔ لہٰذا اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ تا کہ اس کی خوشنودی حاصل ہو اور تم عذاب سے بچ جاؤ۔

# حج کے مہینے/ رَفَث اور فُسوق کی تحقیق وتفسیر/ تقویٰ بہترین زادہ راہ ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

## حج کے احکام وآداب

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلْحَجُّ | حج (کا وقت) | اَشْهُرٌ | چند مہینے ہیں |
| مَّعْلُوْمٰتٌ | معلوم (مقرر) | فَمَنْ | پس جس نے |

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فَرَضَ | لازم کرلیا | فِيهِنَّ | ان میں | الْحَجَّ | حج کو | | |
| فَلَا | تو نہ | رَفَثَ | شہوت کی باتیں کرنا | وَلَا فُسُوقَ | اور نہ نافرمانی کرنا | | |
| وَلَا | اور نہ | جِدَالَ | جھگڑا کرنا | فِي الْحَجِّ | حج میں | وَمَا | اور جو |
| تَفْعَلُوا | تم کرو گے | مِنْ خَيْرٍ | نیکی سے | | | | |
| يَّعْلَمْهُ | اسے جانتا ہے | اللّٰهُ | اللہ | وَتَزَوَّدُوا | اور تم زادراہ لے لو | | |
| فَإِنَّ | پس بیشک | خَيْرَ | بہترین | الزَّادِ | زادراہ | | |
| التَّقْوٰى | تقوی ہے | وَاتَّقُوْنِ | اور تم مجھ سے ڈرو | | | | |
| يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ | اے عقل والو۔(197) | | | | | | |

**اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ:** حج چند معلوم مہینے ہیں۔حج کے چند احکام بیان کرنے کے بعد یہاں مزید حج کے احکام وآداب بیان کئے جارہے ہیں۔فرمایا گیا کہ حج کے چند مشہور ومعروف مہینے ہیں یعنی شوال، ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن۔حج کے ارکان صرف ساتویں ذی الحجہ سے بارھویں تک ادا ہوتے ہیں۔مگر شوال، ذیقعدہ کو بھی حج کے مہینے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان میں احرام باندھنا بلا کراہت جائز ہے اور ان سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ حج کا احرام بھی چوں کہ حج کے اعمال میں سے ایک عمل ہے، اسی طرح حج تمتع یا حج قران میں ادا کیا جانے والا عمرہ بھی حج کے اعمال کی تمہید ہے، اور یہ سب اعمال شوال داخل ہونے کے بعد انجام دیے جاتے ہیں، تو گویا حج کے اعمال کا آغاز شوال سے ہی ہوجاتا ہے، خاص مناسکِ حج کی ادائیگی سے پہلے گویا حج کے احترام اور استقبال کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں، اس اعتبار سے بھی ان مہینوں کو حج کے مہینے کہا گیا ہے، یعنی یکم شوال سے دس ذی الحجہ تک کی مدت کا نام اشہر حج ہے۔حج کا احرام اسی مدت کے اندر اندر باندھا جاسکتا ہے۔اگر کوئی اس سے پہلے باندھے تو وہ ناجائز یا مکروہ ہوگا البتہ عمرہ کا احرام باندھا جاسکتا ہے۔

## احرام کہاں سے باندھیں؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہو کر پوچھنے لگا یا رسول ﷺ! ہم احرام کہاں سے باندھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ والے **ذُو الحُلَيْفَه** سے باندھیں، (یہ مدینہ منورہ کے قریب واقع میقات کا نام ہے، جسے "ابیارِ علی" یا مسجدِ شجرہ بھی کہا جاتا ہے۔) شام والے **جُحْفَه** سے (یہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک تاریخی مقام اور میقات (احرام باندھنے کی جگہ) ہے۔) اور نجد والے **قَرْنُ الْمَنَازِل** سے (یہ طائف کے قریب ایک مشہور مقام (میقات) ہے جہاں سے اہل نجد اور وہاں سے گزرنے والے حج وعمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں، جسے اب" سیل الکبیر" بھی کہا جاتا ہے۔) اور یمن والے **یلملم** سے۔ (یہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے جو یمن کی طرف سے آنے والے حاجیوں کے لیے میقات (احرام باندھنے کی جگہ) ہے۔) (بخاری، کتاب العلم، باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد)

## رفث، فسوق اور جدال کا معنی ومفہوم

**فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ:** تو جو ان میں حج کو لازم کرلے۔ حج لازم کرنے سے مراد حج کا احرام باندھنا ہے؛ کیوں کہ احرام باندھنے کے بعد حج لازم ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ چیزیں لازم ہیں یعنی حج کے دوران جن تین برے اعمال اور رویوں سے بچنے کی خاص تاکید کی گئی ہے

(1)...... "رَفَثَ" سے ہر وہ شہوانی عمل مراد ہے جو مرد کسی عورت سے کرسکتا ہے، خواہ زبان سے ہو جیسے فحش مذاق، ہاتھ اور اعضاء سے ہو، جیسے بوس وکنار، یا ہم بستری، (احکام القرآن لابن العربی: ۱/ ۱۳۲، البحر الرائق: ۲/ ۵۶۶) ہم بستری تو حج ہی فاسد کردے گی، باقی افعال بھی حد درجہ مکروہ ہیں، یہاں یہی افعال مراد ہیں۔ البتہ نکاح کرسکتا ہے۔ یعنی اس سے مراد ہر قسم کی فحش کلامی، شہوانی گفتگو اور جماع (ہم بستری) کے وہ تمام تر مقدمات ہیں جن میں بوس وکنار یا شہوت انگیز باتیں شامل ہوں گی (2)...... "فُسُوقَ" (نافرمانی) کا لفظ ہر گناہ کو شامل ہے، یعنی فسق میں ہر طرح کا گناہ داخل ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے۔ یہ لفظ 'فسق' سے نکلا ہے،

جس کالغوی معنی حد سے نکلنا یا نافرمانی کرنا ہے ۔شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہر قسم کے گناہ، برائیاں اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہے یعنی حالتِ احرام میں حکم: اس میں جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا، سود خوری، والدین کی نافرمانی اور احرام کی پابندیوں کو توڑنا شامل ہے ۔(3)...... اور ”جِدَالَ“ سے لڑائی جھگڑا مراد ہے یہ لفظ' جدل سے ہے جس کا معنی بحث وتکرار اور جھگڑا کرنا ہے ۔حالتِ احرام میں حکم: دورانِ حج یا عمرہ، ساتھیوں، خادموں یا دیگر لوگوں کے ساتھ ناحق بحث وتکرار کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا اور کسی پر ناجائز دباؤ ڈالنا منع ہے ۔تاہم، وہ علمی وشرعی بحث جس کا مقصد حق کو واضح کرنا ہو، اس میں شامل نہیں ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اس گھر کا حج کیا اور (دوران حج میں) رفث وفسوق نہیں کیا وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک) لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔“ فسوق سے بچنا۔فسق کا معنیٰ ہے گناہ اور برائی کے کام ۔وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ: اور تم جو بھلائی کرو ۔ برائیوں کی ممانعت کے بعد نیکیوں کی ترغیب دی گئی ہے کہ بجائے فسق کے تقویٰ اور بجائے لڑائی جھگڑا کے اخلاق حمیدہ اختیار کرو ۔حج مشقت کی عبادت ہے، مسلسل دوڑ دھوپ اور ازدحام کے باعث بڑے بڑے صابر بھی بے برداشت ہوجاتے ہیں، اس لئے خاص طور پر اس کی تلقین فرمائی گئی، جن حضرات کو حج کی سعادت حاصل ہو چکی ہے، ان کو اس حکم کی اہمیت کا خوب اندازہ ہے! یاد رہے کہ گناہ کے کام اور لڑائی جھگڑا تو ہر جگہ ہی ممنوع ہے لیکن چونکہ حج ایک عظیم اور مقدس عبادت ہے اس لئے اس عبادت کے دوران ان سے بچنے کی بطورِ خاص تاکید کی ہے ۔مختصر یہ کہ حج کے مقدس اور پاکیزہ سفر میں ان تینوں چیزوں سے بچنا لازم ہے، تاکہ حاجی گناہوں سے پاک ہو کر تقویٰ کی راہ پر چل سکے ۔

## مسافر کو زادِراہ لینے کی ہدایت

وَتَزَوَّدُوْا: اور زادِ راہ لو ۔شانِ نزول: بعض یمنی لوگ حج کے لیے بغیر سامانِ سفر کے روانہ ہوتے تھے اور اپنے آپ کو متوکل یعنی ”توکل کرنے والا“ کہتے تھے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں سے

مانگنا شروع کر دیتے اور کبھی غصب اور خیانت کے مرتکب بھی ہوتے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔(خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۹۷، ۱ / ۱۳۹) اس آیت میں حج کے سفر کا ذکر ہے۔زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ بغیر سامانِ سفر کے محض توکل کی نیت سے نکلتے تھے اور دورانِ سفر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے۔قرآنِ مجید نے اس عمل سے منع فرمایا۔حکم دیا گیا کہ سفر کے لیے حلال کمائی سے خوراک اور ضروریات کا سامان ساتھ لے کر چلیں تاکہ دوسروں پر بوجھ نہ بننا پڑے۔یعنی کھانے کے توشہ کے ساتھ ''عمل کا توشہ'' بھی ساتھ رہے،بعض مفسرین کے نزدیک یہاں تقویٰ کے معنی بچنے کے ہیں کہ دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچو۔اور حکم ہوا کہ سفر کا سامان لے کر چلو، دوسروں پر بوجھ نہ ڈالو اور سوال نہ کرو کہ یہ تمام چیزیں توکل اور تقویٰ کے خلاف ہیں اور تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے۔نیز یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ جس طرح دنیوی سفر کے لیے سامانِ سفر ضروری ہے ایسے ہی سفر آخرت کے لیے پرہیزگاری کا سامان لازم ہے۔وَ اتَّقُوْنِ: اور مجھ سے ڈرو۔}عقل والے کہہ کر اس لئے مخاطب کیا تاکہ لوگوں کو سمجھ آجائے کہ عقل کا تقاضا خوفِ الٰہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے وہ بے عقلوں کی طرح ہے۔عقل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے خوف پیدا کرے اور جس عقل سے آدمی بے دین ہو وہ عقل نہیں بلکہ بے عقلی ہے۔ابوجہل بے عقل تھا اور حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عقلمند تھے۔

## اسلام کا اعتدال و توازن

| | | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| لَیْسَ | نہیں ہے | عَلَیْکُمْ | تم پر | جُنَاحٌ | کوئی گناہ | اَنْ | یہ کہ |
| تَبْتَغُوْا | تم تلاش کرو | فَضْلًا | فضل | مِّنْ رَّبِّکُمْ | اپنے رب کا |
| فَاِذَآ | پھر جب | اَفَضْتُمْ | تم لوٹو | مِّنْ عَرَفٰتٍ | عرفات سے |
| فَاذْكُرُوا | تو یاد کرو | اللّٰهَ | اللہ کو | عِنْدَ | نزدیک |
| الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ | مشعر حرام کے | وَاذْكُرُوْهُ | اور تم اُس کو یاد کرو |
| كَمَا | جیسے | هَدٰىكُمْ | اس نے تمہیں ہدایت دی | وَاِنْ | اور تحقیق |

| | | | |
|---|---|---|---|
| كُنْتُمْ | تم تھے | مِّنْ قَبْلِهٖ | اس سے پہلے |
| لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ | | گمراہوں (میں) سے۔(198) | |

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ شانِ نزول: بعض مسلمانوں نے خیال کیا کہ راہِ حج میں جس نے تجارت کی یا اونٹ کرایہ پر چلائے اس کا حج ہی ضائع ہوگیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(ابو داوٗد، کتاب المناسک، باب الکریٰ، ۲/ ۱۹۸، الحدیث: ۱۷۳۳)

حج جہاں ایک عبادت ہے، وہیں قدیم زمانہ میں عربوں کے لئے یہ تجارت اور کاروبار کا بھی سنہرا موقع ہوتا تھا اور اہل مکہ کی معیشت تو بہت کچھ اسی سے متعلق تھی ، اسلام کے آنے کے بعد حج کے موقع سے تجارت کرنے میں مسلمانوں کو تامل تھا، کہ کہیں یہ اخلاص کے خلاف نہ ہو اور دین کے ساتھ دنیا کی آمیزش نہ شمار کی جائے، قرآن مجید واضح کر رہا ہے کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور ضمناً تجارت بھی کر لی جائے، تو اس میں حرج نہیں ، اسلام کا اعتدال و توازن دیکھئے کہ یہاں مال کو 'فضل' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، فضل کے معنی اللہ کے انعام کے ہیں، گویا حلال طریقہ سے مال حاصل کرنا انعامِ خداوندی کو حاصل کرنا ہے، نہ گناہ ہے اور نہ خدا کے پاس درجہ و مقام کو گھٹانے والا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک تجارت سے افعال حج کی ادا میں فرق نہ آئے اس وقت تک تجارت کی اجازت ہے۔ نیز یہاں مال کو رب عَزَّ وَجَلَّ کا فضل قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مال فی نفسہ بری چیز نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال برا ہے۔ ہزاروں نیکیاں صرف مال کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہیں جیسے زکوٰۃ و صدقات و حج و عمرہ وغیرہ۔

## حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی ملاقات

فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ: تو جب تم عرفات سے واپس لوٹو۔ عرفہ (دن کا نام) اور عرفات (مقام کا نام) لفظ عَرَفَ سے ماخوذ ہیں، جس کا بنیادی معنیٰ" پہچاننا" اور" جاننا یعنی عرفات ایک مقام کا نام ہے جو حج میں وقوف (یعنی ٹھہرنے) کی جگہ ہے۔ مشہور مفسر ضحاک کا قول ہے کہ حضرت آدم

عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور حضرت حوا رضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا جدائی کے بعد 9 ذی الحجہ کو عرفات کے مقام پر جمع ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اس لیے اس دن کا نام عرفہ اور مقام کا نام عرفات ہوا۔ (تفسیر قرطبی، البقرۃ، تحت الایۃ: ۱۹۸، ۱ / ۳۲۰، الجزء الثانی) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسکِ حج سکھائے اور پوچھا کہ ”کیا آپ نے پہچان لیا؟ تو انہوں نے جواب دیا ” عَرَفْتُ “ (میں نے پہچان لیا) ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس روز بندے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اس لئے اس دن کا نام عرفہ ہے۔ (خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۹۸، ۱ / ۱۴۰) حاجی کیلئے 9 ذی الحجہ کے زوالِ آفتاب سے لے کر 10 ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے تک کم از کم ایک لمحے کیلئے عرفات میں وقوف فرض ہے۔ اور 9 تاریخ کو اتنی دیر وقوف کرنا کہ وہیں سورج غروب ہو جائے یہ واجب ہے۔ (عالمگیری، کتاب المناسک، الباب الخامس، ۱ / ۲۲۹) یعنی 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا سب سے اہم رکن ہے، جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے۔ اَلْحَجُّ عَرَفَةُ (عرفات میں وقوف ہی حج ہے) یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے، بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور عشا کی دو رکعت (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے، کیوں کہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے، فجر کی نماز غَلَسٌ اندھیرے) میں یعنی اول وقت میں پڑھ کر طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہا جائے، طلوع آفتاب کے بعد منیٰ جایا جائے۔ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ: مشعر حرام کے پاس۔ مَشْعَرِ حرام مُزدلفہ میں وہ جگہ ہے جہاں امام حج وقوفِ مزدلفہ کرتا ہے۔ مزدلفہ میں واقع وادی مُحَسِّر کے سوا تمام مزدلفہ وقوف کا مقام ہے۔ اس لئے یوں تو مزدلفہ میں سوائے ”وادیٔ محسر“ کے کہیں بھی وقوف کر لیا جائے کافی ہے؛ لیکن اس جگہ وقوف کرنا اور ذکر و دعاء کا اہتمام رکھنا افضل ہے۔ مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے اور فجر کا وقت شروع ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب کے دوران کم از کم ایک لمحے کیلئے وہاں ٹھہرنا واجب ہے۔ بغیر عذر وقوفِ مزدلفہ ترک کرنے سے دم لازم آتا ہے اور مشعر حرام کے پاس وقوف افضل ہے۔ مزدلفہ میں وقوف کے دوران تَلْبِیَہ تہلیل و تکبیر اور ثناء و دعا وغیرہ

میں مشغول رہنا چاہیے۔ 9 ذوالحجہ کو مزدلفہ میں نمازِ مغرب وعشاء کو ملا کر عشاء کے وقت میں پڑھنا ہوتا ہے۔ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ اور اسے یاد کرو۔ فرمایا گیا کہ تم ذکر وعبادت کا طریقہ نہ جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ذریعے تمہیں عبادت کے طریقے سکھائے لہٰذا اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ یعنی جاہلیت میں بھی اہل عرب اللہ کا ذکر تو کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کا ذکر بھی شامل کر لیتے تھے، بتایا جا رہا ہے کہ مومن کا ذکر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہونا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔

## عرفات میں ''وقوف'' حج کا رکن اعظم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ثُمَّ | پھر | اَفِیْضُوْا | تم لوٹو | مِنْ حَیْثُ | جہاں سے |
| اَفَاضَ | لوٹیں | النَّاسُ | سب لوگ | | |
| وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ | اور مغفرت چاہو اللہ (سے) | اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ | | |
| غَفُوْرٌ | بہت زیادہ بخشنے والا | رَّحِیْمٌ | نہایت رحم کرنے والا ہے۔(199) | | |

''مزدلفہ'' تک کا حصہ حدودِ حرم کے اندر ہے اور ''عرفات'' حرم سے باہر واقع ہے، قریش چوں کہ حرم میں سکونت پذیر تھے؛ اس لئے اسلام سے پہلے انھوں نے اپنے لئے یہ امتیاز اختیار کر لیا تھا کہ تمام حاجی تو عرفات جاتے تھے، یہ مزدلفہ میں رہ جاتے تھے، حدودِ حرم سے باہر نہ جاتے تھے اور عرفات جانے کو اپنے لئے کسر شان تصور کرتے تھے، (بخاری عن عائشہ، باب: ثم أفیضوا الخ، حدیث نمبر: ۴۵۲۰) اسلام نے اس تکبر اور امتیاز پر مبنی عمل کی مذمت کی، اس کو صحیح راستہ سے ہٹا ہوا طریقہ قرار دیا، یہاں تک کہ عرفات میں ''وقوف'' کو حج کا رکن اعظم بنا دیا، جہاں جائے بغیر حج ہی نہیں ہوسکتا، آیت میں یہی حکم دیا جارہا ہے کہ جیسے دوسرے حجاج عرفات جا کر پھر طوافِ زیارت کے لئے مکہ کی طرف واپس آتے ہیں، قریش کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

# منیٰ میں رات کا کتنا حصہ ٹھہرنا ضروری ہے/طواف زیارت ذکر الٰہی/ دنیا اور آخرت کیلئے جامع دعا

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

## عرفات اور مزدلفہ کے مناسک/ وقوف عرفہ حج کا رکن اعلیٰ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَاِذَا | پھر جب | قَضَيْتُمْ | تم ادا کر چکو | مَّنَاسِكَكُمْ | تم اپنے حج کے احکام |
| فَاذْكُرُوا | تو یاد کرو | اللّٰهَ | اللہ کو | | |
| كَذِكْرِكُمْ | جیسے تم یاد کرتے ہو | اٰبَآءَكُمْ | اپنے باپ دادا کو | | |
| اَوْ اَشَدَّ | بلکہ اُس سے بھی زیادہ | ذِكْرًا | یاد کرنا | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَمِنَ النَّاسِ | پس کچھ لوگ (وہ ہیں) | مَنْ | جو | | |
| يَّقُوْلُ | کہتے ہیں | رَبَّنَآ | اے ہمارے رب | اٰتِنَا | ہمیں دے |
| فِي الدُّنْيَا | دنیا میں | وَمَا | اور نہیں ہے | | |
| لَهٗ | اس کے لیے | فِي الْاٰخِرَةِ | آخرت میں | | |
| مِنْ خَلَاقٍ | کچھ حصہ۔(200) | | | | |

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ پھر جب تم مناسک حج کو پورا کر چکو۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تو اللہ کا ذکر کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم عرفات اور مزدلفہ کے مناسک ادا کرلو تو پھر منیٰ آ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ کہ حج کے تمام ارکان منیٰ میں آ کر ختم ہو جاتے ہیں اور یہاں کا قیام حج کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ حج کے جملہ مناسک آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھنے سے شروع ہوتے ہیں اس دن حاجی منیٰ میں پہنچتے ہیں اور سنت کے مطابق وہاں پر پانچ نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں تاریخ کی فجر ادا کرتے ہیں۔ سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ وقوف عرفہ حج کا رکن اعلیٰ ہے۔ وہاں پر نویں تاریخ کو زوال کے بعد مسجد نمرہ میں امام حج کا خطبہ پڑھتا ہے۔ اس کے بعد اذان ہوتی ہے۔ پھر تکبیر اور امام دو رکعت نماز ظہر پڑھاتا ہے۔ معاً بعد پھر تکبیر ہوتی ہے اور دو رکعت نماز عصر ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف ہوتا ہے۔ پھر سر شام ہی واپس مزدلفہ کی طرف چل دیتے ہیں۔ اور مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں آ کر ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ دسویں تاریخ کی نماز فجر اول وقت میں مزدلفہ میں ادا کرکے وہاں وقوف ہوتا ہے۔ ذکر و دعائیں ہوتی ہیں اور پھر طلوع شمس سے پہلے ہی منیٰ کے لئے روانگی ہوتی ہے۔ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے "جَمْرَہ عَقَبَہ پر رمی کی جاتی ہے۔ یہ حج کے دوران منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے کا آخری اور سب سے بڑا استون ہے، جسے "جَمْرَہ عَقَبَہ یا" جمرہ کبریٰ" (بڑا شیطان) بھی کہا جاتا ہے۔ اکثر لوگ اسے غلطی سے "عقبیٰ" (اُردو میں آخرت کے معنوں میں) پڑھتے ہیں، جبکہ صحیح لفظ عَقَبَہ (عین پر زبر، قاف پر زبر، اور با پر زبر) ہے دس تاریخ کو صرف ایک

ہی شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔اس کے بعد دوسری منزل قربانی کی آتی ہے یہ دونوں کام بڑے مشکل ہوتے ہیں۔بے پناہ رش کی وجہ سے قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔قربانی کے لئے حکومت نے قربان گاہ کے طور پر جگہ متعین کر دی ہے۔تمام حاجی وہیں پر قربانی کرتے ہیں۔یہ وہی مقام ہے۔جہاں پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے قربانی کی تھی۔آج کل وہاں پر ہر قسم کے قربانی کے جانور مل جاتے ہیں۔لوگ وہیں سے جانور خریدتے ہیں اور وہیں ذبح کر دیتے ہیں توانا آدمی قربان گاہ پہنچ جاتے ہیں اور ضعیف حاجی اور عورتیں اس کام کے لئے دوسروں کو مامور کر دیتے ہیں۔قربانی کے بعد اگلا کام حجامت بنوانا ہے۔رش کی وجہ سے یہ کام بھی بڑی مشکل سے انجام پاتا ہے۔بال منڈائے یا کترائے جاتے ہیں اور پھر احرام کھول دیا جاتا ہے (لیکن عورت کے پاس جانا منع ہوتا ہے طواف تک)

## طواف زیارت کا وقت اور طریقہ

حج کا اگلا رکن بیت اللہ شریف کا طواف ہے۔اسے طواف زیارت کہا جاتا ہے اور یہ فرض ہے۔ اسی طواف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا " ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (29)۔" ارشاد فرمایا کہ پھر انہیں چاہیے کہ اپنا میل کچیل اتاریں، مونچھیں کتروائیں ،ناخن تراشیں ،بغلوں اور زیرِ ناف کے بال دور کریں اور جو منتیں انہوں نے مانی ہوں وہ پوری کریں اور اس آزاد گھر کا طواف کریں۔اس سے طوافِ زیارت مراد ہے۔طوافِ زیارت دس ذوالحجہ کی صبح صادق سے بارہ ذوالحجہ کے غروبِ آفتاب تک کیا جاسکتا ہے۔اگر اس وقت میں طواف نہیں کیا تو بعد میں بھی کرنا ہوگا، یہ ذمہ پر رہے گا، البتہ بلا عذرِ شرعی تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا، باقی اس کا طریقہ وہی ہے جو عام طواف کا ہے، البتہ اگر بعد میں سعی کرنے کا ارادہ ہے تو پہلے تین چکروں میں رمل کیا جائے گا۔اور اگر حج کی سعی پہلے کر چکا ہے، اور احرام کھولنے کے بعد طوافِ زیارت کر رہا ہے، تو نہ رمل کرے گا اور نہ ہی اضطباع کیا جائے گا؛ کیوں کہ رمل و اضطباع صرف اسی طواف میں ہوتا ہے جس کے بعد سعی کرنے

کاارادہ ہو۔یعنی یہ طواف بھی دس تاریخ کو ہی کیا جاتا ہے اگرکسی وجہ سے کوئی شخص آج کے دن طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ نہ جاسکے تو گیارہ تاریخ کو کرے۔اسے بارہ تاریخ تک بھی بوجوہ مئوخر کیا جاسکتا ہے۔اگر بارہ تاریخ کے بعد طواف کریگا تو اسے ساتھ دم پڑے گا اور یہ فرض ادا ہوجائے گا۔یہ طواف چونکہ عازمین حج نے مقرر اوقات میں لازمی کرنا ہوتا ہے۔اس لئے اس موقع پر بھی بڑا سخت ہجوم ہوتا ہے۔طواف کے بعد صفاومردہ کی سعی بھی ہے۔اس کے بعد کہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں بلکہ واپس مِنٰی آنا ہوتا ہے۔یہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک تاریخی وادی کا نام ہے جہاں حجاج کرام حج کے دوران قیام کرتے ہیں گیارہ بارہ اور تیرہ ذی الحجہ ایام منیٰ کہلاتے ہیں۔ان ایام میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے۔البتہ معذور لوگوں کو استثناء حاصل ہوتا ہے۔یہ ہیں وہ تمام مناسک حج جو مختلف مقامات پر پورے کرنے ہوتے ہیں۔زمانہ جاہلیت میں ایام منیٰ کے دوران بہت بڑی منڈی یا میلہ لگتا تھا۔جس میں خرید وفروخت کے علاوہ مختلف قبیلے اپنے اپنے خاندان کی مدح سرائی کرتے اپنی اپنی خوبیاں بیان کرتے،بڑوں کے کارنامے دہراتے اوراس طرح اپنے آباؤ اجداد کا نام زندہ رکھتے حضور ﷺ نے اس خاندانی تفاخر کی ممانعت فرمائی۔

## اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم حج کے باقی مناسک ادا کرچکو فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تو منیٰ میں آ کر اللہ کا ذکر کرو كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو۔اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یا اس سے بھی زیادہ ذکر مقصد یہ کہ اس موقع پر خاندانی قصیدہ خوانی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرو جس نے تمہیں ہدایت دی۔ایمان کی دولت سے نوازا اور پھر حج جیسی نعمت سے مشرف کیا لہٰذا جہاں تک ممکن ہو،اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر اور اب دیکھ لیجیے مناسک حج بذات خود ذکر الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں۔قربانی کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔شیطان کو کنکریاں مارتے وقت بھی یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔جب نماز پڑھی جاتی ہے تو تکبیرات تشریق بلند ہوتی ہیں۔عرفات اور مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے۔

## لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کا معنی اور اس سے مراد!

اور تلبیہ کے الفاظ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ تو ذکر الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔حج چونکہ شعارِ توحید ہے اس لیے جس وقت سے انسان حج کی ابتدا کرتا ہے اسی لمحے سے نعرۂ توحید بلند کرنا شروع کر دیتا ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہنا شروع کیا: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ (”مسلم) لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ" کا مطلب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بار بار حاضر ہوں،"لَبَّيْكَ" کا لفظ تکرار کے ساتھ یہ واضح کرنے کے لیے ہے کہ اللہ کے سامنے حاضری ہمیشہ اور مسلسل ہوگی۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ”یعنی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں آنے کے بعد بھی مزید اطاعت گزاری کیلیے تیار ہوں۔یعنی اے اللہ! میری تیری اطاعت پر قائم ہوں اور اسی پر دائم رہوں گا، چنانچہ تلبیہ میں اللہ کی بندگی پر قیام اور پھر اسی پر گامزن رہنے کا عزم ہے۔تلبیہ ملتِ ابراہیمی میں عقیدہ توحید کا شعار اور سلوگن ہے، یہ عقیدہ توحید ہی حج کا مقصد اور حج کی روح ہے، بلکہ صرف حج ہی نہیں تمام عبادات کی روح اور ان کا ہدف بھی عقیدہ توحید ہی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تلبیہ کو عبادتِ حج میں داخلے کیلیے کنجی کی حیثیت حاصل ہے۔

## دو قسم کے لوگوں کا ذکر

آگے اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا۔پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا کی خواہش رکھتے ہیں فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا میں ہی عطا کر دے۔ایسے لوگ آخرت کے طلبگار نہیں ہوتے دوسرے مقام پر اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا کہ وہ کہتے ہیں ”رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ“ اے ہمارے رب یعنی جو کچھ ہمارا حصہ ہے وہ ہمیں

یوم حساب سے پہلے ہی مل جائے۔ ہمیں آخرت کی کوئی فکر نہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں دنیا کا مال و دولت جاہ و مرتبہ، آرام و آسائش، صحت اور تندرستی حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ اس قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں۔ جو حج پر جا کر بھی دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ بیماری سے نجات، قحط سالی سے پناہ، اولاد اور کاروبار ہی چاہتے ہیں اور آخرت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ فرمایا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ دنیا کے طالبوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جنت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے آخرت کی خواہش ہی نہیں کی۔ یاد رہے کہ مومن اگر دنیا کی بہتری طلب کرتا ہے تو وہ بھی جائز ہے اور یہ طلب دنیا اگر دین کی تائید و تقویت کے لئے ہو تو یہ دعا بھی امورِ دین سے شمار ہوگی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ آخرت کو اصلاً فراموش کر کے صرف دنیا مانگنا بہرحال مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

## دنیا اور آخرت دونوں کے طلب گار لوگ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمِنْهُمْ | اور اُن میں سے کچھ | مَّنْ | (وہ ہیں) جو | يَّقُوْلُ | کہتے ہیں |
| رَبَّنَآ | اے ہمارے رب | اٰتِنَا | ہمیں دے | فِي الدُّنْيَا | دنیا میں |
| حَسَنَةً | بھلائی | وَّفِي الْاٰخِرَةِ | اور آخرت میں | حَسَنَةً | بھلائی |
| وَّقِنَا | اور ہمیں بچا | عَذَابَ النَّارِ | آگ کے عذاب سے (201) | | |

فرمایا وَمِنْهُمْ انہی میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَّنْ يَّقُوْلُ جو کہتے ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اور ہمیں آخرت میں بھی بھلائی نصیب فرما اور پھر دوزخ سے پناہ بھی مانگتے ہیں۔ وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ دوزخ سے بچنے کا مطلب یہ ہے دنیا میں گناہ اور برائی سے بچ جائے۔ اگر اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو آخرت میں دوزخ سے بھی بچ جائے گا۔ غرضیکہ جو نیک لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کے طلبگار ہوتے ہیں۔) گویا مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خدا سے دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے طالب ہوتے ہیں، صرف دنیا

کے لئے دعاء کرنا، آخرت پر ایمان سے محرومی کی دلیل ہے اور صرف آخرت طلب کرنا اور دنیا کے بارے میں خدا سے سوال نہ کرنا اللہ سے ایک گونہ بے نیازی ہے، اس لئے یہ دونوں ہی باتیں مذموم ہیں، انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام اور اللہ کے نیک بندوں نے دونوں چیزیں اللہ ہی سے مانگی ہیں مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اچھی بیوی، اچھی سواری، اچھا مکان دنیا کے اعتبار سے انسان کی نیک بختی ہے۔ انسان کے لئے صحت بھی ضروری ہے کہ عبادت اور دیگر امور کا مدار اسی پر ہے۔ یہ سب چیزیں حسنہ ہیں۔ مگر مقصود بالذات ایمان باللہ، خدا کی عبادت اور اعمال صالحہ ہیں۔ جو چیز ان کے تابع ہو کر آئیگی وہ حسنہ ہی کہلائے گی۔

## دین و دنیا کی تمام بھلائیاں

اس آیت میں ذکر کردہ دعا بہت جامع دعا ہے اور تھوڑے الفاظ میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں اس میں مانگی گئی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' (بخاری)

## قیامت کو دور نہ سمجھو

| | | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| اُولٰٓئِكَ | یہی لوگ (ہیں) | لَهُمْ | ان کے لیے | نَصِیْبٌ | حصہ ہے |
| مِّمَّا | اس سے جو | كَسَبُوْا | انہوں نے کمایا | وَاللّٰهُ | اور اللہ |
| سَرِیْعُ | جلد | الْحِسَابِ | حساب لینے والا ہے۔(202) | | |

فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ان لوگوں کے لئے اس چیز میں سے حصہ ہے۔ جو دنیا میں ہی ختم ہوگیا، آگے ان کے لئے کچھ نہیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے اعمال آخرت کا ذخیرہ بنتے ہیں فرمایا ان کے لئے حصہ ہے۔ جو انہوں نے کمایا، وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے جب قیامت برپا ہوگی۔ حساب کی منزل شروع ہوجائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو طے کردیں گے۔ اس کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ

حساب لیں گے تو حساب لینے میں زیادہ وقت نہ لگے گا، بہت جلد حساب ہوجائے گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کو دور نہ سمجھو، جلد ہی آئے گی اور جلد ہی حساب وکتاب ہوجائے گا۔

## منیٰ'' کے ایام میں حجاج کا خاص عمل

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَاذْكُرُوا | اور تم یاد کرو | اللّٰهَ | اللہ کو |
| فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ | گنتی کے دنوں میں | فَمَنْ | پھر جس نے |
| تَعَجَّلَ | جلدی کی | فِيْ يَوْمَيْنِ | دو دنوں میں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَلَآ | تو نہیں ہے | اِثْمَ | کوئی گناہ | عَلَيْهِ | اس پر |
| وَمَنْ | اور جس نے | تَاَخَّرَ | تاخیر کی | فَلَآ | تو نہیں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِثْمَ | کوئی گناہ | عَلَيْهِ | اس پر (بھی) |
| لِمَنِ اتَّقٰى | واسطے اُس کے جو ڈرتا رہا | وَاتَّقُوا | اور تم ڈرو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اللّٰهَ | اللہ سے | وَاعْلَمُوْٓا | اور جان لو | اَنَّكُمْ | کہ بیشک تم |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِلَيْهِ | اسی کی طرف | تُحْشَرُوْنَ | جمع کیے جاؤ گے۔(203) |

اس فقرہ میں تین باتیں بتائی گئیں، اول یہ کہ ۱۱، ۱۲/ ذوالحجہ کو قیامِ ''منیٰ'' کے ایام میں حجاج کا خاص عمل ذکر اور تکبیر تشریق کا اہتمام ہے، 'ایام معدودات' سے ایام تشریق ہی مراد ہیں، دوسرے: منیٰ میں صرف ۱۱-۱۲/ کا قیام بھی کافی ہے، اگر ۱۲/ کو نکلنا ہو تو غروبِ آفتاب سے پہلے نکل جانا بہتر ہے، اگر ۱۳/ کی صبح منیٰ میں ہوگئی، تو پھر ۱۳/ کو بھی منیٰ میں رمی واجب ہوجائے گی، یہ حنفیہ کی رائے ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر ۱۲/ کا آفتاب منیٰ میں غروب ہوگیا، تو اب ۱۳/ کا وقوف اور اس میں رمی کرنا لازم ہوجائے گا (تحفۃ الفقہاء: ۱/ ۴۰۹)، تیسرے: اگر ۱۳/ ذوالحجہ کو منیٰ میں ٹھہر کر رمی کرکے آنا چاہے تو یہ بھی درست ہے؛ بلکہ افضل ہے، بدعت اور دین میں اضافہ نہیں ہے اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ حج کے موقع پر لوگ حشر کی طرح جمع ہوتے ہیں، اس لیے حج کے ذکر کے ساتھ حشر کا دن یاد دلا کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا۔

یاد رکھیں! حج کے جو اہم اعمال ہیں، وہ منیٰ، مزدلفہ، عرفات، اور رمی کے مقامات پر انجام دیے جاتے ہیں، نہ کہ کسی ہوٹل یا آرام گاہ میں۔ آپ نے اس حج کے لیے سب کچھ قربان کیا ہے: اپنا وطن چھوڑا اپنے اہلِ خانہ چھوڑے، سالوں تک پیسے جمع کیے، دعائیں کیں کہ اللہ آپ کو حج کی سعادت عطا کرے، تو اب جب آپ یہاں پہنچ چکے ہیں، شیطان آپ کو منیٰ سے نکال کر کسی بلڈنگ میں نہ لے جانے دیں۔ ہاں، منیٰ کے پہلے دن کچھ تھکن یا رش کی وجہ سے مشکل ہو سکتی ہے، لیکن اس پر صبر کریں۔ چند گھنٹوں بعد حالات معمول پر آجاتے ہیں، اور پھر منیٰ میں سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ منیٰ کے شروع کے چند گھنٹے تھوڑے مشکل ہو سکتے ہیں، جب تمام حاجی ایک ساتھ منیٰ میں پہنچتے ہیں تو ابتدا میں کچھ رش اور بے ترتیبی محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ وقتی بات ہوتی ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد ہر حاجی اپنے اپنے اعمال میں مصروف ہو جاتا ہے، منیٰ کا رش کم ہو جاتا ہے، اور وہاں سکون اور اطمینان کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صبر سے کام لیں، حوصلہ رکھیں، اور منیٰ کو ہرگز نہ چھوڑیں۔ لہٰذا: منیٰ کو نہ چھوڑیں زیادہ سے زیادہ وقت منیٰ میں گزاریں وہی اصل حج ہے، وہی اصل عبادت ہے، اللہ آپ کے حج کو قبول فرمائے، اور آپ کو شیطان کے وار سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

# مخلص اور منافق/مسلمان مگر منافق/سعودی عرب میں اجرائے حدود/ جاں نثاران اسلام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ
وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ
وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

## مخلص اور منافق کا حال

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمِنَ النَّاسِ | اور کچھ لوگ | مَنْ | وہ ہیں کہ | یُّعْجِبُكَ | آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے |
| قَوْلُهٗ | اس کی بات | فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا | دنیا کی زندگی میں | | |
| وَیُشْهِدُ | اور وہ گواہ بناتا ہے | اللّٰهَ | اللہ کو | عَلٰی | اوپر |
| مَا | اُس کے جو | فِیْ قَلْبِهٖ | اس کے دل میں ہے | | |
| وَهُوَ | حالانکہ وہ | اَلَدُّ الْخِصَامِ | سخت جھگڑالو ہے۔(204) | | |

اب ان آیات میں بھی دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے۔ یہاں پر مومن اور کافر کا تقابل نہیں، بلکہ مخلص اور منافق کا حال ہے۔ بظاہر یہ دونوں گروہ ایماندار ہیں۔ مگر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مخلص وہ لوگ ہیں۔ جو انتہائی درجے کے پکے سچے اور مخلص ہیں اور دوسرے وہ ہیں۔ جو ظاہر میں تو ایمان والے ہیں مگر ان کے باطن میں کفر بھرا ہوا ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ: جس کی گفتگو تجھے اچھی لگتی ہے۔ شانِ نزول: یہ آیت اَخنَس بن شَرِیق منافق کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ حضور سید المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت لجاجت سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور اپنے اسلام اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی محبت کا دعویٰ کرتا اور اس پر قسمیں کھاتا اور در پردہ فساد انگیزی میں مصروف رہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے مویشیوں کو ہلاک کیا اور ان کی کھیتیوں کو آگ لگائی تھی۔ (خازن، البقرۃ تحت الآیۃ)

## ایک چاپلوس منافق کا تذکرہ

یہاں مجموعی طور پر جو خرابیاں بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں: (1)......ظاہری طور پر بڑی اچھی باتیں کرنا، (2)......اپنی غلط باتوں پر اللہ کو گواہ بنانا، (3)......جھگڑالو ہونا، (4)......فساد پھیلانا، (5)......لوگوں کے اموال برباد کرنا، (6)......نصیحت کی بات سن کر قبول کرنے کی بجائے تکبر کرنا۔ اخنس بن شریق ایک منافق تھا جو فصیح و بلیغ اور شیریں کلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی چکنی چپڑی باتیں بھلی معلوم ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صحیح صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی باتوں پر فریفتہ مت ہونا، کیونکہ یہ سخت جھگڑالو قسم کا انسان ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ اسلام سے پھر کر مکہ واپس چلا گیا۔ راستہ میں مسلمانوں کے جو کھیت دیکھے انہیں جلا دیا اور جو جانور نظر آئے انہیں مار ڈالا۔ بہر حال آیت سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس شخص کے اندرونی احوال سے واقف نہ تھے، اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے، ورنہ یہ غلط فہمی نہیں ہوتی 'اَلَدُّ الْخِصَامِ' کے معنی 'سخت جھگڑالو' کے بھی ہیں۔ یہاں آیت مبارکہ میں اگرچہ ایک خاص منافق کا تذکرہ ہے لیکن یہ آیت بہت سے لوگوں کو سمجھانے کیلئے کافی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی

بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی زبان بڑی میٹھی ہے، گفتگو بڑی نرمی سے کرتے ہیں، بڑی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں لیکن درپردہ دین کے مسائل میں یا لوگوں میں یا خاندانوں میں فساد برپا کرتے ہیں اور ہلاکت و بربادی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

## تَوَلّٰی کا معنی ومفہوم اس کی تشریح

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| وَاِذَا | اور جب | تَوَلّٰی | وہ پیٹھ پھیر جاتا ہے | سَعٰی | (تو) کوشش کرتا ہے | |
| فِی الْاَرْضِ | زمین میں | لِیُفْسِدَ | تاکہ فساد کرے | فِیْهَا | اس میں | |
| وَیُهْلِكَ | اور تباہ کرے | الْحَرْثَ | کھیتیاں | وَالنَّسْلَ | اور نسل | |
| وَاللّٰهُ | اور اللہ | لَا یُحِبُّ | نہیں پسند کرتا | الْفَسَادَ | فساد کو۔(205) | |

عربی زبان کا لفظ "تَوَلّٰی" فعل ماضی کا صیغہ ہے، جس کے بنیادی معنی منہ پھیر لینا، پیٹھ پیچھے کر لینا، بیزار ہونا مفہوم: کسی بات، نصیحت یا حق سے انکار کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لینا یا بھاگ جانا۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اکثر ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو حق کی دعوت (ایمان و اطاعت) سن کر حق سے اعراض کرتے ہیں یا عمل سے گریز کرتے ہیں بہرحال "تَوَلّٰی" کے معنی پیٹھ پھیرنے کے بھی ہو سکتے ہیں، کہ آپ کے پاس سے پیٹھ پھیرتے یعنی واپس ہو جاتے ہیں، تو مفسدانہ کارروائی میں لگ جاتے ہیں اور اگر عربی گرامر کی رو سے یہ لفظ 'ولایت' سے ہو تو حکومت پانے اور حکمراں بن جانے کا معنی ہوگا، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ وغیرہ نے یہی معنی مراد لیا ہے، سلف سے بھی دونوں تفسیریں منقول ہیں، اخنس بن شریق نے بنو ثقیف پر شب خوں مار کر بڑی لوٹ مار مچائی تھی، کھیتیاں جلادی تھیں، جانور ہلاک کر دیئے تھے اور انسان کو بھی نہیں چھوڑا تھا، آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ترجمہ اکثر مفسرین کی رائے پر ہے، بعض اہل علم نے 'حرث' (کھیتی) سے 'عورت' اور 'نسل' سے 'انسان' مراد لئے ہیں۔

## مسلمانوں کیلئے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا دستور العمل مشعل راہ

یہود و نصاریٰ کی اسلامی دشمنی تو قابل فہم ہے، وہ تو دوسرا دین ہی تلاش کریں گے۔ مگر بدقسمتی یہ

ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔آج کے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے، ترقی نصیب نہیں ہوگی۔انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب مسلمان اپنے دین پر یقین کرتے تھے، عروج کی بلندیوں پر تھے۔کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔مگر اب خود مسلمان انگریزوں سے مرعوب ہیں۔ان کی تہذیب اختیار کر رہے ہیں انہی کے لہو و لعب میں مشغول ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پیروان اسلام کے سوا کسی کو فلاح نصیب نہیں ہوسکتی۔آخرت میں تو سخت نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔تہذیب وتمدن کے علاوہ آج کا مسلمان اسلامی قوانین سے بھی مطمئن نظر نہیں آتا۔اسی لئے وہ غیر اسلامی قوانین کی طرف دیکھ رہا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک فرسودہ دین بن چکا ہے۔لہٰذا وہ اقتصادی نظام کے لئے، جرمنی، امریکہ اور فرانس کی طرف دیکھ رہا ہے۔حالانکہ ان کے پاس تعزیرات کا کوئی قانون موجود نہیں ان کے تمام قوانین بناوٹی ہیں۔برخلاف اس کے کہ اسلام کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں۔صحابہ کرام علیہم الرضوان کا دستور العمل مشعل راہ ہے۔

## اعتقادی اور عملی منافقوں کا علاج

| وَاِذَا | اور جب | قِيْلَ | کہا جاتا ہے | لَهُ | اُس کو |
|---|---|---|---|---|---|
| اتَّقِ | تو ڈر | اللّٰهَ | اللہ سے | اَخَذَتْهُ | اُبھارتا ہے اسے |
| الْعِزَّةُ | تکبر | بِالْاِثْمِ | گناہ پر | فَحَسْبُهٗ | پس اُسے کافی ہے |
| جَهَنَّمُ | جہنم | وَلَبِئْسَ | اور یقیناً (وہ) برا | | |
| الْمِهَادُ | ٹھکانا ہے۔(206) | | | | |

ارشاد فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اور جب ایسے منافق کو کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ، ایسی باتیں نہ کرو، کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔گندے قانون جاری نہ کرو۔جس سے لوگوں کے اخلاق بگڑتے ہوں تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ تو اسی گناہ پر تکبر کرتے ہیں۔اتراتے ہیں۔کہتے ہیں ہمارا تو قانون ہی یہ ہے اور فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم تو اس قانون کی خلاف

ورزی نہیں کرسکتے ۔ یہ ہماری اسمبلی کا ہماری اکثریت کا بنایا ہوا قانون ہے فرمایا ایسے لوگوں کا حال یہ ہوگا فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ کہ ان کے لئے جہنم کافی ہے۔ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اس قسم کے اعتقادی اور عملی منافقوں کا علاج جہنم کے گڑھوں میں ہوگا۔ یہ لوگ اچھی بات کو قبول نہیں کرتے اور الٹا غرور اور تکبر کرتے ہیں اگر ان کو کہو کہ اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرو۔ لوگوں پر ظلم نہ کرو ان کی سلطنتوں کے تختے نہ الٹو، مگر وہ حق بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہونگے۔ یہ اعتقادی منافقوں کا حال ہے۔ آج ہم بحیثیت مسلمان اگر اعتقادی منافق نہیں تو عملی منافق ضرور ہیں۔ ہمارے قول وفعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ظاہر اور باطن مختلف ہیں۔ بڑے بڑے جلسے منعقد کریں گے۔ حضور ﷺ کی سیرت کو کامیابی کا ذریعہ بتائیں گے۔ قرآن پاک سے راہنمائی کے دعویٰ کریں گے۔ مگر عملی طور پر صفر ہیں۔ نہ قرآن پاک سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور نہ سیرت پاک کو اپناتے ہیں۔ محض زبانی دعوے ہیں۔ حکومتوں کا بھی یہی حال ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ برائی کا خاتمہ ہوگا۔ فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہوگی۔ معاشی اور معاشرتی اصلاحات ہوں گی۔ مگر عملی طور پر کچھ نہیں کرتے۔ یہ سب منافقت کی باتیں ہیں۔

## حدود اللہ کا نفاذ

خاندان سعود کے برسر اقتدار آنے سے پہلے یہاں بھی چوری عام تھی اور ترکوں کے زمانہ سے چلی آرہی تھی۔ جب ابن سعود جیسے بدو حاکم نے عنان حکومت سنبھالی تو اس سے چوری کی شکایت کی گئی۔ اس نے کہا یہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ میں صرف اڑھائی دن میں چوری بند کر کے دکھاتا ہوں اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جب حدود اللہ کا نفاذ ہوا اس پر عمل کر کے دکھایا تو چوری کیا ہر جرم نیست و نابود ہوگیا۔ اب سعودی عرب والے چوری نہیں کرتے تاہم اقتصادی نظام کی بنیاد وہاں بھی سرمایہ داری پر ہے۔ اب امریکہ بلکہ ساری دنیا کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ سعودی عرب ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں چوری نہیں ہوتی۔ جہاں زنا کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ وجہ یہی ہے۔ کہ وہاں حدود اللہ کا نفاذ ہے اور ان پر سختی سے عملدرآمد ہو رہا ہے۔ بہر حال منافق آدمی کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اسے

سمجھایا جائے تو اپنی بات پر اڑ جاتا ہے، دوسرے کی بات ماننا اپنے لئے توہین سمجھتا ہے، نصیحت کئے جانے کو اپنی عزت کا مسئلہ بنالیتا ہے۔ افسوس کہ ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی بھرمار ہے، گھروں میں دیکھ لیں تو لڑکی والے لڑکے یا اس کے گھر والوں کو نہیں سمجھا سکتے، چھوٹے خاندان والے بڑے خاندان والوں کو نہیں سمجھا سکتے، عام آدمی کسی چودھری کو نہیں سمجھا سکتا، عوام کسی دینوی منصب والے کو نہیں سمجھا سکتے، مسجدوں میں کوئی نوجوان عالم یا دینی مُبلغ کسی پرانے بوڑھے کو نہیں سمجھا سکتا، جسے سمجھایا وہی گلے پڑ جاتا ہے۔ دینی شعبے میں بھی اس خرابی کی کچھ کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال کی اصلاح فرمائے۔

## رضائے الٰہی کی تلاش میں اپنی جان و مال کا سودا

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَمِنَ النَّاسِ | اور کچھ لوگ | مَنْ | (وہ ہیں) جو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| يَّشْرِىْ | بیچ دیتے ہیں | نَفْسَهُ | اپنی جان کو | ابْتِغَآءَ | تلاش کرنے کیلئے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| مَرْضَاتِ اللهِ | اللہ کی رضامندی | وَاللهُ | اور اللہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| رَءُوْفٌ | بہت مہربان ہے | بِالْعِبَادِ | اپنے بندوں کے ساتھ۔(207) |

منافقین کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مخلص لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے۔ جو رضائے الٰہی کی تلاش میں اپنی جان کو بیچتا ہے شراء کا معنیٰ بیچنا اور خریدنا دونوں طرح آتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے آپ جب ہجرت پر روانہ ہونے لگے تو مشرکین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے کمان کو درست کیا، ترکش سے تیر نکالے اور فرمانے لگے۔ اے قریش! تم مجھ سے واقف ہو کہ میں اچھا تیر انداز ہوں۔ جب تک میرے پاس ایک بھی تیر ہے۔ تم میرے قریب نہیں آسکتے اور تلوار بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں تمہارا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔ بہتر ہے کہ تم میرا راستہ نہ روکو۔ میرا اتنا مال فلاں جگہ موجود ہے۔ جاؤ وہ لے لو، تمہارے لئے مباح کرتا ہو۔ چنانچہ مشرکین نے اس پر اکتفا

کرتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو یحییٰ! تیری تجارت نفع مند ہے۔ وہ لوگ نہ مال کی پروا کرتے تھے۔ نہ جان کی۔ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب تھی کہ کسی طرح ایمان بچ جائے یہی وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں اپنی جان کو بیچتے تھے۔

## وفاداری اور عشقِ رسول ﷺ کی علامت سمجھے جانے والے حضرات

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ضعفاء نے بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت ذات ہوتے ہوئے اتنی بڑی قربانی دی۔ عمار کا باپ یاسر بھی شہید ہوا اور ماں بھی شہید ہوئیں رضی اللہ عنہم۔ ظالم ابوجہل نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی دونوں ٹانگیں مختلف اونٹوں سے باندھ کر مخالف سمتوں میں اونٹوں کو چلا دیا اور اس طرح انہیں بے رحمی سے شہید کیا۔ حضرت خباب بن ارت، حضرت بلال رضی اللہ عنہما اور اس قسم کے کتنے ضعفاء تھے جنہوں نے بڑی سے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔

انہی جلیل القدر شخصیات میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا نام نمایاں ہے، جنہیں شجاعت، وفاداری اور عشقِ رسول ﷺ کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں تلوار سونتنے والے اولین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں جب یہ افواہ پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچایا گیا ہے یا دشمنوں نے آپ ﷺ کو گرفتار کرلیا ہے، تو نوجوان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ خبر سنتے ہی بے تاب ہو گئے۔

آپ رضی اللہ عنہ فوراً اپنی تلوار لے کر مکہ کی گلیوں میں نکل پڑے۔ ان کے دل میں صرف ایک جذبہ تھا: رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور دفاع۔ اس وقت نہ انہیں اپنی جان کی پروا تھی اور نہ کسی خطرے کا خوف، بلکہ ان کی تمام تر فکر اپنے محبوب نبی ﷺ کی سلامتی تھی۔ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اس جذبۂ وفاداری اور بے مثال جرات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی قدر افزائی فرمائی۔ بعد ازاں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو "حوارِی رسول" یعنی رسول اللہ ﷺ کے مخلص مددگار اور خاص ساتھی کا عظیم اعزاز بھی حاصل ہوا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی زندگی

ایمان، بہادری، اخلاص اور ثابت قدمی کا روشن نمونہ ہے۔ان کا کردار اہلِ ایمان کو یہ سبق دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت انسان کو ہر قربانی کے لیے تیار کر دیتی ہے، اور حق کی حمایت میں اٹھایا گیا ہر قدم اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم اجر کا باعث بنتا ہے۔آج بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی سیرت مسلمانوں کے لیے حوصلے، وفاداری اور استقامت کا پیغام ہے، اور یہ یاد دلاتی ہے کہ سچی محبت صرف دعووں سے نہیں بلکہ عمل، قربانی اور ثابت قدمی سے ثابت ہوتی ہے۔اسلام کی ابتدائی تاریخ ایسے عظیم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکروں سے روشن ہے جنہوں نے دین اسلام کی حفاظت، رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور حق کی سر بلندی کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔جان اور مال قربان کر دیئے۔مگر ایمان کو بچا گئے تا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔آج بھی ان حضرات کی سیرت مسلمانوں کے لیے حوصلے، وفاداری اور استقامت کا پیغام ہے، اور یہ یاد دلاتی ہے کہ سچی محبت صرف دعووں سے نہیں بلکہ عمل، قربانی اور ثابت قدمی سے ثابت ہوتی ہے۔فرمایا وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شفقت کرنے اولا ہے۔جو لوگ اپنا مال اور جان اللہ کی رضا کی تلاش میں صرف کر دیتے یہاں تو اللہ بھی ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ یگا۔ وہ تو بڑا ہی مہربان ہے یہ بھی اس کی خاص مہربانی ہے کہ ان کے دلوں کو نیکی کی طرف پھیر دیا اور وہ ہر قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔چنانچہ ان کے حق میں نتیجہ بھی خوب ہی نکلے گا۔وہ لوگ یقیناً مراتب عالیہ پر فائز ہونگے۔اللہ تعالیٰ خاص مہربانی کرنے والا ہے۔اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں آمین۔

# اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاو
# شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ
حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ
وَقُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

## پورے اسلام اور ساری شریعت پر چلو

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ | اے وہ لوگو جو | | اٰمَنُوا | ایمان لائے ہو | |
| ادْخُلُوْا | تم داخل ہو جاوٗ | | فِی السِّلْمِ | اسلام میں | |
| كَآفَّةً | پورے پورے | | وَلَا تَتَّبِعُوْا | اور نہ تم پیروی کرو | |
| خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ | شیطان کے قدموں کی | | اِنَّهٗ | بیشک وہ (شیطان) | |
| لَكُمْ | تمہارا | عَدُوٌّ | دشمن ہے | مُّبِیْنٌ | کھلا |

مخلص مومن کی مدح وستائش کے بعد تمام مومنوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم بھی پورے اسلام اور

ساری شریعت پر چلو، یہ نہیں کہ اسلام کے کچھ احکام پر عمل کرلیا، باقی چھوڑ دیے۔نماز روزہ کی پابندی کرلی اور عقیدے میں شرک، تجارت میں سود، عدالتوں میں غیر اللہ کا قانون، معاشرت میں ہندو، نصرانی، یہودی تہذیب اختیار کیے رکھی اور اسے زمانے کا تقاضا اور ترقی پسندی قرار دے لیا۔ یہود کی رسوائی کا باعث بھی یہی طرز عمل تھا، جیسا کہ فرمایا: (اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ) [البقرۃ: 85] "پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔جب بعض یہود مسلمان ہوئے؛ لیکن وہ چاہتے تھے کہ شریعت اسلامی کے ساتھ تورات کے احکام کو بھی ساتھ لے کر چلیں، جیسے ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے اجتناب کریں، یہاں اس کو منع فرمایا گیا ہے کہ جب اسلام لاؤ تو مکمل طور پر اسلام کے احکام کو قبول کرو۔

## اسلام کا پورا نظامِ حیات

اسلام محض ایک طریقۂ عبادت نہیں؛ بلکہ پورا نظامِ حیات ہے، اعتقادات، عبادات، معاشرت اور شخصی زندگی، معاشی واقتصادی نظام، سیاست اور طریقۂ حکومت ، بین الاقوامی تعلقات، ملکی تعلقات اور اخلاقی تعلیمات، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں، جس میں اسلام نے رہنمائی نہ کی ہو، ان سب میں شریعت اسلامی کو بے کم وکاست ماننا، نہ حرام کو حلال کرنا اور نہ حلال کو حرام، یہ اسلام میں پورا پورا داخل ہونا ہے اور اسلام کو جزوی طور پر ماننا اور بعض شعبہ ہائے زندگی میں دوسرے مذہب یا نظام حیات کی افادیت کا قائل ہونا اور اسے تسلیم کرنا شیطان کی پیروی ہے، کیوں کہ شیطان نے بھی اللہ کے تمام احکام کا انکار نہیں کیا تھا؛ بلکہ اس نے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے ہی پر اعتراض کیا تھا۔یعنی تمہارے عقائد، تمہارے خیالات، تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طور طریقے تمہارے رسم ورواج اور تمہاری کاروباری زندگی سب کچھ ہی اسلام کے تابع ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ دعویٰ تو اسلام کا کرو اور اپنا معاشی نظام روس سے مستعار لے لو اور سیاسی نظام انگریز سے۔ یا مسجد میں تو تم اللہ کو یاد کرو اور کاروبار کرتے وقت اللہ یاد ہی نہ رہے۔اور ناجائز طریقوں سے

کمائی کرنا شروع کر دو یا ڈھنڈورا تو اطاعت رسول ﷺ کا پیٹتے جاؤ اور سب بدعات میں حصے دار بنتے رہو۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد بھی کرتے رہو اور غیر اللہ سے استمداد بھی طلب کرتے رہو۔ غرض یہ ہے کہ تمہاری زندگی غرض یہ ہے کہ تمہاری زندگی کا ہر ہر پہلو اسلام کے تابع اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزرنا چاہیے اور اگر اپنے آپ کو پورے کا پورا اسلام کے تابع نہیں بناؤ گے تو اسی کا نام شیطان کے قدموں کی پیروی ہے جو ہر وقت تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے، تمہیں غلط اور گمراہ کن عقائد میں مبتلا اور برے کاموں کو خوشنما بنا کر ان پر آمادہ کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے۔ اس آیت میں مؤمنین سے خطاب ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

## كَآفَّةً کا معنی اور اس کی تشریح

كَآفَّةً کا معنی جَمِيْعًا ہوتا ہے كَآفَّةً کا بنیادی معنی" سب کے سب"، "تمام" یا "کل" ہے۔ اردو میں یہ بطور اسم (Noun) اور اکثر بطورِ حال (Adverb) استعمال ہوتا ہے، جس کا مقصد کسی بات میں بغیر کسی استثناء کے ہر فرد یا چیز کو شامل کرنا ہوتا ہے، لغوی معنی: یہ لفظ عربی کے مادہ (ک ف، ف) سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے کسی چیز کو گھیر لینا یا روک لینا۔ اسی مناسبت سے "کافۃ" کا مطلب ایسی ہمہ گیر چیز بنتا ہے جس کے دائرے میں سب کچھ آجائے اور کوئی بھی اس سے باہر (مستثنیٰ) نہ بچے۔ یعنی انسان اپنے جسم کے لحاظ سے اور ادھر احکام شریعت کے لحاظ سے پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یاد رکھیں کہ داڑھی منڈوانا، مشرکوں کا سا لباس پہننا، اپنی معاشرت بے دینوں جیسی کرنا بھی سب ایمانی کمزوری کی علامت ہے جب مسلمان ہو گئے تو سیرت وصورت، ظاہر و باطن، عبادات ومعاملات، رہن سہن، میل برتاؤ، زندگی موت، تجارت و ملازمت سب میں اپنے دین پر عمل کرو۔ اور اس آیت میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو کسی دوسرے دین سے نکل کر اسلام میں آئے، مگر انھوں نے اپنے سابقہ دین کی رسوم کو باقی رکھا، جیسے غیر مسلموں کی شادی و مرگ کی رسمیں اور بدعات و رسوم جو سراسر اسلام کے منافی ہیں، یا مسلمان

ہو کر بھی انھوں نے اپنے روزمرہ کے پہلے طور طریقوں کو نہ چھوڑا۔ وفاداری صرف اور صرف اسلام سے ہو، باقی تمام ادیان، بدعات، رسومات باطلہ وغیرہ سے مکمل طور پر علیحدگی ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں اسلام کے منافی ہیں۔ اگر اسلام کے ساتھ ساتھ ایسی قبیح چیزوں کے ساتھ بھی تعلق قائم رکھے گا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص مکمل طور پر اسلام میں داخل نہیں ہوا۔ کَآفَّۃً کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن اور عقیدے اور عمل میں کسی قسم کا تضاد نہ ہو جو کچھ دل کے اندر ہے زبان پر بھی وہی آنا چاہئے اور عقیدہ ہے عمل بھی اس کے مطابق ہو۔ زبانی دعویٰ کچھ ہو اور عملی طور پر اس کی تردید ہوتی ہو تو یہ اسلام میں مکمل طور پر داخلہ نہیں ہوگا۔ اگر عقیدہ توحید کا ہو اور عمل میں شرک پایا جائے۔ زبان پر اتباع سنت کا دعویٰ ہو، مگر رواج بدعات کو دیا جا رہا ہے تو یہ چیز کَآفَّۃً کے منافی ہوگی۔ حضرت شیخ الہند نے اپنے ترجمہ قرآن میں کَآفَّۃً کا معنی یہی لکھا ہے کہ اسلام میں اس طرح داخل ہو جاؤ کہ تمہارا کوئی عمل احکام اسلام کے خلاف نہ ہو۔ اپنی عقل یا دوسرے کے کہنے سے دین میں کوئی چیز داخل نہ کرو کہ یہ بدعت ہے۔ مگر لوگ اسے اسلام کے نام کار ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ کیونکہ بدعت نام ہی اس عمل کا ہے۔ جسے اچھا سمجھ کر دین میں اپنی طرف سے شامل کر لیا جائے۔ حالانکہ دین کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو۔

## ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ایک جامع آیت

ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ایک جامع آیت ہے۔ اسلام میں مکمل داخلہ صرف ظاہری اعمال تک ہی موقوف نہیں۔ بلکہ باطنی طور پر بھی اسلام کے احکام پر پورا پورا یقین ہونا چاہئے۔ ظاہراً تمام اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھ احکام اسلام پر کاربند ہوں جس طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ روزہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا نام نہیں بلکہ آنکھ، کان، زبان اور دیگر تمام اعضاء جوارح کا روزہ ہونا چاہئے اسی طرح باطناً دل میں بھی پورا ایمان و یقین ہو کہ ان احکام کو پورے خلوص نیت کے ساتھ انجام دینا ہے۔ اگر ایسی کیفیت پیدا ہو جائے، تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے کآفۃ کا مفہوم پا لیا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے۔ ظاہر و باطن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کچھ حصہ اسلام کا

لے لیا اور کچھ بدعات کو بھی اپنا لیا یا کوئی عبادت اسلام سے لے لی اور کچھ چیزیں کسی اور شریعت یا مقامی رسم ورواج سے حاصل کرلیں تو اسلام میں مکمل داخلہ تصور نہیں ہوگا۔

## اسلام کا بنیادی عقیدہ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَاِنْ | پھر اگر | زَلَلْتُمْ | تم پھسل جاؤ | مِّنْۢ بَعْدِ | اس کے بعد |
| مَا جَآءَتْكُمُ | جو آجائیں تمہارے پاس آئے | الْبَيِّنٰتُ | واضح احکام | | |
| فَاعْلَمُوْٓا | تو جان لو | اَنَّ اللّٰهَ | بے شک اللہ | | |
| عَزِيْزٌ | بڑا غالب | حَكِيْمٌ | خوب حکمت والا ہے۔(209) | | |

فَاِنْ زَلَلْتُمْ: پھر اگر تم پھسلو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ واضح دلیلوں کے باوجود اسلام میں پورے پورے داخل ہونے سے دور رہو اور اسلام کی راہ کے خلاف روش اختیار کرو تو یہ تمہارا سخت جرم ہے۔ اسلام کا بنیادی عقیدہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہوئے ان کے بتائے ہوئے غیب یعنی بن دیکھی حقیقتوں پر ایمان ہے۔ حدیث جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھنے کو ایمان کہا گیا ہے۔ [مسلم، الإیمان: 8] دنیا میں آزمائش اسی بات کی ہے کہ بغیر دیکھے کون ان پر ایمان لاتا ہے اور کسی جبر کے بغیر اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ) [المائدۃ: 94] "تاکہ اللہ جان لے کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ یعنی اسلام کے انسانی زندگی کے ہر پہلو میں واضح احکام آجانے کے بعد تم اسلام میں پوری طرح داخل نہ ہوئے اور دوغلی پالیسی اختیار کی اور جن احکام پر چاہا عمل کرلیا اور جہاں کوئی بات طبیعت کو ناگوار محسوس ہوئی یا کسی نقصان کا خطرہ محسوس ہوا وہاں اپنی مرضی کرلی اور اسلام کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تو خوب سمجھ لو کہ اللہ بڑا زبردست ہے حکمت والا ہے، وہ تمہیں سزا بھی دے سکتا ہے، ذلیل و خوار بھی کرسکتا ہے اور دنیا کی حکمرانی تمہارے سوا کسی دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔ جب دلائل واضحہ تمہارے پاس آچکے ہیں اور دین اسلام کی صداقت وحقانیت تم پر واضح ہوچکی ہے تو اب بھی اگر تم

پھسل گئے اور ڈگمگا گئے یعنی اسلام کے بعض احکام پر عمل نہ کیا مثلاً جہاد کرنا چھوڑ دیا تو پھر سن لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست اور صاحب حکمت ہے اسے سزا دینے سے کوئی نہیں روک سکتا اور بتقاضائے حکمت جو سزا دینا چاہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

## یہود مدینہ کے بے جا مطالبات

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| هَلْ | کیا | يَنْظُرُوْنَ | وہ انتظار کرتے ہیں | اِلَّآ | سوائے |
| اَنْ | یہ کہ | يَّاْتِيَهُمُ | آئے ان کے پاس | اللّٰهُ | اللہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فِيْ ظُلَلٍ | سایوں میں | مِّنَ الْغَمَامِ | بادلوں کے |
| وَالْمَلٰٓئِكَةُ | اور فرشتے (بھی) | وَقُضِيَ | اور طے ہو جائے |
| الْاَمْرُ | قصہ (معاملہ) | وَاِلَى اللّٰهِ | اور اللہ کی طرف |
| تُرْجَعُ | لوٹیں گے | الْاُمُوْرُ | تمام کام۔(210) |

مختلف کفار اور خاص طور پر یہود مدینہ اس قسم کے مطالبات کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہمیں نظر آ کر ہمیں ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یہ آیت اس قسم کے مطالبات کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کرے اور کائنات میں پھیلے ہوئے واضح دلائل کی روشنی میں اللہ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اسی لئے اس آزمائش میں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، اگر اللہ تعالیٰ براہ راست نظر آجائیں تو آزمائش کیا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب غیب کی چیزیں انسان کو آنکھوں سے نظر آجائیں تو پھر ایمان معتبر نہیں ہوتا اور ایسا اسی وقت ہو گا جب یہ کائنات ختم کر کے سزا اور جزاء کا مرحلہ آجائے گا۔ یعنی ایسی نشانی کے انتظار میں جس سے انہیں قطعی اور حتمی طور پر ہر بات کا یقین آجائے۔ ایسا یقین جیسے ہر انسان کو یہ یقین ہے کہ اسے موت آ کے رہے گی تو اسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جب ایسی نشانی آجائے گی تو پھر ایمان لانے کی کچھ قدر و قیمت نہ ہو گی۔ ایمان لانے کی قدر و قیمت تو صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ امور غیب حواس ظاہری سے پوشیدہ ہیں۔ اگر چہ ان کے لیے

بیشمار دلائل موجود ہیں اور اسی بات میں انسان کی آزمائش کی جارہی ہے، اور یہ دنیا آزمائش گاہ بنی ہوئی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور جب کوئی حتمی علامت جیسے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا یا وقت موت یا قیامت آگئی تو پھر یہ معاملہ ہی ختم ہو جائے گا۔علاوہ ازیں اللہ کی آمد تو درکنار اس کا دیدار تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی نہ سہار سکے تھے۔ پھر یہ بے چارے کس کھیت کی مولی ہیں اور فرشتے انسانوں کے پاس آتے تو ہیں مگر وہ یا عذاب الٰہی لے کر آتے ہیں یا پھر موت کا پیغام لے کر، تو پھر ان باتوں کا انہیں کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

الغرض! خلاصہ ان آیات کا یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی بعض لوگ مکمل طور پر اسلام میں داخل نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں اہل کتاب کی مثال موجود ہے۔ یہودی علماء میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور وہ اسلام لائے۔ بعض دوسرے یہودی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ مگر ان کا خیال تھا کہ قرآنی احکام کے ساتھ ساتھ تورات کے احکام کی بھی رعایت ہونی چاہیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمادی کہ اسلام کے ساتھ ساتھ کسی اور شریعت یا دین کی رعایت اسلام میں مکمل داخلے کی نفی ہوگی۔ لہٰذا باقی تمام شرائع اور ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کو صرف چند باتوں تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اپنی پوری زندگی (عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت) کو اسلام کے احکامات کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ یعنی ایمان لانے کے بعد مسلمان کو اپنی ذاتی خواہشات، خاندانی رسومات یا سماجی دباؤ کو دین پر ترجیح نہیں دینی چاہیے، بلکہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں قرآن وسنت کی مکمل پیروی کرنی چاہیئے۔

# انبیاء نعمت الٰہی ہیں/ انعامات کی ناقدری
# دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا
جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ
حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

## رُشد و ہدایت کے اسباب و ذرائع کو غلط استعمال کرنے والوں کا انجام

| | | | |
|---|---|---|---|
| سَلْ | سوال کیجئے | بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ | بنی اسرائیل سے |
| کَمْ | کس قدر | اٰتَیْنٰھُمْ | ہم نے انہیں دیں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مِّنْ اٰیَۃٍ | نشانیاں | بَیِّنَۃٍ | واضح | وَمَنْ | اور جو شخص |

| | | | |
|---|---|---|---|
| یُّبَدِّلْ | بدل ڈالے | نِعْمَۃَ اللّٰہِ | اللہ کی نعمت کو |
| مِنْ بَعْدِ | بعد اس کے | مَا | جو |
| جَآءَتْہُ | (وہ) آ گئی اس کے پاس | فَاِنَّ | تو بیشک |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| سزا دینے والا ہے | الْعِقَابِ | سخت | شَدِیْدُ | اللہ | اللّٰہَ |

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ ط اور اگر واضح دلائل اور نشانیوں ہی کی بات ہے تو بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے کیا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تھوڑے معجزات عطا کئے تھے ؟ان کی تفصیل پہلے آ چکی ہے منجملہ ان کے ابر کا سایہ کرنا پتھروں سے بارہ چشمے جاری کر کے بنی اسرائیل کو سیراب کرنا، ان کے لئے من وسلویٰ کی خوراک مہیا کرنا، دشمن کو آنکھوں کے سامنے ہلاک کرنا، بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں راستے بنا دینا وغیرہ وغیرہ ایسے واضح نشان اور معجزات ہیں جو بنی اسرائیل کو عطا کئے گئے ۔مگر اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کیا اور پے در پے غلطیاں اور کوتاہیاں کیں جن کا ذکر اسی سورہ مبارکہ میں گزر چکا ہے اور جن کی تعداد کم وبیش چالیس ہے ۔مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر بار معاف فرمایا۔بنی اسرائیل بہت بڑی قوم تھی ۔دنیا میں جاہ ووقار کی مالک تھی ۔حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد کو اللہ نے علم وحکمت اور بادشاہی عطا کی ۔تمام دنیوی نعمتوں سے مالا مال کیا مگر اس کے باوجود جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ذلیل وخوار کر کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے ۔وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے پہنچ جانے کے بعد جو اسے بدل ڈالے فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ۔انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا وجود بھی خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوتا ہے ۔اور عام لوگوں کے لئے معیار اور نمونہ ہوتا ہے ۔جسے دیکھ کر لوگ اپنے ظاہر و باطن کو درست کر سکتے ہیں ۔انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود انسانوں کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسی نعمت سے تعبیر کیا ہے ۔"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا کیا تم نے مشرکین عرب کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے ساتھ کفر کیا۔اس نعمت سے مراد حضور پاک ﷺ کی ذات مبارکہ ہے ۔یعنی آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کا اسوہ اختیار کرنے سے اعراض کیا۔تو پھر کیا یہ سب کے سب لوگ ایمان لے آئے تھے؟ اور اگر لائے بھی تو کیا پورا ایمان لائے؟ اور کب تک اس پر

قائم رہے؟ پھر جب ان لوگوں نے اللہ کے انعامات کی قدر نہ کی تو اللہ نے انہیں بری طرح سزا دی۔ تورات نازل کی پیغمبروں کے معجزے ان کو دکھلائے مگر انہوں نے ضد وعناد سے ان کا انکار کیا پھر ان کو کیسے کیسے عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔ لہٰذا خود بھی جہنم میں گئے اور قوم کو بھی جہنم رسید کیا۔ یعنی جو شخص رشد و ہدایت کے اسباب و ذرائع کو غلط استعمال کر کے ان سے گمراہی اور فسق و فجور کا کام لے اسے خدا کی گرفت سے غافل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی گرفت سخت اور اس کا عذاب عبرت ناک ہے۔ علم اور عمل انسان کے لئے لازمی چیزیں ہیں۔ ان کے بغیر کامیابی ممکن نہیں علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے اور عمل انبیاء سے ملتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام معیار ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر اعمال درست کئے جاتے ہیں۔ قرآن پاک نے فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اللہ کے رسول تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر اس اسوہ کی ضرورت ہے۔ خوشی کا موقع ہو یا غمی کا، صلح کی حالت ہو یا جنگ کی، نبی کی ذات ہر حالت میں نمونہ ہوتی ہے اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ایسے شخص کو اپنا انجام دیکھ لینا چاہئے۔ جس طرح پیغمبر (علیہ السلام) کی ذات بابرکات انعام خداوندی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس نعمت کی بھی قدر نہیں کی۔ آپ ہر خطبہ میں سنتے ہیں: أَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ" (سب سے بہتر کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح (حدیث:956)

## قرآن وسنت کا دامن چھوڑ کر عزت کہاں نصیب ہو سکتی ہے

یعنی سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام یعنی قرآن مجید ہے۔ یہ جملہ قرآن کریم کی فضیلت اور تمام کلاموں پر اس کی برتری کو ظاہر کرتا ہے۔ اور بہترین طریقہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔ مگر آج کون ہے۔ جو ان دونوں انعامات سے مستفید ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہمارے لئے راہ ہدایت ہیں۔ مگر جب کسی خوشی غمی، قومی وملکی، سیاسی ومعاشرتی معاملات میں راہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے، تو

ان سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے رسم ورواج کا سہارا لیتے ہیں۔ یا دوسرے غیر اسلام ازموں کی طرف دیکھتے ہیں۔کیا یہ انعامات کی ناقدری نہیں۔جس قوم کے پاس قرآن وحدیث جیسی نعمت موجود ہو اسے کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کبھی امریکہ کی طرف دوڑتے ہیں۔کبھی برطانیہ اور فرانس کی طرف دیکھتے ہیں کہ ہمیں سکیم دو۔کوئی ایڈوائزر بھیجو جو ہماری راہنمائی کریں یہ کس قدر کفران نعمت کی بات ہے فکر اور عقیدہ فاسد ہے۔جس کی وجہ سے راہ راست میسر نہیں آرہا ہے۔اسی لئے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کرے گا۔تو اللہ تعالیٰ خود سخت سزا دینے والا ہے۔اس کی نعمتوں سے روگردانی کر کے،قرآن وسنت کا دامن چھوڑ کر عزت کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ایسی صورت میں تو عذاب وسزا کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔اپنے اردگرد نظر مار کر دیکھ لیں،کوئی قوم سلطنت کے چھن جانے کے عذاب میں مبتلا ہے کہیں بدعات اور رسوم باطلہ کا دور دورہ ہے۔محتاجی ہے۔دین محبوس ہو گیا ہے۔نیکی سے محرومی ہے۔بدی کا چرچا ہے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی سزا ہے۔بہرحال اللہ تعالیٰ کے انعامات کی قدر کرنا چاہیئے۔بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی،معجزات کو ٹھکرایا،نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے اپنی سازشی،تخریبی اور گندی ذہنیت کی بناء پر بدترین قوم بن کر رہ گئے۔اسی طرح جو بھی قوم اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناقدری کریگی ذلیل وخوار ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کو مبعوث فرمایا۔آپ کے ساتھ ایک معیاری جماعت کو پیدا کیا،خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ تھے۔ان کی پیروی کرنے والے دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوئے۔دنیا میں عروج حاصل ہوا فتوحات نصیب ہوئیں اور آخرت میں بھی بہترین اجروثواب کے مستحق ہوئے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| زُیِّنَ | مزین کردی گئی ہے | لِلَّذِیْنَ | اُن لوگوں کیلئے جنہوں نے | | |
| کَفَرُوا | کفر کیا | الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا | حیات دنیا | | |
| وَیَسْخَرُوْنَ | اور وہ مذاق کرتے ہیں | مِنَ الَّذِیْنَ | اُن لوگوں سے جو | | |
| اٰمَنُوْا | ایمان لائے | وَالَّذِیْنَ | اور وہ لوگ جو | اتَّقَوْا | متقی ہیں |
| فَوْقَهُمْ | اُن سے اوپر ہوں گے | یَوْمَ الْقِیٰمَةِ | قیامت کے دن | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاللّٰهُ | اور اللہ | يَرۡزُقُ | رزق دیتا ہے | مَنۡ | جس کو |
| يَّشَآءُ | وہ چاہتا ہے | بِغَيۡرِ حِسَابٍ | بغیر حساب کے۔(212) | | |

زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا: جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، ان کے لئے دنیا کی زندگی مزین کی گئی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو سارے شر و فساد کی جڑ ہے۔ جب کوئی شخص دنیا کی محبت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ صرف اسی کو اپنا مقصد حیات بنالے تو پھر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ دوسروں کی حق تلفی، قتل و غارت، عیش و عشرت یہ سب دنیا سے غیر معمولی محبت کا ثمرہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ حُبُّ الدُّنۡيَا رَأۡسُ كُلِّ خَطِيۡئَةٍ یعنی دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ محبت سے مراد ایسی محبت ہے۔ جس سے آخرت بھی فراموش ہو جائے۔ دین ختم ہو جائے عبادت رہ جائے خدا پرستی کے طور طریقے ناپید ہو جائیں اور حالت یہ ہو جائے کہ يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وہ دنیا کی تمام ظاہری چیزوں کو جانتے ہیں وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ مگر آخرت کے بارے میں بالکل غافل ہیں، کچھ نہیں جانتے بظاہر بڑے عقل و دانش کے مالک ہیں۔ مگر معاد کے متعلق ذرہ بھر بصیرت نہیں رکھتے۔ اسی کا نام گمراہی ہے انسان جس قدر دنیوی محبت میں گرفتار ہوگا نیکی سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی کو مزین کیا گیا ہے۔ کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی کو خوشنما بنا دیا گیا۔ کافروں کیلئے دنیا کی زندگی آراستہ کر دی گئی یعنی انہیں یہی زندگی پسند ہے، وہ اسی کی قدر کرتے اور اسی پر مرتے ہیں۔ دنیا کی زندگی وہ ہے جو نفس کی خواہشات میں صرف ہو اور جو توشہ آخرت جمع کرنے میں خرچ ہو وہ بفضلہٖ تعالیٰ دینی زندگی ہے۔ اس آیت میں وہ لوگ داخل ہیں جو آخرت سے غافل ہیں۔ فرمایا جو لوگ دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ ان کی ایک قبیح حرکت یہ ہے کہ وَيَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا: اور وہ مسلمانوں پر ہنستے ہیں۔ کفار غریب مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور دنیاوی ساز و سامان سے ان کی بے رغبتی دیکھ کر ان کی تحقیر کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب اور حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم کو دیکھ کر کفار مذاق اڑایا کرتے تھے اور دولت دنیا کے غرور میں اپنے آپ کو اونچا سمجھتے

تھے۔ایمان والوں کو ظاہری کمزوری، ان کا فقر و فاقہ دنیاداروں کے لئے ٹھٹا بن جاتا ہے ان پر آوازے کستے ہیں۔دوسری جگہ فرمایا وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ کافر لوگ غریب مسلمانوں کو دیکھ کر اشارے کرتے ہیں کہ دیکھو یہ جنت کے وارث جارہے ہیں۔پھٹے پرانے کپڑے، نہ زمین نہ باغات، نہ رہنے کو مکان، مگر دعویٰ جنت کا ہے۔ظاہر ہے کہ جن کے دل میں محض دنیا کی محبت گھر کر چکی ہے۔ان کے لئے دنیا کے لوازمات اور آسائش ہی معیار ہے۔ان کے نزدیک ایسا شخص حقیر ہے جس کے پاس دنیا کا مال و دولت نہیں ہے اور اس ساری خرابی کی بنیادی وجہ یہی ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غریب مسلمانوں کا مذاق اڑانا یا کسی مومن کو ذلیل یا کمینہ جاننا کافروں کا طریقہ ہے۔فاسق و کافر اگرچہ مالدار ہو ذلیل ہے اور مومن اگرچہ غریب ہو کسی بھی قوم سے ہو عزت والا ہے بشرطیکہ متقی ہو۔الغرض! فرمایا کہ دنیا میں تو یہ لوگ اہل ایمان سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔مگر قیامت کے دن اہل ایمان ان سے بالا ہوں گے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مومن سے اس کی ناداری کی بناء پر ٹھٹھا کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کو تمام اولین اور آخرین کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گا جو کوئی شخص کسی مومن پر ایسا عیب لگاتا ہے جو اس میں نہیں پایا جاتا تو قیامت کے روز عیب لگانے والے کو آگ کے ٹیلے پر کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب کے سامنے خود اپنی تکذیب کرو۔میں نے اس پر جھوٹ کہا تھا۔درحقیقت اس مرد مومن میں یہ عیب نہیں پایا جاتا تھا۔آج تو یہ لوگ طرح طرح کے مذاق کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں اور بہتان لگاتے ہیں۔مگر انہیں قیامت کے دن پتہ چلے گا۔جب دنیوی زندگی میں کمزور نا تواں مومن ان پر حاوی ہوں گے اور بلند مراتب پر فائز ہوں گے۔یہ مقام انہیں تقویٰ کی وجہ سے حاصل ہوگا۔فرمایا وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابِ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ رزق کی فراوانی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی دلیل نہیں اور نہ ہی یہ اللہ کی رضا کا معیار ہے۔رزق کا بسط و کشادہ ہونا مالک الملک کی مصلحت پر موقوف ہے۔اللہ تعالیٰ جس کا چاہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔اس کی مصلحت کو انسان نہیں جان سکتا۔مگر حقیقی کمال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام اور سلف صالحین کو بلندی کیسے نصیب ہوئی ہے۔یہ چیز صرف اور صرف تقویٰ کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔

# امت واحدہ/ بعثت انبیاء/ اتحاد اُمت اور اس کے تقاضے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

## دین وملت کی وحدت سے مراد

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| كَانَ | تھے | النَّاسُ | لوگ (پہلے) | اُمَّةً | امت | وَّاحِدَةً | ایک |
| فَبَعَثَ | پھر بھیجے | اللّٰهُ | اللہ نے | النَّبِيّٖنَ | نبی | | |
| مُبَشِّرِيْنَ | خوشخبری دینے والے | وَمُنْذِرِيْنَ | اور ڈرانے والے | | | | |
| وَاَنْزَلَ | اور اُس نے نازل کیں | مَعَهُمُ | ان کے ساتھ | الْكِتٰبَ | کتابیں | | |
| بِالْحَقِّ | حق کے ساتھ | لِيَحْكُمَ | تا کہ وہ (کتاب) فیصلہ کرے | | | | |
| بَيْنَ | درمیان | النَّاسِ | لوگوں کے | فِيْمَا | جس میں | | |
| اخْتَلَفُوْا | انہوں نے اختلاف کیا | فِيْهِ | اس میں | | | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمَا | اور نہیں | اخْتَلَفَ | اختلاف کیا | فِيْهِ | اس میں |
| اِلَّا | مگر | الَّذِيْنَ | جنہیں | اُوْتُوْهُ | دی گئی (کتابیں) |
| مِنْۢ بَعْدِ | اس کے بعد | مَا | جو | جَآءَتْهُمُ | آگئے ان کے پاس |
| الْبَيِّنٰتُ | واضح دلائل | بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ | آپس کی ضد سے ان کے درمیان | | |
| فَهَدَى | پس ہدایت دی | اللّٰهُ | اللہ نے | الَّذِيْنَ | اُن لوگوں کو جو |
| اٰمَنُوْا | ایمان لائے | لِمَا | واسطے اُس (بات) کے جو | | |
| اخْتَلَفُوْا | جو انہوں نے اختلاف کیا | فِيْهِ | اس میں | | |
| مِنَ الْحَقِّ | حق سے | بِاِذْنِهٖ | اپنے حکم سے | وَاللّٰهُ | اور اللہ |
| يَهْدِيْ | ہدایت دیتا ہے | مَنْ يَّشَآءُ | جسے وہ چاہتا ہے | | |
| اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ | سیدھے راستے کی طرف ۔(213) | | | | |

آیت زیر درس میں اللہ تعالیٰ نے دین وملت کی وحدت کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً: تمام لوگ ایک دین پر تھے۔ ایک ہی ملت پر تھے، ملت اس جماعت کو کہتے ہیں، جس کے افراد کے افکار وخیالات ایک جیسے ہوں۔ ملت حق بھی ہوتی ہے اور ملت باطل بھی۔ مگر اس آیت میں جس ملت کا ذکر ہو رہا ہے اس سے مراد ملت حق ہے۔ یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم (علیہ السلام) سے حضرت نوح (علیہ السلام) یعنی دس صدیوں تک لوگ توحید پر، جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام دیتے رہے، قائم رہے۔

## ملت واحدہ کا زمانہ

اس ضمن میں مشہور تر تشریح جو اکثر مفسرین کرام نے بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملت واحدہ کا زمانہ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر حضرت ادریس (علیہ السلام) تک کا ہے اس عرصہ میں تمام لوگ ایک ہی امت تھے اور وہ ملت واحدہ پر قائم تھے۔ ان کا دین بعینہ وہی تھا جو حضرت آدم (علیہ السلام) کا تھا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس کے بعد اختلافات پیدا ہونے لگے اور حضرت

نوح (علیہ السلام) کے زمانے تک ان کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانے میں لوگوں کی وسیع پیمانے پر تطہیر ہوئی ان کی اکثریت ہلاک ہوئی اور صرف گنتی کے وہ افراد بچ گئے جو دین حق پر قائم تھے۔ کہ کشتی میں سوار ہو کر بچ جانے والوں میں حضرت نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور بیٹا تک شامل نہیں تھے، کیونکہ وہ دین حق سے روگردانی کر چکے تھے۔ کشتی کے ذریعے ہلاکت سے محفوظ رہنے والے لوگ کافی عرصہ تک دین توحید اور ایمان خالص پر کاربند رہے۔ حتیٰ کہ ایک زمانہ ایسا آیا، جب اختلاف نے پھر زور پکڑ لیا اور امت میں غلط ملط عقیدے پیدا ہو گئے۔ اس امت واحدہ کا طریق اور دین کیا تھا؟ وہ تھا توحید خالص اور صرف اللہ اکیلے کی اطاعت اور بندگی۔ یہی چیز انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی۔ علاوہ ازیں سب سے پہلے انسان ابوالبشر حضرت آدم (علیہ السلام) خود نبی تھے۔ لہٰذا آپ (علیہ السلام) کی ساری اولاد اور آپ (علیہ السلام) کی امت اسی دین پر قائم تھی۔

## موجودہ دور کے مغربی علماء

مگر موجودہ دور کے مغربی علماء (جنہیں ہم مسلمانوں نے آج کل ہر شعبہ علم میں انہیں اپنا استاد تسلیم کر لیا ہے) جب مذہب کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کا آغاز شرک کی تاریکیوں سے کیا، پھر اس پر کئی ادوار آئے اور بالآخر انسان توحید کے مقام پر پہنچا ہے اور یہی نظریہ ہمارے ہاں کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے اور یہ اسلام کے پیش کردہ نظریہ کے مطابق بالکل غلط ہے۔ اس آیت میں اس تاریخی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے کہ انسانیت کی ابتدا کفر و شرک اور عظیم الشان مخلوقات، مثلاً سورج، چاند، آگ، ہوا، پانی، فرشتوں اور نیک انسانوں وغیرہ کی پرستش سے نہیں ہوئی، بلکہ خالص توحید سے ہوئی ہے۔ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی دین توحید رکھتے تھے اور ان کی ایک ہی ملت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن (ایک ہزار سال) تھے۔ یہ سب شریعت حقہ (توحید) پر تھے، پھر (شیطان کے بہکانے سے ان میں شرک آیا اور) ان میں اختلافات پیدا ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے

(نوحؑ اور دوسرے) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے۔" [طبری وحاکم 2/442، ح:3654، بسند صحیح] پھر مسلسل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آتے رہے اور ان پر کتابیں نازل ہوتی رہیں، تاکہ ان کو اختلافات سے نکال کر ہدایت الٰہی کی طرف لایا جائے۔ (فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ) یعنی پہلی امتوں میں اختلافات لاعلمی کی وجہ سے نہیں، بلکہ باہمی حسد، ضد اور سرکشی کی وجہ سے پیدا ہوئے، جس سے وہ فرقوں میں بٹ گئیں اور اس وجہ سے گمراہ ہوگئیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی بھیج کر اور اس پر اپنی آخری کتاب نازل فرما کر تمام اختلافات کا فیصلہ فرما دیا اور اپنی توفیق خاص "بِاِذْنِهٖ" سے مومنوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کر دی ہے۔ (بیضاوی، فتح البیان) اب آیت کے ان دونوں حصوں کا ترجمہ یوں ہوگا کہ تمام لوگ ایک ہی ملت پر تھے، پھر اللہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ملت کا دین حق پر کاربند ہونا بعثت کی علت نہیں بنتا۔ اس سلسلہ میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت کے ان دو جملوں کے درمیان لفظ فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے اس لفظ کو درمیان میں لانے سے اشکال دور ہو جائے گا کیونکہ اب پورا جملہ اس طرح ہوگا کہ سب لوگ ایک ہی دین حق پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وقتاً فوقتاً مبعوث فرمایا۔ جب لوگ اختلاف کی بنا پر دین سے ہٹ جاتے تھے تو اصل دین کی نشاندہی کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا گیا۔ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ تم اصل دین سے ہٹ چکے ہو، صحیح راستہ یہ ہے، اس کی طرف آؤ۔ اس بات کی مزید وضاحت سورہ انبیاء میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا "اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اے گروہ انبیاء تم سب کی ایک ہی جماعت ہو جو سچا دین بتلانے والی ہے اور میں تم سب کا رب ہوں۔ شب معراج میں جب نبی کریم ﷺ نے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا کہ آپ کی بعثت کا مقصد کیا ہے۔ تو سب نے یہی جواب دیا۔ ہمیں توحید کی اشاعت کے لئے بھیجا گیا ہے تاکہ لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر سکیں۔

فرمایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے علاوہ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ان کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل فرمائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک

لاکھ چوبیس ہزار نبی اور پیغمبر بھیجے اور ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں ان میں چار بڑی کتابیں ہیں۔زبور، تورات، انجیل اور قرآن پاک اور ایک سو چھوٹے چھوٹے صحیفے ہیں جو مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے۔تاہم تمام کتب سماویہ کا موضوع ایک ہی تھا یعنی سچے دین کی تبلیغ اور لوگوں کو ان کی غلطیوں پر آگاہ کرنا۔جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات اتاری اور پھر آپ کے پیچھے آنے والے کئی ہزار پیغمبر اس کی اتباع و تبلیغ کرتے رہے۔انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کتابوں کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ نبی تو انسان ہوتا ہے، جسے دوام حاصل نہیں۔لہٰذا جب نبی اپنا کام ختم کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کی لائی ہوئی کتاب آنے والی نسلوں کی راہنمائی کرتی رہتی ہے۔نبی کا لایا ہوا علم اور اس کی شریعت کتاب کی صورت میں موجود رہتا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کتابیں نازل کرنے کا مقصد یہ ہے لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ تا کہ وہ لوگوں کے درمیان اس بات کا فیصلہ کریں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔دیگر کتب سماویہ کی طرح قرآن پاک کے نزول کا مقصد بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں۔گویا نبی کتاب کے ذریعے اللہ کی وحی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔آگے اس امر کی وضاحت کی جارہی ہے کہ اہل کتاب میں اختلاف کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں ہوا تھا۔بلکہ یہ احکام الٰہی سے بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے تھا۔ارشاد ہوتا ہے وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اور اس میں صرف انہی لوگوں نے اختلاف ہوئے اور اس کی وجہ ان کی خود غرضی، ضد اور حسد تھا۔جیسا کہ یہود کے متعلق پہلے بھی آچکا ہے۔يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ یہ لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے۔مگر آپ سے اختلاف کی وجہ "حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ" محض حسد تھا کہ نبوت بنو اسماعیل میں کیوں منتقل ہوگئی ہے۔یہ لوگ اپنی برتری کو قائم و دائم دیکھنا چاہتے تھے اور کسی صورت اقتدار کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتے تھے مگر یہ تو مشیت ایزدی تھی کہ ختم نبوت کا تاج حضور خاتم النبیین ﷺ کے سر پر رکھا گیا۔

## قرآن وسنت کے پیغام سے سرتابی

افسوس یہ ہے کہ مسلمان اتنی ہدایتوں کے باوجود حصوں فرقوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے ۔جس کا سبب یہی ہے کہ ہم مسلمان تو ضرور ہیں،لیکن صحیح معنوں میں اسلام کو سمجھے ہی نہیں،اگر سمجھ گئے ہوتے تو اس کے نافذ کردہ قوانین پر عمل پیرا ضرور ہوتے اور اس طرح فرقوں میں نہ بٹتے اور اس کے قوانین سے ہرگز ہرگز سرتابی نہ کرتے،اس لئے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان والوں کو رشتۂ اخوت میں باندھ دیا تھا تو پھر اس سے فرار کیسا۔''اتحاد'' ایسی چیز ہے کہ نہ صرف عالم انسانیت بلکہ اگر اسے پوری کائنات سے چھین لیا جائے تو اس وسیع کائنات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔آپس میں اختلاف پیدا کرنا گویا ایک شخص کا زہر کو کھالینے کی مانند ہے،یہ جاننے کے بعد کہ زہر اعضاء کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور زندگی کو موت کی آغوش میں پہنچا دیتا ہے۔اسی طرح مسلمان امت واحدہ یا اتحادِ امت سے واقف نہیں یا پھر واقف ہونے کے باوجود اسلام دشمن عناصر کی دسیسہ کاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور قرآن وسنت کے پیغام سے سرتابی اور غفلت برتتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان انتشار و افتراق کو ہوا دینے لگتے ہیں،تقویٰ اور اخوت دو ایسے اصول ہیں جن کی پیروی میں امتِ مسلمہ کی نجات مضمر ہے۔تقویٰ اور اخوت دونوں حق کا لازمہ ہیں اور افتراق کا تعلق باطل سے ہے۔ان دونوں یعنی تقویٰ اور اخوت سے انحراف گمراہی کا باعث ہے۔بلا شبہ،امت مسلمہ کی شکست وزوال کا سبب اتحاد امت کی جانب مسلمانوں کی عدم پیش رفت ہماری پسماندگی اور فرقہ وارانہ اختلافات ہیں، تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب دوسرا عیسوی ہزارہ شروع ہوا تھا تو مسلمان علمی اور سائنسی لحاظ سے تمام اقوام اور مذاہب عالم سے آگے اور ترقی یافتہ تھے۔ان کے شہر علم وسائنس اور تجارت وصنعت کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔مسلمان علماء کو اس زمانے کا راہنما و مفکر سمجھا جاتا تھا۔عالم اسلام سیاسی، اقتصادی اور علمی وسائنسی سرگرمیوں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

## عالم اسلام کی شوکت وعظمت!

آج عالم اسلام کی اس شوکت وعظمت کو کیا ہوا؟ مسلمانوں کی وہ یکجہتی کہاں گئی؟ مسلمانوں کی

عظمت، عزت، سربلندی قوت وطاقت، سطوت، ہیبت، رعب و دبدبہ، سب کچھ اختلافات کی نذر ہو گیا، فرقہ واریت کا سیلاب بلاخیز سب کچھ خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ اگر مسلمان تعلیمات وحی پر کاربند رہتے، تفرقہ بازی سے محفوظ رہ کر قرآن وسنت کو اجتماعی طور پر مضبوطی سے تھامے رکھتے، اپنے سیاسی وسماجی اتحاد کی حفاظت کرتے تو ان کا آج یہ حشر نہ ہوتا۔ آج بھی امت متحد ہو کر عالم اسلام کے ایک پرچم تلے اکٹھے ہو جائے اور اپنے اختلافات پر بے سود وقت ضائع کرنے کے بجائے تھوڑا سا وقت امت کی فلاح وبہبود اور اتحاد کے لئے نکالے تو آج بھی ہم شکست آمیز اور ہزیمت زدہ ماحول سے نکل سکتے ہیں اور بدر واُحد اور خیبر وحنین کی سی ایک عظیم طاقت کے طور پر نمایاں ہو کر کفر کو شکست وذلت سے دوچار کر سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں علماء اور محراب ومنبر کا فریضہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اتحاد ویکجہتی کی اہمیت سے آگاہ کریں۔ اتحاد واتفاق کسی بھی قوم کی ترقی اور اعلیٰ اہداف کے حصول نیز سربلندی اور کامیابی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ آج عالم اسلام کے دشمن متحد ہیں اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ہے۔ اسلام دشمنوں کا اتحاد ثلاثہ (عیسائی، یہود وہنود) اسی ایک نکتہ کی افادیت سے بخوبی آگاہی پر مبنی ہے اور انہوں نے اسلام ومسلمانوں کو اپنا مشترکہ دشمن قرار دے کر اسے اپنے سامراجی طاغوتی اہداف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا ہے اور اسی بناء پر دشمنوں نے اپنے تمام تر نظری، نسلی، علاقائی، سیاسی اور مذہبی اختلافات کو پس پشت ڈال کر ایک دوسرے کے نزدیک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوششیں نام بنام علیٰ الاعلان بابانگ دھل جاری رکھی ہوئی ہیں۔

# مشکلات کا سامنا / سابقین کی مثالیں / نصرتِ الٰہی اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی طاقت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ؕ مَسَّتْھُمُ
الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ
اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ
وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ
عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْـًٔا وَّھُوَ خَیْرٌ
لَّکُمْ ۚ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

## جنت میں داخلے کا حق دار

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَمْ | کیا | حَسِبْتُمْ | تم گمان کرتے ہو | اَنْ | یہ کہ |
| تَدْخُلُوا | تم داخل ہو جاؤ گے | الْجَنَّۃَ | جنت (میں) | | |
| وَلَمَّا | حالانکہ ابھی تک نہیں | یَاْتِکُمْ | (پیش) آئی تمہیں (مشکلیں) | | |
| مَّثَلُ | جیسے | الَّذِیْنَ | اُن لوگوں کے جو | خَلَوْا | گزر چکے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مِنْ قَبْلِكُمْ | تم سے پہلے | مَسَّتْهُمُ | پہنچی اُن کو | الْبَاْسَآءُ | سختی |
| وَالضَّرَّآءُ | اور تکلیف | وَزُلْزِلُوْا | اور وہ ہلا دیئے گئے | | |
| حَتّٰی | یہاں تک | يَقُوْلَ | کہنے لگے | الرَّسُوْلُ | رسول |
| وَالَّذِيْنَ | اور وہ لوگ جو | اٰمَنُوْا | ایمان لائے | | |
| مَعَهٗ | اُس کے ساتھ | مَتٰی | کب (آئے گی) | نَصْرُ اللّٰهِ | اللہ کی مدد |
| اَلَآ | آگاہ رہو | اِنَّ | بیشک | نَصْرَ اللّٰهِ | اللہ کی مدد |
| قَرِيْبٌ | قریب ہی ہے۔(214) | | | | |

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ : کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ یہ آیت غزوۂ احزاب کے متعلق نازل ہوئی جہاں مسلمانوں کو سردی اور بھوک وغیرہ کی سخت تکلیفیں پہنچی تھیں۔(قرطبی، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۱۵، ۲ / ۲۷، الجزء الثالث) اس آیت میں اہل ایمان کو پیش آنے والی مشکلات کی طرف اشارہ کر کے ارشاد ہو رہا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کیا تم گمان کرتے ہو کہ بغیر کوئی مشقت اٹھائے اور بغیر کسی تکلیف کے تم جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ مسلمان کو یاد ہونا چاہئے کہ ان کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے واسطہ ہے۔منافقین ہر حالت میں ان کے نقصان کے درپے ہیں۔ان پر آوازے کسے جاتے ہیں،جسمانی تکالیف دی جاتی ہیں۔مسلمان فقر و افلاس کے شکار ہیں۔امراض اور دیگر پریشانیوں میں مبتلا ہیں فرمایا جو کوئی ان تمام مشکلات کو عبور کر کے اپنے ایمان کو سلامت لے نکلنے ہوگا۔وہی جنت میں داخلے کا حق دار ہوگا۔محض کلمہ پڑھ لینے سے کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا، بلکہ اس پر طرح طرح کی آزمائشیں آئیں گی،جن پر اسے پورا اترنا ہوگا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے۔"وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً" ہم خیر اور شر کے ذریعے تمہیں آزمائیں گے ایک اور مقام پر فرمایا"وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ" ہم تمہیں ہر طرح سے آزمائیں گے یعنی خوف، بھوک، جان و مال اور پھلوں میں کمی کر کے آزمائش کریں گے کہ ہمارا

بندہ کس حد تک مشکلات کو برداشت کرسکتا ہے۔ سابقہ امتوں کو بھی اسی راستے سے گزرنا پڑا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ "ان کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں۔" یعنی وہ فقر وفاقہ کا شکار ہوئے اور ان پر مختلف بیماریوں نے حملہ کیا وَزُلْزِلُوْا "اور وہ ہلا دیے گئے۔" یعنی قتل، جلاوطنی، مال لوٹ لینے اور عزیز واقارب کو قتل کی دھمکی کے خوف اور دیگر نقصانات کے ذریعے سے ان کو ہلا ڈالا گیا، اس حالت نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر یقین رکھنے کے باوجود اس کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ معاملے کی شدت اور تنگی کی بنا پر حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ رسول اور اس کے مومن ساتھی بھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔" چونکہ ہر شدت کے بعد آسانی اور تنگی کے بعد فراخی ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ "آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے" پس ہر وہ شخص جو حق پر قائم رہتا ہے اس کا اسی طرح امتحان لیا جاتا ہے۔ جب بندہ مومن پر سختیاں اور صعوبتیں یلغار کرتی ہیں اور وہ ثابت قدمی سے ان پر صبر کرتا ہے۔

## راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنا خاصانِ خدا کا معمول رہا

تب یہ امتحان اس کے حق میں انعام اور مشقتیں راحتوں میں بدل جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو دشمنوں کے خلاف فتح ونصرت سے نوازا جاتا ہے اور وہ قلب کی تمام بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ اس میں انہیں صبر کی تلقین فرمائی گئی اور بتایا گیا کہ راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنا ہمیشہ سے خاصانِ خدا کا معمول رہا ہے۔ ابھی تو تمہیں پہلوں کی سی تکلیفیں پہنچی بھی نہیں ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت خبّاب بن ارت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر مبارک سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، ہم نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عرض کی کہ یارسول اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے؟ ہماری کیوں مدد نہیں کرتے؟ ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ گرفتار کیے جاتے تھے، زمین میں گڑھا کھود کر اس میں دبائے جاتے تھے، آرے

سے چیر کر دو ٹکڑے کر ڈالے جاتے تھے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت نوچے جاتے تھے لیکن ان میں سے کوئی مصیبت انہیں ان کے دین سے روک نہ سکتی تھی ۔( بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ۲ / ۵۰۳، الحدیث: ۳۶۱۲) یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے دو مختلف اصول بیان کئے ہیں، پہلا قاعدہ یہ ہے کہ راہِ حق میں تکالیف کا آنا ضروری ہے، اس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی ۔ دوسری یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس وقت نازل ہوا کرتی ہے؟ جب تک ایک شخص اپنی تمام تر قوتوں کو اُس کی راہ میں وقف نہ کر دے مدد نہ آئے گی۔

## کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں؟

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یَسْــٴَـلُوْنَكَ | وہ آپ سے پوچھتے ہیں | مَاذَا | کیا | | |
| یُنْفِقُوْنَ | وہ خرچ کریں | قُلْ | آپ کہہ دیں | مَآ | جو کچھ |
| اَنْفَقْتُمْ | تم خرچ کرو | مِّنْ خَیْرٍ | کوئی مال | | |
| فَلِلْوَالِدَیْنِ | تو (وہ) واسطے ماں باپ کے ہے | وَالْاَقْرَبِیْنَ | اور قرابتداروں | | |
| وَالْیَتٰمٰى | اور یتیموں | وَالْمَسٰكِیْنِ | اور مسکینوں | | |
| وَابْنِ السَّبِیْلِ | اور مسافروں کے | وَمَا | اور جو (کچھ) | | |
| تَفْعَلُوْا | تم کرو گے | مِنْ خَیْرٍ | کوئی نیکی | | |
| فَاِنَّ اللّٰهَ | تو بیشک اللہ | بِهٖ | اسے | | |
| عَلِیْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔(215) | | | | |

یَسْــٴَـلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ: آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ یہ آیت حضرت عمرو بن جموح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے جواب میں نازل ہوئی جو بوڑھے شخص تھے اور بڑے مالدار تھے، انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے سوال کیا تھا کہ کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں؟ اس آیت میں انہیں بتا دیا گیا۔( خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۱۵، ۱ / ۱۵۲) کہ جس قسم کا اور

جس قدر مال قلیل یا کثیر خرچ کرو اس میں ثواب ہے اور خرچ کرنے کی جگہیں یہ ہیں یعنی والدین، رشتے دار، یتیم، مسکین اور مسافر۔ یہاں دو مسائل ذہن نشین رکھیں: (۱)......اس آیت میں صدقہ نافلہ کا بیان ہے۔(جمل، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۱۵، ۱/ ۲۵۶) (۲)......ماں باپ کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں۔(ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ۳/ ۳۴۴)

## اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کا معنی ومطلب

والدین کے بعد رشتہ داروں پر ان کے رشتوں کے مطابق خرچ کیا اور اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ جو زیادہ قریبی ہے وہ زیادہ مستحق ہے" یہ عربی کا مقولہ ہے جس کا مطلب ہے" قریبی، پھر (اس سے) زیادہ قریبی"۔ کے اصول کو مدنظر رکھا جائے اور جو زیادہ قریبی اور ضرورت مند ہے اسے دیا جائے۔ پس ان پر خرچ کرنا صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ وَالْيَتٰمٰى "یتیموں سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کا کوئی کمانے والا نہیں۔ ان کے بارے میں گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ ضرورت مند ہیں، کیونکہ ان کے لئے کوئی کمانے والا موجود نہیں ہے اور خود خود اپنے مصالح کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔

## مال خرچ کرنے کے اولین مصارف

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم اور لطف و کرم کرتے ہوئے اپنے بندوں کو ان کے بارے میں وصیت کی ہے وَالْمَسٰكِيْنِ "مساکین سے مراد حاجت مند اور ضرورت مند لوگ ہیں جنہیں ضرورتوں اور حاجتوں نے غریب و مسکین بنا دیا ہو۔ ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے اور انہیں ضروریات سے بے نیاز کرنے کے لئے ان پر خرچ کیا جائے وَابْنِ السَّبِيْلِ "اس سے مراد وہ مسافر اور اجنبی شخص ہے جو زاد سفر ختم ہو جانے کی وجہ سے دیار غیر میں پھنس کر رہ گیا ہو۔ اس پر خرچ کرکے اس کے سفر میں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے، تاکہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ضرورت مندوں کی ان تمام اصناف کو خاص طور پر ذکر کرنے کے بعد اس حکم کو عام کر دیا اور فرمایا: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ "اور جو بھلائی تم کرو گے۔" یعنی مذکورہ بالا اور دیگر لوگوں پر تم جو کچھ خرچ کرتے ہو، بلکہ نیکی اور تقرب الٰہی کا جو کام بھی کرتے ہو، اس میں سب شامل ہیں، کیونکہ یہ تمام کام "خیر"

یعنی بھلائی کے تحت آتے ہیں فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ "اللہ (بھلائی کے) ان تمام کاموں کو جانتا ہے" پس وہ تمہیں ان کا بدلہ عطا کرے گا اور اس کو وہ تمہارے لئے محفوظ رکھتا ہے، ہر شخص کو اس کی نیت، اخلاص، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی قلت یا کثرت، ضرورت مندوں کی ضرورت کی شدت، اس خرچ کی وقعت اور فائدے کے مطابق جزا ملے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض صحابہ (رضي اللہ عنہم) کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کئے جا رہے ہیں، یعنی یہ سب سے زیادہ تمہارے مالی تعاون کے مستحق ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے، زکوٰۃ سے متعلق نہیں۔ کیوں کہ ماں باپ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔

## تم پر جہاد فرض کیا گیا

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| کُتِبَ عَلَیۡکُمُ | تم پر فرض کیا گیا | الۡقِتَالُ | قتال کرنا | | | | |
| وَھُوَ | اور وہ | کُرۡہٌ | ناگوار ہے | لَّکُمۡ | تمہارے لیے | | |
| وَعَسٰۤی | اور ممکن ہے | اَنۡ | کہ | تَکۡرَھُوۡا | تم ناپسند کرو | | |
| شَیۡـًٔا | ایک چیز | وَّھُوَ | اور وہ | خَیۡرٌ | بہتر ہو | لَّکُمۡ | تمہارے لیے |
| وَعَسٰۤی | اور ممکن ہے | اَنۡ | کہ | تُحِبُّوۡا | تم پسند کرو | | |
| شَیۡـًٔا | ایک چیز | وَّھُوَ | اور وہ | شَرٌّ | بری ہو | لَّکُمۡ | تمہارے لیے |
| وَاللّٰہُ | اور اللہ | یَعۡلَمُ | جانتا ہے | وَاَنۡتُمۡ | اور تم | لَا تَعۡلَمُوۡنَ | نہیں جانتے۔ |

کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔ جہاد فرض ہے جب اس کے شرائط پائے جائیں اور اگر کافر مسلمانوں کے ملک پر حملہ کر دیں تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے ورنہ فرض کفایہ۔ فرمایا گیا کہ تم پر جہاد فرض کیا گیا اگر چہ یہ تمہیں طبعی اعتبار سے ناگوار ہے اور تمہارے اوپر شاق ہے لیکن تمہیں طبعی طور پر کوئی چیز ناگوار ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ چیز ناپسندیدہ اور نقصان دہ ہے جیسے کڑوی دوائی، انجکشن اور آپریشن طبعی طور پر ناپسند ہوتے ہیں لیکن نقصان دہ نہیں بلکہ نہایت فائدہ مند ہیں۔ یونہی کسی چیز کا تمہیں پسند ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی اور مفید ہے۔ بچے کو پڑھائی کی

جگہ ہر وقت کھیلتے رہنا پسند ہوتا ہے،شوگر کے مریض کو مٹھائی پسند ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں یہ چیزیں اس کیلئے مفید بھی ہیں بلکہ نقصان دہ ہیں۔لہٰذا اے مسلمانو! اچھا یا برا ہونے کا مدار اپنی سوچ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر رکھو۔اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا وہ بہر حال ہمارے لئے بہتر ہے اور جس سے منع فرمایا وہ بہر حال ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔یعنی اس آیت میں جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمھیں وہ گراں اور ناگوار ہی لگے۔اس لئے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے،تم نہیں جانتے۔ہوسکتا ہے،اس میں تمہارے لئے بہتری ہو۔جیسے جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح وغلبہ،عزت وسربلندی اور مال واسباب مل سکتا ہے،اسی طرح تم جس کو پسند کرو،(یعنی جہاد کے بجائے گھر میں بیٹھ رہنا) اس کا نتیجہ تمہارے لئے خطرناک ہوسکتا ہے،یعنی دشمن تم پر غالب آجائے اور تمہیں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

# سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ/ مرتد اور اس کی سزا
# اہل ایمان کے لئے خوشخبری

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ
اللّٰہِ وَ کُفْرٌۢ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ ۚ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ
مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ
وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَۃِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ
ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾

## حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یَسْئَلُوْنَکَ | وہ آپ سے سوال کرتے ہیں | عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ | حرمت والے مہینے کے متعلق | | |
| قِتَالٍ | لڑائی کرنے سے | فِیْہِ | اس میں | قُلْ | آپ کہہ دیں |
| قِتَالٌ | لڑائی کرنا | فِیْہِ | اس میں | کَبِیْرٌ | بہت بڑا (گناہ) ہے |
| وَصَدٌّ | اور روکنا | عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ | اللہ کی راہ سے | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَكُفْرٌ | اور کفر کرنا | بِهٖ | اسکے ساتھ | | |
| وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ | اور (روکنا) مسجد حرام سے | وَاِخْرَاجُ | اور نکالنا | | |
| اَهْلِهٖ | اس کے رہنے والوں کو | مِنْهُ | اس سے | اَكْبَرُ | بہت بڑا (گناہ) ہے |
| عِنْدَ اللّٰهِ | اللہ کے نزدیک | وَالْفِتْنَةُ | اور فتنہ | | |
| اَكْبَرُ | کہیں بہت بڑا (گناہ) ہے | مِنَ الْقَتْلِ | قتل سے | | |
| وَلَا يَزَالُوْنَ | اور وہ (کافر تو) ہمیشہ | يُقَاتِلُوْنَكُمْ | وہ تم سے لڑتے رہیں گے | | |
| حَتّٰى | یہاں تک کہ | يَرُدُّوْكُمْ | وہ تمہیں پھیر دیں | | |
| عَنْ دِيْنِكُمْ | تمہارے دین سے | اِنِ اسْتَطَاعُوْا | اگر وہ استطاعت رکھیں | | |
| وَمَنْ يَّرْتَدِدْ | اور جو شخص پھر جائے | مِنْكُمْ | تم میں سے | | |
| عَنْ دِيْنِهٖ | اپنے دین سے | فَيَمُتْ | پھر وہ مر جائے | | |
| وَهُوَ | اور وہ | كَافِرٌ | کافر ہی ہو | فَاُولٰٓئِكَ | تو یہی لوگ ہیں |
| حَبِطَتْ | ضائع ہو گئے | اَعْمَالُهُمْ | ان کے اعمال | | |
| فِي الدُّنْيَا | دنیا میں | وَالْاٰخِرَةِ | اور آخرت میں | | |
| وَاُولٰٓئِكَ | اور یہی لوگ ہیں | اَصْحٰبُ النَّارِ | دوزخ والے | | |
| هُمْ | وہ | فِيْهَا | اس میں | خٰلِدُوْنَ | ہمیشہ رہیں گے۔(217) |

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ: آپ سے ماہِ حرام میں جہاد کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔شانِ نزول: نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سرکردگی میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ فرمائی تھی جس نے مشرکین سے جہاد کیا۔ان کا خیال تھا کہ لڑائی کا دن جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے مگر حقیقت میں چاند 29 تاریخ کو ہوگیا تھا اور رجب کی پہلی تاریخ شروع ہوگئی تھی۔اس پر کفار نے مسلمانوں کو شرم دلائی کہ تم نے ماہ حرام میں جنگ کی۔حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے اس کے متعلق

سوال ہونے لگے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۱۸، ۲ / ۲۳، الجزء الثالث) کہ ماہِ حرام میں لڑائی کرنا اگرچہ بہت بڑی بات ہے لیکن مشرکوں کا شرک، مسلمانوں کو ایذائیں دینا، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو ستانا یہاں تک کہ ہجرت پر مجبور کر دینا، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنا، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکنا، دورانِ نماز طرح طرح کی ایذائیں دینا یہ ماہِ حرام میں لڑائی سے بہت بڑھ کر ہے۔ لہٰذا پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے کرتوت دیکھ لو پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنا۔ تمہارے یہ افعال مسلمانوں کے فعل سے زیادہ شدید ہیں کیونکہ کفر و ظلم تو کسی حالت میں جائز نہیں ہوتے جبکہ لڑائی تو بعض صورتوں میں جائز ہو ہی جاتی ہے نیز مسلمانوں نے جو ماہِ حرام میں لڑائی کی تو وہ ان کی غلط فہمی کی وجہ سے تھی کہ چاند کی تاریخ ان پر مشکوک ہوگئی لیکن کفار کا کفر اور مسلمانوں کو ایذائیں تو کوئی قابل شک فعل نہیں، یہ تو واضح طور پر ظلم و سرکشی تھی۔ یاد رہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم سورۂ توبہ آیت نمبر 5 سے منسوخ ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں کا یہ واقعہ تو کفار کو بہانہ کے طور پر مل گیا۔ حقیقت یہ ہے وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے حَتّٰى یَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا یہاں تک کہ اگر استطاعت رکھیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ ان کا مقصد تمہیں اپنے سابقہ دین پر واپس لانا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق بھی دوسرے مقام پر فرمایا کہ ان کا بھی یہی مقصد ہے "وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے "حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ جب تک کہ آپ کا دین اختیار نہ کرلیں (معاذ اللہ) گویا کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہتے ہیں۔

## مرتد آدمی قوم و ملت کا غدار

مگر یاد رکھو۔ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے

پھر جائے گا۔ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ اورکفر کی حالت میں مر جائے گا فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت دونوں جگہ پر ضائع ہو جائیں گے جو کوئی سچے دین اسلام کو چھوڑ کر یہودی یا عیسائی ہو گیا۔ کافر یا مرزائی ہو گیا۔ اس کی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو گئیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دنیا میں اعمال ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے مرتد شخص کی سابقہ نمازیں، روزے، زکوٰۃ، حج وغیرہ سب ضائع ہو گئے۔ اسے ان نیکیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا، سب ضائع ہو گئیں۔ جب تک کہ وہ دوبارہ ایمان نہ لے آئے۔ علاوہ ازیں مرتد آدمی قوم وملت کا غدار ہے۔ اور غدار کی سزا قتل ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ (مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ) (بخاری) جو دین تبدیل کرتا ہے۔ وہ واجب القتل ہے۔ البتہ اس کا طریق کار یہ ہے کہ تین دن تک اس کے شکوک وشبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اس سے توبہ کرانے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر یہ کوشش بارآور نہ ہو سکے اور مرتد دوبارہ مسلمان ہونے پر آمادہ نہ ہو تو اسے سزائے موت دے دی جائے یہ شخص دین کی توہین کا مرتکب ہوا ہے اور معافی کا حقدار نہیں۔ اور یہ کام حکومت وقت کا ہے وہ سزا جاری کرے گی۔ اشتراکی ممالک میں ان کے آئین کی توہین کرنے والا شخص موت کی سزا پاتا ہے۔ برطانوی قانون کے مطابق جب ایمری کے بیٹے نے جنگ کے دوران غداری کی تو اسے سولی پر لٹکا دیا گیا تھا کسی نے آواز نہیں اٹھائی کہ ان کے وزیر کے بیٹے کو سزائے موت کیوں دی گئی۔

## موت کے بعد مرتد کی سزا

موت کے بعد مرتد کی سزا یہ ہے کہ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ مرتد اپنے مسلمان مورث کی وراثت کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ تو دنیا میں اس کے اعمال کا ضیاع ہے اور آخرت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ابدی جہنمی ہے۔ اسے کبھی دوزخ سے رہائی نہیں ہو گی مرتد اصل کافر سے بھی بڑا مجرم ہے۔ کافر سے تو جزیہ قبول کر لیا جاتا ہے۔ مگر مرتد سے جزیہ بھی نہیں لیا جاتا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فتویٰ کے مطابق اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے

قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ تا مرگ قید میں ڈال دیا جائے گا، اگر توبہ کرلے تو آزاد ہو جائے گی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا۔ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ یہ لوگ جہنمی ہیں اور هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

## فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر جرم

آیت ''يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ'' سے معلوم ہونے والے مسائل:

(1)......اس آیت سے معلوم ہوا کہ خود بڑے بڑے عیبوں میں مبتلا ہونا اور دوسروں پر طعن کرنا کافروں کا طریقہ ہے۔ یہ بیماری ہمارے ہاں بھی عام ہے کہ لوگ ساری دنیا کی برائیاں اور غیبتیں بیان کرتے ہیں اور خود اس سے بڑھ کر عیبوں کی گندگی سے آلودہ ہوتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں بھی اس بیماری کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کسی کو اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا تو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں شہتیر نظر نہیں آتا۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الغیبۃ، ذکر الاخبار عمّا یجب علی المرء۔۔۔ الخ، ۷ / ۵۰۶، الحدیث: ۵۷۳۱)

(2)......فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر جرم ہے۔ بعض لوگوں کو فتنہ وفساد کا شوق ہوتا ہے، آیت میں تو فتنہ سے مراد کفر وشرک ہے لیکن اس سے ہٹ کر بھی فتنہ انگیزی کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔

(3)......اس آیت سے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی شان بھی معلوم ہوئی کہ کفار نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم پر اعتراض کیا اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی طرف سے کفار کو جواب دیا۔

**وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ:** اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ اس آیت میں خبر دی گئی کہ کفار مسلمانوں سے ہمیشہ عداوت رکھیں گے اور جہاں تک ان سے ممکن ہو گا وہ مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے چنانچہ آج دنیا میں یہی ہو رہا ہے، کفار کی ہزاروں تنظیمیں مسلم اور غیر مسلم ممالک میں اپنا دین، اپنا کلچر، اپنی تہذیب پھیلانے میں مشغول ہیں۔ جہاں

اصل اسلام سے پھیر سکیں وہاں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتی ہیں، جہاں یہ نہ ہو سکے وہاں لوگوں کو قرآن کی من مانی تاویلوں میں لگا دیتی ہیں، حدیثوں کے انکار میں لگا دیتی ہیں، نت نئے فتنوں میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اگر ایمانیات پر حملہ نہ کر سکیں تو اخلاقیات تباہ کر کے ایمان کمزور کرنے میں لگی ہوئی ہیں الغرض آیت کی حقانیت واضح ہے کہ کفار تمہیں ہمیشہ دین سے پھیرنے کی کوششوں میں لگے رہیں گے۔

**وَمَنۡ يَّرۡتَدِدۡ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ**: اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے۔ مرتد ہونے سے تمام عمل باطل ہو جاتے ہیں، آخرت میں تو اس طرح کہ ان پر کوئی اجر و ثواب نہیں اور دنیا میں اس طرح کہ شریعت حکومتِ اسلامیہ کو مُرتد کے قتل کا حکم دیتی ہے، مرد مرتد ہو جائے تو بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے، مرتد شخص اپنے رشتے داروں کی وراثت پانے کا مستحق نہیں رہتا، مرتد کی تعریف کرنا اور اس سے تعلق رکھنا جائز نہیں ہوتا۔ چونکہ مرتد ہونے سے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں لہٰذا اگر کوئی حاجی مرتد ہو جائے پھر ایمان لائے تو وہ دوبارہ حج کرے، پہلا حج ختم ہو چکا۔ اسی طرح زمانہ اِرتداد میں جو نیکیاں کیں وہ قبول نہیں۔ جو حالتِ اِرتداد میں مر گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا جیسا کہ آیت کے آخر میں '' هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ '' فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو خاتمہ بالخیر نصیب کرے۔ یاد رکھیں کہ مرتد ہونا بہت سخت جرم ہے، افسوس کہ آج کل مسلمانوں کی اکثریت دین کے بنیادی عقائد سے لاعلم ہے، شادی و مرگ اور ہنسی مذاق کے موقع پر کفریہ جملوں کی بھرمار ہے، گانے، فلمیں، ڈرامے خصوصاً مزاحیہ ڈرامے کفریات کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، ان چیزوں سے بچانے والے علوم کا حاصل کرنا فرض ہے۔

## سعادت کے اسباب

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | الَّذِيۡنَ | وہ لوگ جو | اٰمَنُوۡا | ایمان لائے |
| وَالَّذِيۡنَ | اور وہ لوگ جنہوں نے | هَاجَرُوۡا | ہجرت کی | وَجٰهَدُوۡا | اور جہاد کیا |
| فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ | اللہ کی راہ میں | اُولٰٓئِكَ | یہی لوگ | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| يَرْجُوْنَ | امید رکھتے ہیں | رَحْمَتَ اللهِ | اللہ کی رحمت کی |
| وَاللهُ | اور اللہ | غَفُوْرٌ | بہت زیادہ بخشنے والا |
| رَّحِيْمٌ | نہایت رحم کرنے والا ہے۔(218) | | |

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ سعادت کے اسباب کو عمل میں لا کر ہی سعادت کی امید کی جاسکتی ہے۔رہی وہ امید جو سستی پر مبنی ہو اور جس سے پہلے اسباب کو عمل میں نہ لایا گیا ہو۔تو وہ محض عجز، آرزو اور فریب ہے اور اس قسم کی امید، کم ہمتی اور کم عقلی پر دلالت کرتی ہے۔مثال اس شخص کی سی ہے جو نکاح کے وجود کے بغیر ہی اولاد کی اور بیج بوئے اور پانی دیئے بغیر ہی غلے کی فصل کی امید رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ "یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں" میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مومن خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو، تب بھی اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ان اعمال پر بھروسہ کرے، بلکہ وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھے وہ یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کے اعمال قبول ہو جائیں گے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے عیوب کی پردہ پوشی کر دی جائے گی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللهُ غَفُوْرٌ "اور اللہ بخشنے والا" یعنی جو اخلاص سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے رَّحِيْمٌ "رحمت کرنے والا ہے۔" یعنی اس کی رحمت ہر چیز پر محیط اور اس کی سخاوت تو اور احسان ہر ذی حیات کے لئے عام ہے۔اہل ایمان کے لئے سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عظیم اجر، مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ایمان والوں کو دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں بلند درجات ملیں گے، اور وہ قیامت کے دن نور کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

# شراب اور جوئے کی مذمت/حرام چیز کی تجارت بھی حرام ہے/جوئے کے متعلق احکام

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَاۤ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

## شراب کے متعلق ابتدائی حکم

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| یَسْـَٔلُوْنَکَ | وہ پوچھتے ہیں آپ سے | عَنِ الْخَمْرِ | شراب | | |
| وَالْمَیْسِرِ | اور جوئے کے متعلق | قُلْ | آپ کہہ دیں | | |
| فِیْهِمَاۤ | ان دونوں میں | اِثْمٌ | گناہ ہے | کَبِیْرٌ | بڑا |
| وَّمَنَافِعُ | اور کچھ فائدے | لِلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | | |
| وَاِثْمُهُمَاۤ | اور ان دونوں کا گناہ | اَکْبَرُ | بہت بڑا ہے | | |
| مِنْ نَّفْعِهِمَا | ان دونوں کے فائدے سے | وَیَسْـَٔلُوْنَکَ | اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مَاذَا | کیا (کچھ) | يُنْفِقُوْنَ | وہ خرچ کریں | قُلِ | آپ کہہ دیں |
| الْعَفْوَ | جو ضرورت سے زائد ہو | كَذٰلِكَ | اسی طرح | يُبَيِّنُ | بیان کرتا ہے |
| اللّٰهُ | اللہ | لَكُمُ | تمہارے لیے | الْاٰيٰتِ | (اپنے) احکام |
| لَعَلَّكُمْ | تاکہ تم | تَتَفَكَّرُوْنَ | غور و فکر کرو۔(219) | | |

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔آپ ان سے کہیے کہ ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے۔اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔مگر ان کا گناہ ان کے نفع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی و مستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آجاتی ہے۔جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لئے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔اسی طرح اس کی خرید و فروخت نفع بخش کاروبار ہے۔جُوا میں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے، لیکن یہ فائدے ان نقصانات و مفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے پہنچتے ہیں۔اس لئے فرمایا کہ (ان کا گناہ، ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔) اس طرح اس آیت میں شراب اور جوا کو حرام و قرار نہیں دیا گیا، تاہم اس کے لئے تمہید باندھ دی گئی ہے۔یہ شراب کے متعلق ابتدائی حکم ہے۔جس میں صرف شراب سے نفرت دلانا مقصود تھا اس کے بعد دوسرے حکم میں یہ بتلایا گیا کہ نشہ کی حالت میں نماز ادا کرنا منع ہے۔پھر تیسری بار آخری حکم سورہ مائدہ کی آیت نمبر 90 میں ہے۔جس میں شراب، جوا اور اس قبیل کی دوسری چیزوں کو قطعی طور پر حرام کیا گیا ہے کہ اگرچہ شراب کے پینے سے وقتی طور پر کچھ سرور حاصل ہو جاتا ہے۔تاہم اس کے اور جوا کے نقصانات اس کے فائدہ سے بہت زیادہ ہیں۔مثلاً شراب پینے سے انسان کی عقل مخمور ہو جاتی ہے اور یہی خرابی کئی طرح کے فتنہ و فساد کا سبب بن جاتی ہے۔اسی طرح جوئے میں مفت مال ملنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے مگر یہی چیزیں بعد میں کئی مفاسد،

جھگڑوں اور دشمنیوں کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا ان سے بچنا ہی بہتر ہے۔

## شراب۔انسان کی بدترین دشمن

خَمْر نشہ آور چیز کو کہتے ہیں۔یعنی جو کہ عقل کو ڈھانپ لے انسان کو بے عقل بنا دے۔عام طور پر یہ لفظ شراب پر بولا جاتا ہے۔کیونکہ نشہ آور اشیا میں شراب سرفہرست ہے۔اس کے نقصانات تو واضح ہیں کہ انسان کو بے خود بنا دیتی ہے۔جس میں انسان گالی گلوچ بکتا ہے۔فرائض سے محروم رہ جاتا ہے۔ذہن ماؤف ہوتا ہے اور پھر مال کا ضیاع بھی ہے۔اس آیت میں شراب اور جوئے کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ جوئے اور شراب کا گناہ اس کے نفع سے زیادہ ہے، نفع تو یہی ہے کہ شراب سے کچھ سُرور پیدا ہوتا ہے یا اس کی خرید و فروخت سے تجارتی فائدہ ہوتا ہے اور جوئے میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے کبھی مفت کا مال ہاتھ آجاتا ہے لیکن شراب اور جوئے کی وجہ سے ہونے والے گناہوں اور فسادات کا کیا شمار۔شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے، غیرت و حَمیّت کا جنازہ نکل جاتا ہے، ماں، بہن، بیٹی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے، عبادت سے دل اکتا جاتا ہے، عبادت کی لذت دل سے نکل جاتی ہے۔جوئے کی وجہ سے لوگوں سے دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں، آدمی سب کی نظر میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، جوئے باز، سٹے باز کے نام سے بدنام ہوتا ہے، کبھی کبھار اپنا سب مال و اسباب جوئے میں ہار دیتا ہے، زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، محنت سے جی چرانا شروع ہو جاتا ہے اور مفت خورہ بننے کی عادت پڑ جاتی ہے وغیرہا۔ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے حضور پرنور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کو جعفر طیار کی چار خصلتیں پسند ہیں۔سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت جعفر طیار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کی کہ ایک خصلت تو یہ ہے کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی یعنی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی کبھی شراب نہیں پی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ اس سے عقل زائل ہوتی ہے اور میں چاہتا تھا کہ عقل اور بھی تیز ہو۔دوسری خصلت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی میں نے کبھی بت کی پوجا نہیں کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ پتھر ہے نہ نفع دے سکے نہ نقصان۔تیسری

خصلت یہ ہے کہ میں کبھی زنا میں مبتلا نہ ہوا کیونکہ میں اس کو بے غیرتی سمجھتا تھا۔ چوتھی خصلت یہ تھی کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ میں اس کو کمینہ پن خیال کرتا تھا۔ (تفسیرات احمدیہ، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۱۹، ص ۱۰۱ ملتقطاً) سبحان اللہ، کیا سلیم الفطرت تھے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ تعالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر جائے پھر اس جگہ مینار بنایا جائے تو میں اس پر اذان نہ کہوں گا اور اگر دریا میں شراب کا قطرہ پڑ جائے پھر دریا خشک ہو جائے اور وہاں گھاس پیدا ہو تو میں اس میں اپنے جانوروں کو نہ چراؤں گا۔ (مدارک، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۱۹، ص ۱۱۳) سبحان اللہ! گناہ سے کس قدر نفرت ہے۔" اللہ تعالٰی ہمیں ان کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اٰمین۔

**اَلْخَمْرِ** : شراب، اس کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ) [مسلم: 2003/74] "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔" بعض لوگوں نے صرف انگور کی شراب کو "خمر" قرار دے کر باقی سب کے دوسرے نام رکھ کر انھیں حلال کر لیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے عین مصداق ہیں کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو عورتوں کی شرم گاہوں کو اور ریشم اور خمر (شراب) کو اور باجوں کو حلال کر لیں گے۔ [بخاری، الأشربۃ، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر۔: 5590، عن أبی مالک الأشعری] ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے کچھ لوگ خمر (شراب) پییں گے اور اس کا نام کچھ اور رکھ لیں گے۔" [أبو داؤد، الأشربۃ، باب فی الداذیّ: 3688] حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یعنی شراب پینے والا پلانے والا، نچوڑنے والا، بنانے والا، اٹھا کر جانے والا۔ اس کو بیچنے والا اور اس کی کمائی کھانے والا سب لعنتی ہیں۔

سورۃ المائدہ میں دس دلیلوں سے شراب کو حرام کیا گیا تا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت جم جائے۔ چنانچہ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (90) اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ

بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ(91)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر ناپاک شیطانی کام ہی ہیں تو ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض و کینہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آتے ہو؟

اس آیت میں درج ذیل دس دلائل سے شراب کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے:

1۔ شراب کا ذکر جوئے، انصاب اور راز لام کے ساتھ کیا۔ یہ تینوں چیزیں چونکہ حرام ہیں لہذا شراب بھی حرام ہے۔

2۔ شراب نوشی کو رجس (ناپاک) کہا گیا اور ہر ناپاک شے حرام ہے۔

3۔ شراب نوشی کو شیطانی کام فرمایا اور ہر شیطانی کام حرام ہے۔

4۔ شراب نوشی سے اجتناب کا حکم فرمایا لہذا اجتناب فرض و واجب اور اس کا ارتکاب حرام ہوا۔

5۔ آخرت و دنیا کی کامیابی اور فلاح کو شراب سے اجتناب پر منحصر کیا لہذا ارتکاب حرام ہوا۔

6۔ شراب کو شیطان کی طرف سے عداوت کا سبب قرار دیا اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے۔

7۔ شراب کی وجہ سے شیطان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

8۔ شراب اللہ کے ذکر سے روکنے کا سبب بنتی ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے۔

9۔ شراب نماز سے روکتی ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔

10۔ اللہ تعالی نے انتہائی بلیغ ممانعت فرماتے ہوئے استفہاماً فرمایا ہے: ''تو کیا تم شراب نوشی سے باز آنے والے ہو؟''

بعض مفسرین کے نزدیک شراب پر پابندی قرآن حکیم میں بتدریج نافذ ہوئی جب کہ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ تینوں مقامات بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان تینوں سورتوں میں مختلف انداز سے شراب نوشی سے روکا گیا اور

اس کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ اسلام میں ہر ناپاک اور حرام شے سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔قرآن حکیم نے اس مسئلہ کی بیخ کنی کر دی ہے جس کے لیے کسی معاشرے اور کسی دانش ور میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس مسئلے کو اس طرح دوٹوک طریقہ سے حل کرتا یعنی شراب نوشی کا یہ مسئلہ ان معاشروں کی بنیادوں کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح چاٹ رہا ہے جب کہ اللہ کے حکم نے ہمارے معاشرے کو صدیوں سے اس مصیبت سے دور رکھا ہے۔

## جوئے کی حرمت اور اکل حرام کی قباحت

**وَالْمَيْسِرِ** : جوا، یہ "یُسْرٌ" بمعنی سہولت سے ہے "میسر" لفظ کا لغوی مطلب "آسانی" یا "سہولت" ہے۔ یہ لفظ عربی زبان کے لفظ "یسر" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں بائیں ہاتھ کے، اور محاورتاً بائیں ہاتھ کا کام آسانی سے ہو جانے کی وجہ سے "آسانی" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لیے میسر کا مطلب وہ چیز ہے، جو آسانی سے حاصل ہو جائے یا دست یاب ہو۔ میسر کا ایک اور پہلو "جوئے" یا "قمار بازی" کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے، جہاں اسے "آسانی سے حاصل ہونے والی دولت" کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو کہ جوا کھیلنے سے حاصل ہوتی ہے اور قرآن کریم میں لفظ "میسر" جوا ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔، کیونکہ جوئے میں بغیر مشقت کے دوسرے کا مال آسانی سے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ اس لئے اس کو میسر کہتے ہیں جوئے کی یہی خباثت ہے کہ اس میں ایک دوسرے کے حق تلفی ہوتی ہے۔ میسر: یعنی قمار اور جوا کیا ہے؟ جوا ایک عظیم گناہوں والا شیطانی عمل ہے۔ جوا انسانوں کے باہم بغض و عناد، لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد کا سبب ہے۔ جوا ناپاک اور باطل طریقہ پر غیروں کا مال ہضم کر جانے کا ایک بدترین ذریعہ ہے۔ جوا جوے باز کو یادِ خدا اور اقامت نماز سے روکنے والا ایک فعل شنیع ہے۔ جوا روح کو مردہ اور آخرت کو تباہ کرنے والی ایک بری چیز ہے۔ جوا فطرت سلیمہ کے ہاں قابل نفرت اور شیطانی جال ہے۔ جوا تباہی قوم اور زوال اخلاق انسانی کا ہتھیار ہے۔ جوا انسان کو بھلے اور برے کاموں کی فکر سے غافل کر دیتا ہے۔ جوا میں فوائد کم اور مفاسد زیادہ ہیں۔ جوا بے شمار مفاسد اور مہلک خرابیوں میں

گزرنے کا ایک آلہ ہے۔

## جوئے کی مختلف اقسام

موجودہ زمانے میں گھڑدوڑ لاٹری، انعامی سکیمیں وغیرہ سب جوئے کی مختلف اقسام ہیں آج کل پانسے، لاٹری، بیمے اور سٹے وغیرہ کے نام سے جو کاروبار ہو رہا ہے۔ قمار بازی کے ذریعے کوئی شخص بغیر محنت ومشقت، صنعت وتجارت یا مزدوری وملازمت دوسرے کے مال پر قبضہ کر لیتا۔ جو مختلف ناموں سے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حالانکہ ہر قسم کی قمار بازی حرام ہے۔ جوئے کے متعلق احکام: (1)......جوا کھیلنا حرام ہے۔ (2)......جوا، ہر ایسا کھیل ہے جس میں اپنا کل یا بعض مال چلے جانے کا اندیشہ ہو یا مزید مل جانے کی امید ہو۔ (3)......شطرنج تاش، لڈو، کیرم، بلیئرڈ، کرکٹ وغیرہ ہار جیت کے کھیل جن پر بازی لگائی جائے سب جوئے میں داخل اور حرام ہیں۔ یونہی کرکٹ وغیرہ میں میچ یا ایک ایک اوور یا ایک ایک بال پر جو رقم لگائی جاتی ہے یہ جوا ہے، یونہی گھروں یا دفتروں میں چھوٹی موٹی باتوں پر جو اس طرح کی شرطیں لگتی ہیں کہ اگر میری بات درست نکلی تو تم کھانا کھلاؤ گے اور اگر تمہاری بات سچ نکلی تو میں کھانا کھلاؤں گا یہ سب جوئے میں داخل ہیں۔ یونہی لاٹری وغیرہ جوئے میں داخل ہے۔ آج کل موبائل پر کمپنی کو میسج کرنے پر ایک مخصوص رقم کٹتی ہے اور اس پر بھی انعامات رکھے جاتے ہیں یہ سب جوئے میں داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسلامی فقہ میں یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ جس چیز کا استعمال حرام ہو، اس کی خرید وفروخت، تجارت اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہوتی ہے۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے، تو اس کے کاروبار سے حاصل ہونے والا منافع بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں سے اب حلال وحرام اعمال وافعال اور اموال کے درمیان فرق وامتیاز کی کیفیت تقریباً ختم ہو رہی ہے اور لوگ حرام کام کو حرام اور ناجائز مال کو ناجائز تصور نہیں کر رہے ہیں اور سبھوں کو ایک ہی زمرہ میں شامل کر کے ہضم کرتے جا رہے ہیں، جس کی بنا پر مسلمانوں کے قلوب سخت ہوتے جا رہے ہیں اور باہمی رواداری ومحبت کا خاتمہ ہو رہا ہے اور نفرت کی جڑیں مضبوط

ہو رہی ہیں۔اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ علمائے امت مسلمانوں کے دلوں میں اعمال محرمہ اور اموال ممنوعہ کی قباحت ونفرت ڈالنے کی کامیاب محنت کریں اور ان سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے جگہ جگہ بڑے بڑے جلسے کیے جائیں، تب جا کر لوگوں میں کچھ سدھار ممکن ہے؛ ورنہ رفتہ رفتہ امت مزید تباہی کی طرف جا سکتی ہے۔

## زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقہ، خیرات

آگے خرچ کے متعلق سوال اور اس کا جواب ہے **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ** آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کس قدر خرچ کریں۔ یہ سوال گزشتہ سے پیوستہ درس میں بھی آچکا ہے۔ وہاں پر اس کا جواب دیا گیا تھا کہ فلاں فلاں مد پر خرچ کریں۔مگر اس آیت کے جواب میں ہے **قُلِ الْعَفْوَ** آپ کہہ دیجیے جو اپنی ضرورت سے زائد ہے۔ وہ خرچ کردیں۔گویا اس سوال کا تعلق خرچ کی مقدار سے ہے۔ یہاں یہ ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حاجت سے زائد سب کچھ خرچ کردینا فرض، واجب وغیرہ کی کس مد میں آئے گا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ خرچ جس مد کے لئے کیا جائے گا، اس کا شمار اسی میں ہوگا۔مثلاً اگر زکوٰۃ ادا کی گئی ہے تو اس مد کا خرچ فرض ہوگا اگر صدقہ فطرادا کیا ہے یا کسی اور واجب پر خرچ کیا ہوگا تو واجب شمار ہوگا۔اسی طرح نفلی امور کا خرچ نفل شمار ہوگا۔اگر کسی مباح کام میں خرچ کیا گیا ہے تو ایسا خرچ بھی مباح ہوگا، اگر محض ثواب کی نیت ہے، تو خرچ کنندہ کو ثواب حاصل ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر کسی معصیت والے کام پر خرچ کردیا ہے، تو ایسا خرچ حرام شمار ہوگا۔اگر کسی مباح کام پر خرچ کیا ہے مگر ثواب کی نیت نہیں کی تو ایسا خرچ جائز تصور ہوگا۔

چونکہ اس آیت میں ضرورت سے زائد چیز خرچ کرنے کا حکم ہے۔اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ فرض واجب کے متعلق نہیں کیونکہ زکوٰۃ وغیرہ کی مقدار تو مقرر ہے۔مگر یہاں ہر زاید چیز کے خرچ کرنے کا حکم ہے تو اس سے مراد صدقہ خیرات اور دیگر نفلی اخراجات ہیں۔ بہرحال اس آیت سے ایک بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اپنی ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے اس سے زائد مال کو خرچ کرو۔ اگر خود اپنے لئے، اپنے بال بچوں کی جائز ضروریات موجود ہیں اور ان ضروریات کو پورا کرنے

کے بعد کچھ نہیں بچتا، تو مت خرچ کرو۔ پہلے اپنی ضروریات پوری کرو، اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر حق تلفی نہ کرو۔ اپنی ضروریات پوری کرو، اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر حق تلفی نہ کرو۔ ہاں بعض خاص شخصیات ہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن میں صبر کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے تو ایسے شخص اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ مگر جو شخص صبر کے اس مرتبہ پر نہ ہو، اسے اپنی ضروریات کو مقدم رکھ کرنا ہوگا۔ ابتدائے اسلام میں حاجت سے زائد مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا، صحابہ کرام رضیَ اللہُ تعَالیٰ عَنہُم اپنے مال میں سے اپنی ضرورت کی مقدار لے کر باقی سب راہ خدا میں تصدُّق کر دیتے تھے۔ تصدُّق عربی زبان کا لفظ ہے جو صدق سے نکلا ہے۔ اس کا بنیادی لغوی معنی سچائی، کھرے پن، اور کسی پر جان یا مال قربان کرنا ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا تصدق کہلاتا ہے۔ اس کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا، غریبوں کی مدد کرنا اور اپنے مال کو پاک کرنا ہے۔ اس میں فرض زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقہ، خیرات، اور ہبہ (تحفہ) سب شامل ہیں۔ بہر حال یہ حکم اگر بطورِ فرض کے تھا تو زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے منسوخ ہوگیا اور اگر نفلی حکم تھا تو آج بھی مستحب طور پر باقی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ نہ ہاتھ کو زیادہ کھلا رکھو کہ خود محتاج ہو جاؤ اور نہ اتنا سکیڑ کر رکھو کہ بخیل شمار ہو۔ بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرو اپنی جائز ضروریات پوری کرو، اور اس کے بعد مال کو روک کر نہ رکھو، بلکہ غریبوں اور محتاجوں کو بھی ان کا حق ادا کرو۔ جائز ضروریات میں انسان کے بنیادی اخراجات ہیں، جیسے کھانا، پینا، لباس، صحت، تعلیم، رہائش وغیرہ ہیں۔ ان چیزوں پر خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہیں اسی لئے فرمایا کہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات کا خیال رکھو یہاں پر بھی جائز ضروریات سے محروم نہ رہو، اور آخرت کے لئے بھی توشہ تیار کرو۔

# یتیم کی سرپرستی کے اہم پہلو/ مشرکین سے نکاح کی ممانعت دوزخ اور جنت کی طرف دعوت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ
تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ
مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

## چند روزہ دنیا اور ہمیشہ رہنے والی آخرت

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ | دنیا اور آخرت بارے میں | وَيَسْـَٔلُوْنَكَ | اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں |
| عَنِ الْيَتٰمٰى | یتیموں کے بارے میں | قُلْ | آپ کہہ دیں |
| اِصْلَاحٌ لَّهُمْ | ان کی اصلاح کرنا | خَيْرٌ | بہت بہتر ہے |
| وَاِنْ | اور اگر | تُخَالِطُوْهُمْ | تم ان کو باہم ملالو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَاِخْوَانُكُمْ | تو وہ تمہارے بھائی ہیں | وَاللّٰهُ | اور اللہ |
| يَعْلَمُ | جانتا ہے | الْمُفْسِدَ | فسادی کو |
| مِنَ الْمُصْلِحِ | اصلاح کرنے والے سے | وَلَوْ | اور اگر |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| شَآءَ | چاہتا | اللّٰهُ | اللہ | لَاَعْنَتَكُمْ | تو تمہیں تکلیف میں ڈال دیتا |
| اِنَّ | بیشک | اللّٰهَ | اللہ | عَزِيْزٌ | بہت زبردست |

| | |
|---|---|
| حَكِيْمٌ | بڑی حکمت والا ہے۔(220) |

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: اس کا تعلق اس سے پہلی آیت "لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ" کے ساتھ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے شراب اور جوئے میں دنیا کے فائدے اور دنیا اور آخرت میں ان کے نقصانات اور ان کا کبیرہ گناہ ہونا اور شراب اور جوئے کے بجائے اللہ کے راستے میں اپنی بہترین چیزیں خرچ کرنا کھول کر بیان کر رہا ہے، تاکہ تم چند روزہ دنیا اور ہمیشہ رہنے والی آخرت دونوں میں خود ہی غور و فکر کر لو کہ عقل سے کام لے کر تم کس کو ترجیح دیتے ہو۔

## یتیموں کے مال کی حفاظت

آیت زیر درس میں یہ تیسرا سوال یتیموں کے متعلق اٹھایا گیا ہے۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى: اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں دراصل یتیموں کے مال کی حفاظت کے متعلق قرآن پاک میں بہت سی آیات نازل ہوئیں، عرب کے لوگ عام طور پر یتیموں کا مال غصب کر جاتے تھے، ان کے متولی بن کر ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے اور پھر حیلے بہانے سے ان کا مال ناجائز طور پر ہضم کر جاتے، اللہ تعالیٰ نے تاکیداً کئی ایک احکام نازل فرمائے: جب یہ آیت: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا (النساء:۱۰) نازل ہوئی کہ یتیموں کا مال کھانے والا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے والا ہے تو لوگوں نے یتیموں کے مال جدا کر دیئے اور ان کا کھانا پینا علیحدہ کر دیا اس میں یہ صورتیں بھی پیش آئیں کہ جو کھانا یتیم کے لیے پکایا جاتا اس میں سے کچھ بچ جاتا اور خراب ہو جاتا اور کسی کے کام نہ آتا، اس میں یتیموں کا نقصان

ہونے لگا۔ یہ صورتیں دیکھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضور سید المرسلین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عرض کی کہ اگر یتیم کے مال کی حفاظت کی نیت سے اس کا کھانا اس کے سر پرست اپنے کھانے کے ساتھ ملالیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یتیموں کے فائدے کے لیے ملانے کی اجازت دی گئی۔ (ابو داود، کتاب الوصایا، باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام، ۳ / ۱۵۷، الحدیث: ۲۸۷۱، تفسیر کبیر، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۲۰، ۲ / ۴۰۴) لیکن ساتھ ہی تنبیہ فرمادی کہ تمہیں یتیموں کے فائدے کیلئے مال ملانے کی اجازت تو دیدی گئی ہے لیکن کون اچھی نیت سے یتیموں کا مال ملاتا ہے اور کس کی نیت میں فساد ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ ظاہراً تو یتیموں کا فائدہ کر رہے ہو اور حقیقت میں ان کا مال ہڑپ کرنے کا ارادہ ہو۔ آیت مبارکہ کا یہ حصہ ’’وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ‘‘ کہ اللہ تعالیٰ اصلاح کی نیت والے اور فساد کی نیت والے دونوں کو جانتا ہے، یہ فرمان نہایت جامع ہے اور زندگی کے ہزاروں شعبوں کے لاکھوں معاملات میں رہنمائی کیلئے کافی ہے جہاں ایک ہی چیز میں اچھی اور بری دونوں نیتیں ہو سکتی ہیں وہاں دوسرے لوگ اگرچہ بری نیت کو نہ جانتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

## یتیموں سے متعلق احکام

(1)......یتیم وہ نابالغ بچہ یا بچی ہے جس کا باپ فوت ہو گیا ہو، اگر اس کے پاس مال ہو اور اپنے کسی ولی کی پرورش میں ہو اس کے احکام اس آیت میں مذکور ہیں کہ ولی خواہ اس یتیم کا مال اپنے مال سے ملا کر اس پر خرچ کرے یا علیحدہ رکھ کر جس میں یتیم کی بہتری ہو وہ کر سکتا ہے لیکن ملانا خراب نیت سے نہیں ہونا چاہیے۔

(2)......اگرچہ اس آیت کا نزول یتیموں کی مالی اصلاح کے بارے میں ہوا مگر اصلاح کے لفظ میں ساری مصلحتیں داخل ہیں۔ یتیموں کے اخلاق، اعمال، تربیت، تعلیم سب کی اصلاح کرنی چاہیے۔ یوں سمجھیں کہ یتیم ساری مسلم قوم کیلئے اولاد کی طرح ہیں۔ بہرحال قرآن مجید میں یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت وارد ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جس جس کے زیر کفالت

کوئی یتیم تھا۔انہوں نے یتیموں کے کھانے پینے کا انتظام اپنے سے الگ کر دیا۔اگر کسی یتیم کا کچھ بچ رہتا تو وہ دوسرے وقت یتیم کو دیدیا جاتا۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کھانا خراب ہو جاتا۔نیز ان کا کھانا علیحدہ تیار کرنے میں بہت دقت تھی۔اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آیا یتیموں کے کھانے کا علیحدہ انتظام رکھا جائے یا اپنے ساتھ ملانے کی اجازت ہے؟ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ۔تو اس کا جواب دیا گیا کہ وہ طریقہ اختیار کرو جس میں یتیموں کی اصلاح ہو اور ان کا فائدہ ہو۔اگر یتیموں کے پاس اپنا مال موجود ہو تو ان پر اپنا مال خرچ کرنا ضروری نہیں البتہ ان کے مال کی اصلاح اور حفاظت ضروری ہے یعنی یتیموں کو مال دینا واجب نہیں۔البتہ ان کی خیر خواہی ضروری ہے۔

## مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا | اور نہ | تَنْكِحُوا | تم نکاح کرو | الْمُشْرِكٰتِ | مشرک عورتوں سے |
| حَتّٰى | یہاں تک کہ | يُؤْمِنَّ | وہ ایمان لے آئیں | وَلَاَمَةٌ | اور البتہ لونڈی |
| مُّؤْمِنَةٌ | ایمان والی | خَيْرٌ | بہت بہتر ہے | مِّنْ مُّشْرِكَةٍ | مشرکہ عورت سے |
| وَّلَوْ | اور اگرچہ | اَعْجَبَتْكُمْ | وہ اچھی لگے تم کو | | |
| وَلَا | اور نہ | تُنْكِحُوا | تم نکاح میں دو تم (مسلمان عورتیں) | | |
| الْمُشْرِكِيْنَ | مشرک مردوں کو | حَتّٰى | یہاں تک کہ | | |
| يُؤْمِنُوْا | وہ ایمان لے آئیں | وَلَعَبْدٌ | اور البتہ غلام | مُّؤْمِنٌ | مومن |
| خَيْرٌ | بہت بہتر ہے | مِّنْ مُّشْرِكٍ | مشرک مرد سے | | |
| وَّلَوْ | اور اگرچہ | اَعْجَبَكُمْ | وہ پسند آئے تم کو | | |
| اُولٰٓئِكَ | یہ لوگ | يَدْعُوْنَ | بلاتے ہیں (تمہیں) | | |
| اِلَى النَّارِ ۖ | آگ کی طرف | وَاللّٰهُ | اور اللہ | يَدْعُوْٓا | بلاتا ہے |
| اِلَى الْجَنَّةِ | جنت کی طرف | وَالْمَغْفِرَةِ | اور بخشش (کی طرف) | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بِاِذۡنِهٖ | اپنے حکم سے | وَيُبَيِّنُ | اور بیان کرتا ہے | اٰيٰتِهٖ | آیات اپنی |
| لِلنَّاسِ | لوگوں کے لیے | لَعَلَّهُمۡ | تا کہ وہ | | |
| يَتَذَكَّرُوۡنَ | وہ نصیحت حاصل کریں۔ | | | | |

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ: اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ مشرکہ عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیوں کہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے۔ البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہوسکتا۔ تاہم حضرت عمر (رضي الله عنه) نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے (ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظرانداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی (صلى الله عليه وآله وسلم) نے فرمایا کہ "عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔" (صحيح بخاري- وصحيح مسلم،) اسی طرح آپ (صلى الله عليه وآله وسلم) نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ" (صحیح مسلم، یہ آیت حضرت مرثد غَنَوِی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ ایک بہادر شخص تھے۔ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے انہیں مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تاکہ وہاں سے کسی تدبیر کے ساتھ مسلمانوں کو نکال لائیں۔ وہاں عَناق نامی ایک مشرکہ عورت تھی جو زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ محبت کرتی تھی، وہ حسین اور مالدار تھی جب اُس کو اِن کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئی اور اپنی طرف دعوت دی۔ آپ نے خوفِ الٰہی کی وجہ سے اس سے اِعراض کیا اور فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا تب اس نے نکاح کی درخواست کی تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا کہ یہ بھی رسولِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی اجازت پر موقوف ہے۔ چنانچہ پھر اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو صورتِ حال عرض کر کے نکاح کے متعلق دریافت کیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی (خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ:۲۲۱، ۱/ ۱۶۰)

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یہ عورت کے سرپرستوں سے خطاب ہے کہ اپنی مسلمان عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو۔ مسلمان عورت کا نکاح مشرک و کافر کے ساتھ باطل و حرام ہے۔ مشرک و کافر لوگ تو تمہیں جہنم کی آگ کی طرف بلاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور تمہیں نصیحت فرمانے کیلئے تم پر اپنے احکام نازل فرماتا ہے۔ کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان نکاح کا تعلق محض شہوانی تعلق ہی نہیں جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے بلکہ اس تعلق کے اثرات بڑے دور رس ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے دماغ اخلاق اور تمدن پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ مثلاً ایک مومن ایک مشرکہ سے نکاح کرتا ہے تو اگر وہ مومن اپنے ایمان میں پختہ، علم میں بیوی سے فائق تر اور عزم کا پکا ہوگا تو اس صورت میں وہ اپنی بیوی کی اور کسی حد تک اپنے سسرال والوں کی اصلاح کرسکتا ہے۔ ورنہ عموماً یوں ہوتا ہے کہ مرد مغلوب اور عورت اس کے افکار پر غالب آجاتی ہے اور اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پکے ہوں تو ان میں ہر وقت معرکہ آرائی ہوتی رہے گی اور اگر دونوں ڈھیلے ہوں تو وہ دونوں شرک اور توحید کے درمیان سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوں گے اور یہ صورت اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً گوارا نہیں اور ایسی صورت کو بھی شرک ہی قرار دیا گیا ہے اور اگر مرد مشرک اور بیوی موحد ہو تو شرک کے خطرات مزید بڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا نقصان کے احتمالات زیادہ ہونے کی بنا پر ایسے نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا اور فرمایا کہ ظاہری کمال و محاسن دیکھنے کی بجائے صرف ایمان ہی کو شرط نکاح قرار دیا جائے ضمناً اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح کے بعد کوئی ایک فریق مشرک ہو جائے تو سابقہ نکاح از خود ٹوٹ جائے گا۔

## قادیانی لڑکی سے نکاح شرعاً باطل اور حرام

اسی طرح امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قادیانی (احمدی یا مرزائی) دائرہ اسلام سے خارج، زندیق اور مرتد ہیں۔ لہٰذا کسی بھی مسلمان مرد کا قادیانی لڑکی کے ساتھ یا مسلمان لڑکی کا

قادیانی لڑکے کے ساتھ نکاح شرعاً باطل اور حرام ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ (سورۃ الممتحنہ، آیت: 10) یہ (مسلمان) عورتیں ان (کفار) کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ (کفار) ان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ یہ قرآنی نصوص قطعی ہیں اور ثابت کرتی ہیں کہ مسلمان مرد یا عورت کا کسی بھی غیر مسلم یا کافر فرقے سے رشتہ ازدواج قائم کرنا جائز نہیں۔

## مرتد اور زندیق کا حکم

احادیثِ مبارکہ میں مرتد (اسلام سے پھر جانے والے) کی سزا اور اس کے احکامات نہایت سخت ہیں۔قادیانی چونکہ ختمِ نبوت کے منکر اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کی وجہ سے بنیادی اسلامی عقائد سے منحرف ہیں، اس لیے فقہائے کرام نے انہیں "مرتد" اور "زندیق" قرار دیا ہے۔حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل دے، اسے قتل کر دیا جائے (صحیح بخاری)۔ارتداد کی وجہ سے ان کے تمام نکاح باطل ہو جاتے ہیں اور ان کا ذبیحہ یا نکاح کا معاہدہ کسی بھی حالت میں شرعی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہوتا۔

نکاح کا مقصد محض جسمانی خواہش پوری کرنا نہیں، بلکہ نسل کی حفاظت اور ایک مستند اسلامی ماحول کی تشکیل ہے۔قادیانی لڑکی سے نکاح کی صورت میں بنیادی عقائد (جیسا کہ ختمِ نبوت اور عقیدہ توحید) خطرے میں پڑ جاتے ہیں، اور اولاد کی تربیت میں شدید بگاڑ کا اندیشہ رہتا ہے۔حدیثِ نبوی ﷺ میں دیندار عورت سے نکاح کو ترجیح دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ نسل اور ایمان محفوظ رہے۔اگر کوئی مسلمان کسی قادیانی لڑکی سے نکاح کرتا ہے، تو یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا اور ان کا ایک ساتھ رہنا حرام اور خالص زنا کے زمرے میں آئے گا۔اگر قادیانی لڑکی توبہ کر کے صدق دل سے سچے اور پکے اسلام (ختمِ نبوت پر مکمل ایمان) میں داخل ہو جائے، تب ہی اس سے باقاعدہ نیا نکاح جائز ہوگا۔

اس آیت میں آج کل کے مسلمانوں کے لئے بہت واضح حکم موجود ہے۔انتہائی افسوس ہے

کہ قرآن میں اتنی صراحت و وضاحت سے حکم آنے کے باوجود مسلمان لڑکوں میں مشرکہ لڑکیوں کے ساتھ اور یونہی کافر لڑکوں اور مسلمان لڑکیوں میں باہم شادیوں کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں کفار و مسلم اکٹھے رہتے ہیں۔ مغربی طرزِ زندگی نیز لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم سے جہاں اور تباہیاں مچی ہوئی ہیں اور بے حیائی کا طوفان امڈ آیا ہے وہیں باہم ایسی حرام شادیوں کے ذریعے زندگی بھر کی بدکاری کے سلسلے بھی جاری وساری ہیں۔ اس تمام صورتحال کا وبال اُن لڑکوں لڑکیوں پر بھی ہے جو اس میں مُلَوَّث ہیں اور ان والدین پر بھی جو راضی خوشی اولاد کو اس جہنم میں جھونکتے ہیں اور ان حکمرانوں اور صاحب اِختیار پر بھی ہے جو ایسی تعلیم کو رواج دیتے ہیں یا باوجود قدرت اس کا اِنسداد کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور یونہی اس کا وبال اُن نام نہاد جاہل دانشوروں، لبرل اِزم کے مریضوں اور دین دشمن قلمکاروں پر بھی ہے جو اس کی تائید وحمایت میں ورق سیاہ کرتے ہیں۔ آگے فرمایا اُولٰٓىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ کفار و مشرکین دوزخ کی دعوت دیتے ہیں، یعنی ایسے کام کرتے ہیں، جو دوزخ میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں، ان کی تحریف، باطل رسومات شرک وغیرہ ایسے افعال ہیں جن کی وجہ سے دوزخ لازم ہو جاتا ہے، البتہ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتے ہیں نیکی اور توحید کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اس طرف آجاؤ اور شرکیہ افعال سے بچ جاؤ۔ فرمایا وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے پاس کھول کر بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت پکڑ لیں، راہ راست پر آجائیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔

# حائضہ کے چند احکام/ افراط وتفریط سے اجتناب/ نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ
وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ
اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

## حیض والی عورتوں کے ساتھ یہودیوں اور مجوسیوں کے رویے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَيَسْـَٔلُوْنَكَ | اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے | عَنِ الْمَحِيْضِ | حیض کے بارے میں | | |
| قُلْ | آپ کہہ دیں | هُوَ | وہ | اَذًى | گندگی ہے |
| فَاعْتَزِلُوا | پس تم الگ رہو | النِّسَآءَ | عورتوں سے | | |
| فِي الْمَحِيْضِ | حالتِ حیض میں | وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ | اور نہ قربت (صحبت) کرو تم اُن سے | | |
| حَتّٰى | یہاں تک کہ | يَطْهُرْنَ | وہ پاک ہو جائیں | فَاِذَا | پھر جب |

| | | | |
|---|---|---|---|
| تَطَّهَّرْنَ | وہ پاک ہو جائیں | فَأْتُوْهُنَّ | تو تم آؤ ان کے پاس |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مِنْ حَيْثُ | جہاں سے | أَمَرَكُمُ | حکم دیا تمہیں | اللّٰهُ | اللہ نے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| إِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ | يُحِبُّ | پسند کرتا ہے | التَّوَّابِيْنَ | توبہ کرنے والوں کو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَيُحِبُّ | اور پسند کرتا ہے | الْمُتَطَهِّرِيْنَ | پاک وصاف رہنے والوں کو۔(222) |

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ :اور تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔شانِ نزول: عرب کے لوگ یہودیوں اور مجوسیوں کی طرح حیض والی عورتوں سے بہت نفرت کرتے تھے،ان کے ساتھ کھانا پینا،ایک مکان میں رہنا انہیں گوارا نہ تھا بلکہ یہ شدت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کی طرف دیکھنا اور ان سے کلام کرنا بھی حرام سمجھتے تھے جبکہ عیسائیوں کا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس تھا یعنی وہ ان دنوں میں عورتوں سے ملاپ میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔مسلمانوں نے حضور پرنور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے حیض کا حکم دریافت کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(قرطبی،البقرۃ،تحت الآیۃ:۲۲۳،۲ / ۶۴،الجزء الثالث)

## اَذًى لفظ کا بنیادی معنی اور اس کی تشرح

"اَذًى" کا لفظ تکلیف،بیماری اور گندگی تینوں معنوں میں آتا ہے۔نکرہ ہونے کی وجہ سے "ایک طرح کی گندگی" ترجمہ کیا گیا ہے۔لغوی معنی: اردو اور عربی لغات کے مطابق،اس کا مطلب کوئی بھی ایسا عمل، بات یا چیز ہے جس سے کسی کو جسمانی یا ذہنی دکھ پہنچے،اسلامی تعلیمات اور قرآنِ مجید میں یہ لفظ مختلف جگہوں پر مختلف حوالوں سے آیا ہے،اس آیت میں حیض (ایامِ ماہواری) کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جہاں اس سے مراد طبی ناپاکی یا تکلیف ہے۔اس کا گندگی ہونا تو ظاہر ہے،طبی حیثیت سے بھی عورت ان دنوں صحت کی نسبت بیماری کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور اس حالت میں اس سے جماع خاوند اور بیوی دونوں کے لیے بیماری کا باعث ہوسکتا ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود میں جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ گھر میں ان کے ساتھ اکٹھے رہتے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اس

بارے میں ) پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ )[البقرة:222] تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جماع کے علاوہ سب کچھ کرو۔" (مسلم)

## استحاضہ اور حیض میں فرق کیسے کیا جائے؟

بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحاضہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے حیض کی مدت ہر عورت کے جسم اور اس کے مزاج کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی ہے جو عموماً کم ازکم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن تک ہو سکتی ہے اور اپنی اپنی عادت (مدت حیض ) کا ہر عورت کو علم ہوتا ہے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے فقہاء فرماتے ہیں: کم سے کم حیض کی مدت تین (3) دن اور تین (3) راتیں ہے، اور زیادہ سے زیادہ دس (10) دن اور دس (10) راتیں ہے۔اگر کسی کو تین (3) دن اور تین (3) رات سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔اسی طرح اگر بیماری یا کسی اور وجہ سے کسی کو دس (10) دن اور دس (10) رات سے زیادہ خون آیا تو وہ جو دس (10) دن سے زائد ہوگا وہ بھی استحاضہ ہے۔

فقہ حنفی کے ایک اور عظیم المرتبت امام علامہ شامی اس کی وضاحت اس انداز سے کرتے ہیں:

اگر کسی خاتون کو ماہواری کا خون تین (3) دن کے لیے آئے مگر تین (3) راتیں پوری نہ ہوئی ہوں، جیسے جمعہ کی صبح خون آنا شروع ہوا اور اتوار کی مغرب کو بند ہو گیا، تب بھی یہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔اگر تین (3) دن رات سے ذرا بھی کم ہو گیا تو وہ حیض نہیں ہوگا۔جیسے جمعہ کو سورج نکلتے وقت خون آیا اور پیر کی صبح سورج نکلنے سے پہلے بند ہو گیا تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہوگا۔(ابن عابدین شامی، ردمختار، 1:284، کراچی) درج بالا تصریحات سے معلوم ہوا ہے کہ ماہواری کو حیض تب تصور کیا جائے گا جب وہ تین (3) دن اور تین (3) رات سے زائد ہوگی۔اگر اس سے کم ہو تو وہ استحاضہ ہے، حیض نہیں۔

## قریب نہ جاؤ اس سے مراد مجامعت کی ممانعت ہے

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور جب تک وہ خوب پاک نہ ہولیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ الگ رہو اور قریب نہ جاؤ۔ ان دونوں سے مراد مجامعت کی ممانعت ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں اس معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار تھے۔ اور اِفراط و تفریط کی راہیں چھوڑ کر اعتدال کی تعلیم فرمائی گئی اور بتادیا گیا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے ہم بستری کرنا حرام ہے۔ اور چونکہ یہ قرآن کی واضح آیت سے ثابت ہے لہٰذا ایسی حالت میں جماع جائز جاننا کفر ہے اور حرام سمجھ کر کرلیا تو سخت گنہگار ہوا اس پر توبہ فرض ہے۔ یہود تو دورانِ حیض ایسی عورتوں کو الگ مکان میں رکھتے اور ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہ کھاتے تھے اور نصاریٰ دورانِ حیض مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔ چناچہ مسلمانوں نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت کی رو سے خاوند اور بیوی دونوں اکٹھے مل کر رہ سکتے ہیں اکٹھا کھانا کھا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ میاں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے، اس کے گلے لگ سکتا ہے اور اس سے چمٹ بھی سکتا ہے (اور یہی مباشرت کا لغوی معنی ہے) اور قرآن میں جو کسی دوسرے مقام پر (بَاشِرُوْهُنَّ) مجامعت کے معنوں میں آیا ہے تو وہ کنائی معنی ہے لغوی نہیں بس صرف مجامعت نہیں کرسکتا۔

## حیض کے مسائل واحکام

حیض کے دوران عورت جو کام نہیں کرسکتی، ان میں چند احکام یہ ہیں۔ 1۔ وہ نماز نہیں پڑھ سکتی اور حیض کے دوران اسے نماز معاف ہے، ان کی قضا اس پر واجب نہیں۔ 2۔ وہ روزے بھی نہیں رکھ سکتی۔ لیکن روزے اسے معاف نہیں بلکہ بعد میں ان کی قضا دینا واجب ہے۔ 3۔ وہ ماسوائے طواف کعبہ کے حج کے باقی سب ارکان بجالاسکتی ہے اور واجب طواف کعبہ کے لیے اسے اس وقت تک رکنا پڑے گا جب تک پاک نہ ہولے۔ 4۔ وہ کعبہ میں یا کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں، جب آپ کا قافلہ مکہ معظمہ کے قریب

سرف (کا صحیح تلفظ سَرِف ہے،اسے عربی میں سَرِف اور اردو میں عموماً سَرَف بولا جاتا ہے،آج کے دور میں اس تاریخی مقام کو النواریہ (Al-Nawariyyah) کے نام سے جانا جاتا ہے) کے مقام پر پہنچا،تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایام ماہواری شروع ہو گئے۔ایام حج قریب تھے اور آپ کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس حالت کی وجہ سے وہ حج سے محروم نہ ہو جائیں،لہٰذا فرط غم سے رونے لگیں۔حضور ﷺ تشریف لائے،تو فرمایا گھبراؤ نہیں کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ آدَمَ یہ ایک فطری چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دیا ہے۔فرمایا حج کے ضیاع کا فکر نہ کرو،تم احرام باندھ لو،حج کے تمام ارکان ادا کرو،سوائے اس کے کہ طواف کو موخر کر دو،کیونکہ اس کے لیے مسجد الحرام میں جانا ضروری ہے اور وہاں ایسی حالت میں نہیں جا سکتیں۔سکتی۔5۔وہ قرآن کو چھو نہیں سکتی۔البتہ زبانی قرآن کریم کی تلاوت کی اسے بعض علماء کے نزدیک اجازت ہے اور بعض کے نزدیک اجازت نہیں۔6۔استحاضہ حیض سے بالکل الگ چیز ہے۔استحاضہ بیماری ہے جبکہ حیض بیماری نہیں بلکہ عورت کی عادت میں شامل ہے۔لہٰذا استحاضہ میں وہ تمام پابندیاں اٹھ جاتی ہیں۔جو حیض کی صورت میں تھیں،حتیٰ کہ اس سے صحبت بھی کی جا سکتی ہے۔اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۝۲۲۲ اللہ رب العزت پاک صاف رہنے والوں کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھی میرے حکم کے مطابق زندگی گزارے تقویٰ اختیار کرے مجھ سے ڈرے اور پرہیزگاری کی زندگی گزارے تو اس کو خوشخبری سنا دو کہ آخرت میں اس کو بہترین اجر دیا جائے گا۔دوزخ سے بچا کر جنت میں جگہ دی جائے گی۔

## عورتوں کی قربت سے مقصود نسل انسانی کا تسلسل اور افزائش

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| نِسَآؤُکُمْ | تمہاری عورتیں | | حَرْثٌ | | کھیتی ہیں |
| لَّکُمْ | تمہارے لئے | فَاْتُوْا | لہٰذا تم آؤ | حَرْثَکُمْ | اپنی کھیتی میں |
| اَنّٰی | جہاں سے | | شِئْتُمْ | | تم چاہو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَقَدِّمُوْا | اور آگے بھیجو (نیک عمل) | لِاَنْفُسِكُمْ | اپنے نفسوں کے لیے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاتَّقُوا | اور تم ڈرو | اللّٰهَ | اللہ سے | وَاعْلَمُوْٓا | اور جان لو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَنَّكُمْ | کہ یقیناً تم | مُّلٰقُوْهُ | اُس (اللہ) سے ملنے والے ہو۔ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَبَشِّرِ | اور خوشخبری سنا دیجئے | الْمُؤْمِنِيْنَ | ایمان والوں کو۔(223) |

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ: تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں۔عورتوں سے متعلق فرمایا کہ وہ تمہاری کھیتیاں ہیں۔یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر (مُدْبِرَةً) مباشرت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔اس کی تردید میں کہا جارہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر،جس طرح چاہو، جائز ہے،لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔فرج عربی زبان کا لفظ ہے،جس کے بنیادی معنی شگاف، دراڑ، یا دو چیزوں کے درمیان کشادگی کے ہیں۔اردو اور عربی میں یہ لفظ کنایہ کے طور پر انسان کی شرمگاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔بعض لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں (جس طرح چاہو) میں تو دبر بھی آجاتی ہے،لہٰذا دبر کا استعمال بھی جائز ہے۔لیکن یہ بالکل غلط ہے۔جب قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لئے یہ کہا جارہا ہے کہ (اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو، آؤ) اور یہ کھیتی صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔بہرحال یہ غیر فطری فعل ہے ایسے شخص کو جو اپنی عورت کی دبر استعمال کرتا ہے ملعون قرار دیا گیا ہے (بحوالہ ابن کثیر و فتح القدیر) بہرحال عورتوں کی قربت سے نسل حاصل کرنے کا ارادہ کرو، نہ کہ صرف اپنی خواہش پوری کرنے کا۔یعنی اولاد کی خاطر اور اپنی نسل برقرار رکھنے کے لیے یہ کام کرو۔تاکہ تمہارے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تمہاری جگہ پر دین کا کام کرنے والے موجود ہوں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح طور پر تربیت کرو انہیں علم سکھلاؤ اور دیندار بناؤ ان کے اخلاق سنوارو اور اس کے عوض آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھو۔نیک اولاد والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہے، جو مرنے کے بعد بھی ان کے لیے اجروثواب کا باعث بنتی ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ذکر کیا

گیا ہے۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سر کار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ ۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔" (صحیح مسلم) ایسے اعمال جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے ان کے اثرات مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو انسان کی زندگی میں ادا ہوتے تھے گو کہ ان کا ثواب بایں طور باقی رہتا ہے کہ وہ ذخیرہ آخرت ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اس پر جزاء ملتی ہے مگر ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔ کیونکہ زندگی میں جب تک یہ اعمال ہوتے تھے اس کا ثواب ملتا رہتا تھا جب زندگی ختم ہو گئی تو یہ اعمال بھی ختم ہو گئے اور جب یہ اعمال ختم ہو گئے تو اس پر جزاء سزا کا ترتب بھی ختم ہو گیا۔ الغرض! جب اولاد نیک اعمال کرتی ہے، دعائیں مانگتی ہے یا ایصالِ ثواب کرتی ہے، تو اس کا ثواب مرحوم والدین کو پہنچتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت اور آخرت کی بہترین سرمایہ کاری ہے، ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون و راحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بھی بنتی ہے اور اس طرح سے کہ لائق و نیک لڑکا اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے وہاں فاتحہ پڑھتا ہے دعائے مغفرت کرتا ہے، قرآن پڑھ کر ان کو بخشتا ہے اور ان کی طرف سے خیرات و صدقات کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں جن سے وہ اخروی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

## اولاد کو شیطان سے محفوظ رکھنے کی مسنون دعا

**وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ**: اور اپنے بھلے کا کام پہلے کرو۔ اس سے مراد ہے کہ اعمال صالحہ کرو یا جماع سے قبل بسم اللہ پڑھو نیز بیویوں میں مشغول ہو کر عبادات سے غافل نہ ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو کہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ''، اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! عَزَّ وَجَلَّ ہمیں شیطان سے محفوظ رکھنا اور اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھنا جو تو ہمیں عطا فرمائے۔ پس (یہ دعا پڑھنے کے بعد صحبت کرنے سے) جو بچہ انہیں ملا اسے شیطان نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (بخاری) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ : میاں بیوی کے باہمی معاملات میں اگر کوئی زیادتی ہو تو نہ کوئی گواہ ہوتا ہے نہ دخیل، اس لیے اس سے ڈرتے رہو۔ یاد رکھو، ایک نہ ایک دن تمہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنی ہے، اس کے حضور پیش ہونا ہے، وہ ایسا دن ہوگا يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا جب ہر شخص خود اپنے نفس سے سوال و جواب کریگا، درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا نہ کوئی دلیل ہوگا اور نہ کوئی ساتھی اپنی جوابدی آپ ہی کرنا پڑیگی اور آخری جملہ فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۲۳ جو اہل ایمان ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ پیغمبر پر ان کا ایمان ہے۔ احکام الٰہی پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ انہیں خوشخبری سنا دیں کہ اللہ کے نزدیک ان کے لیے فلاح و کامیابی کے دراز ے کھلے ہیں۔

# ناجائز قسم کی ممانعت/موجودہ دور میں قسم کا کفارہ
# ایلا کی شرعی حیثیت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ
قُلُوْبُكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج
فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾

## جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا تَجْعَلُوا | اور نہ بناؤ تم | اللّٰهَ | اللہ کو | عُرْضَةً | نشانہ |
| لِّاَیْمَانِكُمْ | اپنی قسموں کے لیے | اَنْ | یہ کہ | | |
| تَبَرُّوْا | تم نیکی (نہیں) کروگے | وَتَتَّقُوْا | اور تقویٰ (نہیں) اپناؤ گے | | |
| وَتُصْلِحُوْا | اور صلح (نہیں) کراؤ گے | بَیْنَ | درمیان | | |
| النَّاسِ | لوگوں کے | وَاللّٰهُ | اور اللہ | | |
| سَمِیْعٌ | خوب سننے والا | عَلِیْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔(224) | | |

یعنی کوئی اچھا کام نہ کرنے پر اللہ کی قسم کھا کر اللہ کے نام کو بدنام نہ کرو جیسے یہ قسم کہ میں اپنے ماں باپ سے نہ بولوں گا یا بیوی سے اچھا سلوک نہ کروں گا یا فلاں کو صدقہ نہ دوں گا یا یہ کہ اب میں کسی کے درمیان مصالحت نہ کراؤں گا۔ یعنی برائی کے کاموں میں اللہ کے نام کا استعمال مت کرو اور اگر کسی نے یہ کام کیا ہو تو اسے چاہیے کہ قسم توڑ ڈالے اور اس کا کفارہ ادا کرے اس قسم کی قسموں کے لئے حدیث میں کہا گیا ہے اگر کھا لو تو انہیں توڑ دو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔ یقیناً ایک مومن کو زیب نہیں دیتا اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے عظمت و جلال والا ہے بھلا اس کی شان اور بزرگی والے نام کو یوں برے کاموں کے کرنے پر گواہ بنانا کس قدر بری بات ہے اس لیے اگر کوئی شخص قسم اٹھائے اور پھر احساس ہو جائے تو قسم توڑ دینی چاہیے مگر اس کا کفارہ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

ہمیں حتی الامکان قسم کھانے سے بچنا چاہیے، اگر ہمیں قسم کھانی ہی پڑے تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ آئندہ زمانے میں کسی جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کے توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلا دے یا دس مسکینوں میں سے ہر ایک کو صدقۃ الفطر کی مقدار کے بقدر گندم یا اس کی قیمت دے دے (یعنی پونے دو کلو گندم یا اس کی رقم) اور اگر جو دے تو اس کا دوگنا (تقریباً ساڑھے تین کلو) دے، یا دس فقیروں کو ایک ایک جوڑا کپڑا پہنا دے۔ اور اگر کوئی ایسا غریب ہے کہ نہ تو کھانا کھلا سکتا ہے اور نہ کپڑا دے سکتا ہے تو مسلسل تین روزے رکھے اگر الگ الگ کر کے تین روزے پورے کر لیے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اگر دو روزے رکھنے کے بعد درمیان میں کسی عذر کی وجہ سے ایک روزہ چھوٹ گیا تو اب دوبارہ تین روزے رکھے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک بری رسم یہ تھی کہ لوگ نیک کاموں پر خدا کی قسم کھا لیتے تھے مثلاً فلاں رشتہ دار سے نیک سلوک نہیں کرینگے۔ فلاں دو آدمیوں کے درمیان صلح نہیں کرائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ اور پھر ان قسموں کی پابندی کرتے۔ اور اس طرح خدا کے نام کو نیک کام کے نہ کرنے کا بہانہ بنا لیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ پھر فرمایا کہ وہ قسمیں جو بلا ارادہ یا بطور تکیہ

کلام کے منہ سے نکل جاتی ہیں جن کا تعلق دل سے نہیں ہوتا ایسی قسموں پر مواخذہ تو نہیں ہے لیکن گناہ کی بات تو ضرور ہے، البتہ وہ قسمیں جن میں دلی ارادہ اور عزم پایا جاتا ہے۔ اگر ایسی قسمیں کھا کر توڑ دی جائیں گی تو ان پر اللہ کی طرف سے ضرور مواخذہ ہوگا۔ بہر حال لغو قسمیں کھانا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے عادی بن جانے پر گناہ تو ضرور ہوتا ہے۔

## لغو قسموں سے مراد

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَا يُؤَاخِذُكُمُ | نہیں مواخذہ کرے گا تمہارا | اللّٰهُ | اللہ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بِاللَّغْوِ | لغو پر | فِيٓ اَيۡمَانِكُمۡ | تمہاری قسموں میں | وَلٰكِنۡ | اور لیکن |

| | | | |
|---|---|---|---|
| يُؤَاخِذُكُمۡ | مواخذہ کرے گا تمہار | بِمَا | اُن پر جن کا |

| | | | |
|---|---|---|---|
| كَسَبَتۡ | قصد کیا (کمایا) | قُلُوۡبُكُمۡ | تمہارے دلوں نے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاللّٰهُ | اور اللہ | غَفُوۡرٌ | بہت بخشنے والا | حَلِيۡمٌ | خوب بردبار ہے۔(225) |

لغو قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو نیت کے بغیر عادت کے طور پر یوں ہی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ ایسی قسموں پر کسی قسم کا کفارہ یا سزا نہیں ہے، ہاں جو قسمیں دل کے ارادے کے ساتھ کھائی جائیں کہ اللہ کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا، یا نہیں کروں گا اور پھر ان کی خلاف ورزی کی جائے تو ان پر کفارہ ہے، مگر کوئی شخص جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے کہ میں نے یا فلاں نے یہ کام کیا ہے یا نہیں کیا تو یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس کا کفارہ نہیں صرف ندامت، آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد اور استغفار ہی اس کا علاج ہے۔

## قسم کی بنیادی طور پر تین اقسام

قسم کی تین قسمیں ہیں: **یَمِین، غَمُوس یَمِینِ لَغْو. یَمِینِ مُنْعَقِدَہ** ۔ **یَمِینِ، غَمُوس** وہ قسم ہے کہ ماضی کے کسی کام کے متعلق جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، اس قسم سے انسان سخت گناہ گار ہوتا ہے لیکن کفارہ کچھ نہیں ہے 2۔ **یَمِینِ لَغْو**: وہ قسم ہے کہ ماضی کے کسی کام کے متعلق قسم کھالے یہ جان کر جس شیء کے متعلق خبر دے رہا ہے وہ خبر سچی ہے حقیقت میں اس کے برخلاف ہو، اس قسم

میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ ہے 3۔یَمِینِ مُنْعَقِدَہ وہ قسم ہے کہ بندہ زمانہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھالے پھراس کے برخلاف کام کرے (مثلاً بندہ قسم کھالے کہ میں کل یہ کام کروں گا لیکن پھر کل وہ کام نہ کرے) اس قسم کے توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلادے۔اگر یہ قدرت نہ ہوتو مسلسل تین روزے رکھے۔لغو قسم سے مراد تو وہ قسم ہے جو قسم کھانے کے ارادے سے نہیں بلکہ تکیہ کلام کے طور سے زبان پر آجائے، خاص طور پر عربوں میں اس کا بہت رواج تھا کہ بات بات میں واللہ کہہ دیتے تھے، اسی طرح بعض اوقات انسان ماضی کے کسی واقعے پر قسم کے ارادے ہی سے قسم کھاتا ہے،لیکن اس کے اپنے خیال کے مطابق وہ قسم صحیح نہیں ہوتی ہے،جھوٹ بولنے کا اردا ہ نہیں ہوتا لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو بات قسم کھا کر کہی تھی وہ حقیقت میں صحیح نہیں تھی،ان دونوں طرح کی قسموں کو لغو کہا جاتا ہے،اس آیت نے بتایا کہ اس پر گناہ نہیں ہوتا،البتہ انسان کو چاہیے کہ وہ قسم کھانے میں احتیاط سے کام لے اور ایسی قسم سے بھی پرہیز کرے۔یعنی جو غیر ارادے اور عادت کے طور پر ہوں البتہ عملاً جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

## يُؤْلُوْنَ کا بنیادی مطلب اور اس کی تشرح

| | | | |
|---|---|---|---|
| لِلَّذِيْنَ | ان لوگوں کے لیے جو | يُؤْلُوْنَ | قسم کھالیتے ہیں |
| مِنْ نِّسَآئِهِمْ | اپنی عورتوں (کے پاس جانے) سے | تَرَبُّصُ | انتظار کرنا ہے |
| اَرْبَعَةِ | چار | اَشْهُرٍ | مہینے |
| فَاِنْ | پھر اگر | فَآءُوْ | وہ رجوع کرلیں |
| فَاِنَّ | تو بیشک | اللّٰهَ | اللہ |
| غَفُوْرٌ | بہت بخشنے والا | رَّحِيْمٌ | رحم کرنے والا ہے۔(226) |

فرمایا:لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کریں تو اللہ معاف کردیں گے رحمت فرمائیں گے" بیان القرآن) سے معلوم ہوتا ہے، اگر شوہر ایلاء کے بعد چار مہینے سے پہلے پہلے رجوع نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

یُؤْلُوْنَ " اس کا مطلب ہے بیوی سے جدا رہنے کی قسم کھانا، عربوں میں رواج تھا کہ جب دل کیا شوہر ایلا کر لینے کے بعد بیوی کی تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتا۔ یعنی ایک طرح سے طلاق ہی ہو جاتی تھی۔ اسلام نے اس دستور میں تبدیلی کر دی اور یہ بتایا کہ یہ فیصلہ طلاق ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ سوچ بچار کر لی جائے اور اس کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی گئی ہے اس دوران شوہر اگر نیک نیتی سے فیصلہ کرتا ہے کہ گزارہ ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے، قسم کا کفارہ ادا کر کے بیوی سے صلح صفائی کر لی جائے اس سارے معاملہ میں اگر صاف ارادے اور خلوص سے مسئلہ طے کیا جائے تو اللہ بڑا مہربان ہے بے حد بخشش کرنے والا ہے لیکن اگر شوہر دیکھتا ہے کہ آپس میں نباہ مشکل ہے یا ایک دوسرے کو برداشت کرنا مشکل ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ طلاق ہو جائے تو بہتر ہے بجائے اس کے کہ تمام زندگی مشکل اور پریشانی میں گزاری جائے۔ یہ قسم کھانا کہ میں اپنی بیوی سے چار مہینے تک یا کبھی صحبت نہ کروں گا اسے اِیلاء کہتے ہیں۔ ایلاء ” لغت میں قسم (یمین) کو کہتے ہیں، جب کہ شریعت کی اصطلاح میں ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے مطلقاً یا ہمیشہ کے لیے یا چار ماہ اور اس سے زیادہ مدت کے لیے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالے، قسم کھانے کے حکم میں یہ بھی ہے کہ بیوی سے قربت (مباشرت) کی صورت میں کوئی ایسی چیز اپنے اوپر واجب کر لے جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار اور مشکل ہو، مثلاً یہ کہ اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو جائے گا، وغیرہ۔

## اِیلاء مُؤَقّت اِیلاء مُؤَبّد

تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ ایلاء کی دو قسمیں ہیں: اِیلاء مُؤَقّت: ایسا ایلاء جس میں چار مہینے کی قید ہو۔ اِیلاء مُؤَقّت اِیلاء مُؤَبّد۔ اِیلاء مُؤَبّد: ایسا ایلاء جس میں چار مہینے کی قید نہ ہو۔

پہلی صورت میں یعنی اگر چار ماہ کی مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالی، اب اگر شوہر نے ان چار ماہ کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر لی تو وہ قسم توڑنے والا ہو جائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور ایلاء ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا، البتہ کوئی طلاق واقع نہ ہو گی۔ اگر چار ماہ

گزر گئے اور شوہر نے رجوع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔یعنی اگر شوہر چار ماہ سے پہلے قسم توڑ دے تو شوہر پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور نکاح برقرار رہے گا تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی، اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہیں توڑی یعنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں یعنی اگر اس نے ہمیشہ کے لیے صحبت نہ کرنے کی اس طرح قسم کھائی تھی کہ میں " کبھی بھی اس سے مقاربت نہیں کروں گا " تو اس صورت میں اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر قسم توڑ دی تو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا اور اگر شوہر نے چار ماہ تک قسم نہیں توڑی تو اس کی بیوی پر چار ماہ گزرنے سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی، پھر اگر شوہر نے عورت سے دوبارہ نکاح جدید کرلیا اور اس کے بعد چار ماہ کے اندر مقاربت کرلی تو قسم ٹوٹ جائے گی اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا، اور ایلاء ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا لیکن اگر اس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوسری طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری مرتبہ نکاح کرلیا تو پھر اسی طرح ہوگا یعنی اگر اس نے چار ماہ سے پہلے مقاربت کرلی تو ٹھیک ،صرف قسم کا کفارہ دینا ہوگا، ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور آئندہ کے لئے نکاح کی گنجائش نہیں رہے گی۔حاصل یہ کہ ایلاء موقت ایک طلاق کے بعد بے اثر ہو جاتا ہے، جب کہ ایلاء موبد تین طلاقوں کے واقع ہونے تک اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔مذکورہ بالا تفصیل ایلاء کے دنیاوی حکم کے بارے میں تھی ،یعنی ایلاء کی وجہ سے میاں بیوی کے رشتہ پر شرعی طور پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ باقی ایلاء کا اخروی حکم یہ ہے کہ ایلاء اگر زوجین کی رضامندی سے ہو،مثلاً مزاج کی عدم موافقت یا کسی اور وجہ سے بیوی کی رضامندی سے شوہر ایلاء کرے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اس سے شوہر گناہ گار نہیں ہوگا،لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو ایلاء کرنا مکروہ ہے، اور شوہر کو چاہیے کہ چار مہینے سے قبل رجوع کر کے کفارہ ادا کردے، یہودیوں میں یہ دستور تھا کہ جب چاہا طلاق دے دی۔عیسائیوں اور ہندوؤں میں طلاق کی اجازت ہی نہیں مگر اسلام نے درمیانہ راستہ انسان کو اختیار کرنے کا حکم

دیا ہے۔کیونکہ چھوٹی موٹی جھڑپ میاں بیوی میں ہوتی رہتی ہے۔لیکن اگر معاملہ مشکل ہوجائے تو زندگی آسان اور مطمئن کرنے کے لیے طلاق کا راستہ رکھا گیا ہے۔مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط رکھی ہے کہ آدمی یہ نہ سمجھ لے کہ میں مختار کل ہوگیا ہوں اگر وہ ظلم زیادتی سے عورت کو بلا وجہ طلاق دیتا ہے تو اس سے پوچھ ضرور ہوگی۔سزا ضرور ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ تو کوئی بات چھپی ہوئی ہے اور نہ ہی ڈھکی ہوئی ہے وہ سب کچھ سنتا بھی ہے اور ہر بات کو گہرائی تک جانتا بھی ہے۔کیونکہ اس کا سننا اور جاننا بے مثال ہے اس کا کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا اس لیے بیوی سے علیحدہ ہونا پھر طلاق کا فیصلہ کرنا۔بڑی احتیاط، نیک نیتی اور ایمانداری سے کرنا چاہیے۔کیونکہ اس کی اجازت اصلاح کے لیے ہے زیادتی کے لیے نہیں۔

# عدت کے مسائل واحکام/ اسلام میں مرد کی قوامیت اور خاندانی نظام کا استحکام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْٓءٍ ط وَلَا یَحِلُّ لَھُنَّ اَنْ یَّکْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِیْٓ اَرْحَامِھِنَّ اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ط وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

## سخت وعید اور تہدید

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَاِنْ | اور اگر | عَزَمُوا | وہ ارادہ کرلیں | الطَّلَاقَ | طلاق کا | فَاِنَّ | تو بیشک |
| اللّٰہَ | اللہ | سَمِیْعٌ | خوب سننے والا | عَلِیْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔(227) | | |

فرمایا: وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ "اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کرلیں۔" یعنی اگر وہ رجوع کرنے سے انکار کردیں، تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں ان میں رغبت نہیں اور وہ ان کو بیوی کے طور پر باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ اور یہ چیز طلاق کے ارادے کے سوا کچھ نہیں۔ اگر یہ طلاق کہنے سننے پر بیوی کو حاصل ہوجائے تو ٹھیک ورنہ حاکم اس شخص کو طلاق پر مجبور کرے۔ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ "بیشک

اللہ سننے والا، جاننے والا ہے" اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت وعید اور تہدید ہے جو کوئی اللہ کی قسم اٹھاتا ہے اور اس کا مقصد محض ضرر رسانی اور تکلیف پہنچانا ہوتا ہے۔

## نکاح ایک عبادت انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَالْمُطَلَّقٰتُ | اور طلاق یافتہ عورتیں | یَتَرَبَّصْنَ | انتظار میں رکھیں | | |
| بِاَنْفُسِهِنَّ | اپنے آپ کو | ثَلٰثَةَ | تین | قُرُوْٓءٍ | حیض تک |
| وَلَا يَحِلُّ | اور نہیں حلال | لَهُنَّ | ان کے لیے | | |
| اَنْ يَّكْتُمْنَ | یہ کہ وہ چھپائیں | مَا | اُس کو جو | خَلَقَ | پیدا کیا |
| اللّٰهُ | اللہ نے | فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ | ان کے رحموں میں | اِنْ | اگر وہ |
| كُنَّ يُؤْمِنَّ | ایمان رکھتی ہیں | بِاللّٰهِ | اللہ پر | | |
| وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | اور یوم آخرت (پر) | وَبُعُوْلَتُهُنَّ | اور اُن کے خاوند | | |
| اَحَقُّ | زیادہ حقدار ہیں | بِرَدِّهِنَّ | ان کو لوٹا لینے کے | | |
| فِيْ ذٰلِكَ | اس (مدت) میں | اِنْ | اگر | اَرَادُوْٓا | وہ ارادہ رکھیں |
| اِصْلَاحًا | اصلاح کا | وَلَهُنَّ | اور اُن عورتوں کا (حق ہے خاوندوں پر) | | |
| مِثْلُ | مانند | الَّذِيْ | اس کے جو ہے | عَلَيْهِنَّ | عورتوں پر (فرض) |
| بِالْمَعْرُوْفِ | دستور کے مطابق | وَلِلرِّجَالِ | اور مردوں کو | | |
| عَلَيْهِنَّ | ان پر | دَرَجَةٌ | ایک فضیلت ہے | وَاللّٰهُ | اور اللہ |
| عَزِيْزٌ | بڑا غالب | حَكِيْمٌ | خوب حکمت والا ہے۔(228) | | |

اسلام نے معاہدۂ نکاح کو نہایت اہم اور مقدس ٹھہرایا ہے۔اس کا اپنے ماننے والوں سے تقاضا ہے کہ شادی اور نکاح کے رشتے کو کھیل نہ سمجھا جائے، میاں بیوی حتی المقدور اس کو توڑنے سے احتراز کریں۔میاں بیوی میں باہم اختلاف یا جھگڑا وغیرہ ہو جانا فطری سی بات ہے، لیکن اس کو جدائی

پر منتج نہ ہونا چاہیے۔ اگر بات بات پر طلاق ہوگی تو دو افراد ہی نہیں کئی خاندانوں حتیٰ کہ پوری سوسائٹی پر اس کے نہایت مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ چناں چہ زوجین کے متعلقین کا فریضہ ٹھہرتا ہے کہ وہ ان میں کشیدگی کی صورت میں مل کر اصلاح کی کوشش کریں۔ نکاح انسانیت کی بقا اور فطری نظامِ زندگی کے لیے ایک عظیم نعمت ہے، اس کے ذریعہ جہاں ایک طرف انسان کی فطری ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے اور دنیا میں توالد وتناسل کا پاکیزہ نظام قائم ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف ایک عبادت اور تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے۔ اسلام نے اس عبادت سے متعلق جو تعلیمات اور ہدایات دی ہیں، اُن کی رو سے ایک مرد پر عورت کے لیے حق مہر، نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا، نیز حسنِ معاشرت ضروری ہے؛ جب کہ عورت کی طرف سے عفت و پاک دامنی، نیک چلنی اور شوہر کی اطاعت وفرماں برداری شرط قرار دی گئی ہے؛ اس لیے کہ اسلام کی نظر میں نکاح کوئی وقتی اور محدود معاہدے کا نام نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک ایسا مضبوط شرعی عہد اور بندھن ہے، جس کا ہمیشہ باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

## ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کا قرآنی وفقہی مفہوم

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں آیت طلاق یافتہ ایسی عورتوں کے حکم کو بیان کرتی ہے جن کے ساتھ شوہر نے ہم بستر ہونے کے بعد طلاق دی ہو اور وہ حیض کی عمر میں ہوں۔ ان عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عدت تین قروء یعنی تین حیض یا تین پاکیوں تک انتظار کریں۔ اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ بھی نہ ہو (کیوں کہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو، وہ بھی نہ ہو (کیوں کہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے) آئسہ بھی نہ ہو، یعنی جن کو حیض آنا بند ہوگیا ہو (کیوں کہ ان کی عدت تین مہینے ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخولہ عورت کی عدت بیان کی جارہی ہے اور وہ تین قروء۔ جس کے معنی طہر یا تین حیض کے ہیں۔ یعنی تین طہر یا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی

معنی صحیح قرار دیئے ہیں، اس لئے دونوں کی گنجائش ہے (ابن کثیر وفتح القدیر) وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِيْٓ أَرْحَامِهِنَّ یعنی انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں۔ اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں، مثلاً کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، درآں حالیکہ اسے تینوں حیض آچکے ہوں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آچکے ہیں جب کہ واقعتہً ایسا نہ ہو، تاکہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں، کیوں کہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اختلاط ہو جائے گا۔ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہوگا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یعنی ان کا چھپانا اس لئے حرام ہے کہ ان کے چھپانے سے رجوع کرنے اور اولاد کے بارے میں جو شوہر کا حق ہے وہ ضائع ہوگا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

## طلاق اور وفات کی عدت کا شرعی حکم

جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے اگر چاند کی پہلی تاریخ کو انتقال ہوا ہو تو عدت چار ماہ دس دن ہوتی ہے خواہ مہینہ انتیس کا ہو یا تیس کا مہینہ ہو اور اگر چاند کی پہلی تاریخ کے بعد ہوا ہو تو ایک سو تیس دن عدت ہوتی ہے، شوہر کے مرتے وقت جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں رہنا چاہیے، باہر نکلنا درست نہیں؛ البتہ اگر کوئی غریب عورت ہے جس کے پاس گزارے کے جتنا بھی خرچ نہیں اس نے کھانا پکانے وغیرہ کی نوکری کر لی تو اس کے لیے گھر سے باہر نکلنا درست ہے؛ لیکن رات کو اپنے گھر ہی میں رہا کرے، چاہے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اور چاہے کسی قسم کی تنہائی ہوئی ہو یا نہ اور چاہے حیض آتا ہو یا نہ، سب کا ایک ہی حکم ہے کہ چار مہینے دس دن عدت گذارنا چاہیے۔ اور جس عورت کو شوہر نے طلاق دی ہو اس کی عدت مکمل تین ماہواریاں ہیں اگر حمل نہ ہو اور اگر کم عمری یا عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے ماہواری نہیں آتی تو پھر تین مہینے ہیں اور اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بہر صورت وضع حمل ہے (خواہ طلاق کی عدت ہو یا وفات کی عدت ہو)۔ عدت کے دوران عورت

کے لیے کسی اور جگہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اور کسی مرد کا ایسی مطلقہ/ بیوہ عورت کو نکاح کا صراحتاً پیغام دینا بھی جائز نہیں ہے۔عدت کے دوران عورت کے لیے شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔عدت وفات میں اور مطلقہ بائنہ کے لیے عدت میں زیب و زینت، بناؤ سنگھار کرنا، خوشبو لگانا، اور نئے کپڑے وغیرہ پہننا جائز نہیں ہے۔

## عدت کا مقصد تحفظ نسب

طلاق کی صورت میں اسلام نے ایک اور ضروری قانون عدت کا دیا ہے۔جو دوسرے مذاہب میں نہیں ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت ایک خاص مدت تک دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔اس کا مقصد تحفظ نسب ہے تاکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب مشکوک نہ ہو جائے۔ طلاق کے بعد اگر عورت فوراً دوسرا نکاح کرلے تو بچے کے نسب پر شبہ ہو سکتا ہے کہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے کا اور اس طرح کئی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے اسلام نے عورت کے دو نکاحوں کے درمیان مختلف صورتوں میں مختلف مدتیں مقرر کر دی ہیں۔تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ آئندہ پیدا ہونے اولا بچہ کس باپ کا ہے۔نیز پہلے نکاح کے احترام کا تقاضا بھی ہے۔کہ دوسرے نکاح سے پہلے کچھ وقفہ ہونا چاہئے۔

اِنۡ کُنَّ یُؤۡمِنَّ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ: اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہیں۔ یہاں بطورِ خاص ایمان کا تذکرہ کرکے یہ سمجھایا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کیا جائے۔لہٰذا ہر نیک عمل کو ایمان کا تقاضا کہہ سکتے ہیں۔وَ بُعُوۡلَتُہُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّہِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ اِنۡ اَرَادُوۡۤا اِصۡلَاحًا: اور ان کے شوہر اس مدت کے اندر انہیں پھیر لینے کا حق رکھتے ہیں۔شوہروں کو رجعی طلاق میں عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے۔

## اَرَادُوۡۤا کے لفظ کی قرآنی تناظر میں تشریح

"اَرَادُوۡۤا" فعل ماضی (ماضی مطلق) کا صیغہ ہے، جس کا بنیادی معنی ہے: "انہوں نے ارادہ کیا" یا "انہوں نے چاہا" قرآنِ پاک میں یہ لفظ مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس

سے مراد" قصد کرنا، نیت باندھنا، یا کسی کام کو سرانجام دینے کی خواہش کرنا" ہوتا ہے۔آیت میں "اَرَادُوْا" کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق رجعی میں رجوع کیلئے عورت کی مرضی ضروری نہیں صرف مرد کا رجوع کافی ہے، ہاں ظلم کرنے اور عورت سے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کیلئے رجوع کرنا سخت برا ہے۔رجوع اصلاح کی نیت سے ہونا چاہیے۔افسوس کہ ہمارے ہاں اِس جہالت کی بھی کمی نہیں، بیویوں کو ظلم وستم اور سسرال سے انتقام لینے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے حتّٰی کہ بعض اوقات تو شادی ہی اس نیت سے کی جاتی ہے اور بعض اوقات رجوع اس نیت سے کیا جاتا ہے۔یہ سب زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کے افعال ہیں۔

## شوہر اور بیوی کے چند حقوق

**وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ:** اور عورتوں کیلئے بھی شریعت کے مطابق مردوں پر ایسے ہی حق ہے جیسا عورتوں پر ہے۔یعنی جس طرح عورتوں پر شوہروں کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے اسی طرح شوہروں پر عورتوں کے حقوق پورے کرنا لازم ہے۔آیت کی مناسبت سے یہاں ہم شوہر اور بیوی کے چند حقوق بیان کرتے ہیں۔شوہر پر بیوی کے چند حقوق یہ ہیں: (1) خرچہ دینا، (2) رہائش مہیا کرنا، (3) اچھے طریقے سے گزارہ کرنا، (4) نیک باتوں، حیاء اور پردے کی تعلیم دیتے رہنا، (5) ان کی خلاف ورزی کرنے پر سختی سے منع کرنا، (6) جب تک شریعت منع نہ کرے ہر جائز بات میں اس کی دلجوئی کرنا، (7) اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنا اگرچہ یہ عورت کا حق نہیں۔بیوی پر شوہر کے چند حقوق یہ ہیں: (1) ازدواجی تعلقات میں مُطْلَقاً شوہر کی اطاعت کرنا، (2) اس کی عزت کی سختی سے حفاظت کرنا، (3) اس کے مال کی حفاظت کرنا، (4) ہر بات میں اس کی خیر خواہی کرنا، (5) ہر وقت جائز امور میں اس کی خوشی چاہنا، (6) اسے اپنا سردار جاننا، (7) شوہر کو نام لے کر نہ پکارنا، (8) کسی سے اس کی بلاوجہ شکایت نہ کرنا، (9) اور خدا توفیق دے تو وجہ ہونے کے باوجود شکایت نہ کرنا، (10) اس کی اجازت کے بغیر آٹھویں دن سے پہلے والدین یا ایک سال سے پہلے دیگر محارم کے یہاں نہ جانا، (11) وہ ناراض ہو تو اس کی بہت خوشامد کر کے منانا۔

## اسلام نے ایک شخص کو قانونی اور عملی طور پر فوقیت دی

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ: اور مردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔ مرد وعورت دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں لیکن مرد کو بہر حال عورت پر فضیلت حاصل ہے اور اس کے حقوق عورت سے زیادہ ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ادارہ دو سربراہوں کے ساتھ درست طریقے سے نہیں چل سکتا۔ لہٰذا اسلام نے خاندان میں ایک شخص کو قانونی اور عملی طور پر فوقیت دی تاکہ خاندانی نظام اپنے فرائض بخوبی انجام دے سکے۔ مرد کی برتری کا قرآنی بیان ارشاد ہوتا ہے الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ (النساء: 34) مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اسلام نے خاندانی نظام کو منظم اور مستحکم بنانے کے لیے مرد کو ایک خاص برتری عطا کی ہے جسے قرآن میں "قوام" کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق مرد اور عورت کے اختیارات مساوی نہیں ہو سکتے کیونکہ خاندان ایک انتظامی اکائی ہے، اور کسی بھی اکائی میں دو سربراہان کا مساوی اختیار رکھنا عقلی لحاظ سے ممکن نہیں۔ عربی زبان میں "قوام" کا مطلب ہے نگرانی کرنے والا، دیکھ بھال کرنے والا، اور مالی کفالت کرنے والا ہے۔ قوام وہ شخص ہوتا ہے جو کسی فرد، ادارے یا نظام کے معاملات کو سنبھالنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری اٹھائے، ذمہ داری اور کفالت: اسلام میں مرد کے قوام ہونے کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ وہ خاندان کا کفیل ہے۔ عورت کے مقابلے میں مرد پر یہ مالی ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ گھر کے اخراجات پورے کرے اور عورت کی معاشی حفاظت کرے، اس کا مطلب گھر کا ڈکٹیٹر ہونا نہیں، بلکہ ایک ذمہ دار سربراہ ہونا ہے جو خاندان کی فلاح و بہبود، حفاظت اور فیصلوں کا نگران ہو۔ الغرض! اسلام نے خاندانی نظام کو استحکام بخشنے کے لیے مرد کو قوامیت دی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مردوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی کہ وہ اپنے زیر دستوں کے ساتھ شفقت، محبت اور نرمی سے پیش آئیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کریں۔

# اسلام میں نکاح وطلاق کا تصور/ طلاق دینے کا احسن طریقہ/ خلع کے احکام اور خلع لینے کا صحیح طریقہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ لا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ط تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ج وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

## نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک دائمی اور اجتماعی معاہدہ

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| اَلطَّلَاقُ | طلاق (رجعی) | مَرَّتٰنِ | دو بار ہے | | | | |
| فَاِمْسَاکٌۢ | پھر روک رکھنا ہے | بِمَعْرُوْفٍ | دستور کے مطابق | | | | |
| اَوْ | یا | تَسْرِیْحٌۢ | رخصت کرنا ہے | بِاِحْسَانٍ | حسنِ سلوک کے ساتھ | | |
| وَلَا | اور نہیں | یَحِلُّ | حلال | لَکُمْ | تمہارے لیے | اَنْ | یہ کہ |
| تَاْخُذُوْا | تم لے لو | مِمَّآ | اُس (مہر) میں سے جو | | | | |
| اٰتَیْتُمُوْھُنَّ | تم نے دیا ان کو | شَیْئًا | کچھ بھی | اِلَّآ | مگر | | |
| اَنْ | یہ کہ | یَّخَافَآ | وہ دونوں (اس بات سے) ڈریں | اَلَّا | کہ نہ | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| يُقِيمَا | وہ قائم رکھ سکیں گے | حُدُوْدَ اللّٰهِ | اللہ کی حدود | | |
| فَاِنْ | پھر (اے مومنو!) اگر | خِفْتُمْ | تم خوف کھاؤ (اُس بات سے) | | |
| اَلَّا يُقِيمَا | کہ نہیں وہ قائم رکھ سکیں گے | حُدُوْدَ اللّٰهِ | اللہ کی حدود | | |
| فَلَا جُنَاحَ | تو نہیں گناہ | عَلَيْهِمَا | ان دونوں پر | | |
| فِيمَا | اس (مال) میں جو | افْتَدَتْ | عورت (خُلع کے) فدیے میں دے | | |
| بِهٖ | اس کا | تِلْكَ | یہ | حُدُوْدُ اللّٰهِ | اللہ کی حدود ہیں |
| فَلَا | پس نہ | تَعْتَدُوْهَا | آگے بڑھو اس سے | وَمَنْ | اور جو کوئی |
| يَّتَعَدَّ | آگے بڑھتا ہے | حُدُوْدَ اللّٰهِ | اللہ کی حدود سے | | |
| فَاُولٰٓئِكَ | پس وہی لوگ | هُمُ الظّٰلِمُوْنَ | ہی ظالم ہیں (229) | | |

نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک دائمی اور اجتماعی معاہدہ ہے جسے مرتے دم تک نبھانے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جب تک نکاح کا معاہدہ طے نہیں پاتا، اس معاہدہ کے فریقین یعنی مرد اور عورت کے اخلاق کی چھان بین کی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کس حد تک قابل قبول ہیں۔ پھر جب نکاح طے پا جاتا ہے تو زوجین پر معاہدۂ نکاح کی قانونی پابندی عائد ہو جاتی ہے جسے پورا کرنے کے وہ پابند ہوتے ہیں۔ شریعت نے مرد اور عورت دونوں کو اپنے اپنے دائرہ کار میں کچھ حقوق دیے ہیں اور کچھ فرائض سونپے ہیں۔ اگر فریقین ان کی پابندی کرتے ہیں تو ان کی ازدواجی زندگی نہایت پرسکون گزرتی ہے۔ تاہم بعض اوقات اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن میں اس معاہدہ سے منسلک فریقین کا نباہ ممکن نہیں رہتا، تو ایسی صورت میں شریعت نے ان میں تفریق کا قانون بھی نافذ کر دیا ہے تا کہ وہ ساری عمر کٹھن زندگی گزارنے کی بجائے اپنے لیے کوئی دوسرا بہتر ذریعہ تلاش کر سکیں۔

## طلاقِ رجعی کا حق (دو بار)

فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ: طلاق دو بار تک ہے۔ یہ آیت ایک عورت کے متعلق نازل ہوئی

جس نے سرکارِ دو عالم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے شوہر نے کہا ہے کہ وہ اس کو طلاق دیتا رہے گا اور رجوع کرتا رہے گا اور ہر مرتبہ جب طلاق کی عدت گزرنے کے قریب ہوگی تو رجوع کرلے گا اور پھر طلاق دیدے گا، اسی طرح عمر بھر اس کو قید رکھے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ: طلاقِ رجعی کا حق (دو بار): شریعت کے مطابق شوہر اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ دو الگ الگ موقعوں پر (ایک ایک کرکے) طلاق دے سکتا ہے۔ ان دو طلاقوں کے بعد عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد بھی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی گنجائش باقی رہتی ہے، یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر) رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے، پہلی طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہوسکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بساتا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔

## اسلام نے افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ اختیار کی

اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لئے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح اس لیے نہیں کیا جاتا کہ زوجین میں تفریق ڈال دی جائے۔ اس معاہدہ (Agreement) کو نباہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود اگر میاں بیوی کے لیے اکٹھے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو، تو پھر اسلام نے طلاق کے ذریعے ان کی علیحدگی کا انتظام بھی کر دیا ہے، اگرچہ طلاق پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے قَالَ: "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللهِ الطَّلَاقُ" یعنی مباح اشیا میں سے سب ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ تاہم ضرورت کے تحت اس کی اجازت ہے۔ طلاق کی صورت میں

اسلام نے ایک اور ضروری قانون عدت کا دیا ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت ایک خاص مدت تک دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔اس کا مقصد تحفظ نسب ہے تاکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب مشکوک نہ ہو جائے۔طلاق کے بعد اگر عورت فوراً دوسرا نکاح کر لے تو بچے کے نسب پر شبہ ہو سکتا ہے کہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے کا، اور اس طرح کئی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔اس آیت میں ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینی چاہئیں، یعنی اولاً تو نباہ کی ہی کوشش کی جائے، اگر کسی کی فہمائش یا کسی بھی طریقے سے بات بن سکتی ہو تو اس سے دریغ نہ کیا جائے، لیکن اگر نباہ اور صلح کی کوئی صورت نہ ہو اور طلاق کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے تو طلاق دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورت کو پاکی کی حالت میں ایک طلاق رجعی دے دی جائے، ایک طلاق کے بعد عدت کے اندر اگر چاہیں تو رجوع کر لیں اور رجوع نہ کرنا چاہیں تو عدت گزرنے کے بعد عورت آزاد ہو گی، وہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو درست ہو گا۔اس کو شریعت میں " طلاق احسن " کہتے ہیں۔ایک طلاق رجعی کے بعد عورت کی عدت گزر جائے پھر صلح کی کوئی صورت نکل آئے تو نئے مہر اور شرعی گواہوں کی موجودگی میں دوبارہ نکاح بھی ہو سکتا ہے۔ایسی صورت میں آئندہ دو طلاقوں کا حق حاصل ہو گا۔بیک وقت تین طلاقیں دینا شرعاً سخت ناپسندیدہ ہے، اس لیے بیک وقت تین طلاقیں نہ دی جائیں۔لیکن اگر تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی جائیں تو بھی واقع ہو جاتی ہیں، اور تین طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔ہمارے زمانے میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد دونوں صورتوں میں الٹا چلتی ہے، طلاق دینے میں بھی غلط طریقہ اور بیوی کو رکھنے میں غلط طریقہ۔اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اٰمین۔

اگر زوجین میں نبھاؤ کی کوئی شکل نہ رہے اور شوہر بلا عوض طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو، تو عورت کے لیے یہ راستہ تجویز کیا گیا ہے کہ وہ خلع کی پیش کش کر کے اپنے کو آزاد کرا لے۔اِسی بات کو قرآنِ کریم کی اِس آیت میں اِرشاد فرمایا گیا: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ : اور تمہیں حلال نہیں۔یہاں بوقتِ طلاق عورت سے مال لینے کا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔

نیز روایات میں وارد ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام

کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں ثابت کے اخلاق اور اُن کی دین داری کے بارے میں تو کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن مجھے اُن کی ناقدری کا خطرہ ہے (اِس لیے میں اُن سے علیحدگی چاہتی ہوں) تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُنہوں نے جو باغ تمہیں مہر میں دیا ہے وہ تم اُنہیں لوٹادو گی؟'' تو اہلیہ نے اِس پر رضامندی ظاہر کی، تو پیغمبر علیہ السلام نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: ''اپنا باغ واپس لے لو اور اِنہیں طلاق دے دو''۔ (ابو داوٗد شریف/ باب الخلع ۱/ ۳۰۳، تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۸۳-۱۸۵ ریاض)

## خلع کا شرعی طریقہ

خلع کا مطلب ہے کہ جس طرح بوقتِ ضرورت مرد کو طلاق دینا جائز ہے، اسی طرح اگر عورت نباہ نہ کرسکتی ہو تو اس کو اجازت ہے کہ شوہر نے جو مہر وغیرہ دیا ہے اس کو واپس کرکے اس سے گلوخلاصی کرلے۔ اور اگر شوہر آمادہ نہ ہو تو عدالت کے ذریعہ خلع لے لے۔ اور عدالت کے ذریعہ جو خلع لیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عدالت اگر محسوس کرے کہ میاں بیوی کے درمیان موافقت نہیں ہو سکتی تو عورت سے کہے کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے، اور شوہر سے کہے کہ وہ مہر چھوڑنے کے بدلے اس کو طلاق دے دے، اور اگر شوہر اس کے باوجود بھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت شوہر کی مرضی کے بغیر خلع کا فیصلہ نہیں کرسکتی۔ خلع سے ایک بائن طلاق ہو جاتی ہے، اگر میاں بیوی کے درمیان مصالحت ہو جائے تو نکاح دوبارہ کرنا ہوگا۔ طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ خلع کا مطالبہ عموماً عورت کی جانب سے ہوتا ہے، اور اگر مرد کی طرف سے اس کی پیشکش ہو تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے، عورت قبول کرلے تو خلع واقع ہوگا، ورنہ نہیں۔ جبکہ طلاق عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں، وہ قبول کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عورت کے خلع قبول کرنے سے اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، طلاق سے ساقط نہیں ہوتا، البتہ اگر شوہر یہ کہے کہ تمہیں اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم مہر چھوڑ دو اور عورت قبول کرلے تو یہ بامعاوضہ طلاق کہلاتی ہے اور اس کا حکم خلع ہی کا ہے۔ خلع میں شوہر کا لفظ ''طلاق'' استعمال کرنا ضروری نہیں، بلکہ اگر عورت

کہے کہ: ”میں خلع (علیحدگی) چاہتی ہوں“، اس کے جواب میں شوہر کہے: ”میں نے خلع دے دیا“ تو بس خلع ہو گیا۔ خلع میں طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، یعنی شوہر کو اب بیوی سے رجوع کرنے یا خلع کے واپس لینے کا اختیار نہیں، ہاں! دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

اگر شوہر خلع نہ دے تو عورت عدالت سے رجوع کرے اور اپنا نکاح اور شوہر کا نان نفقہ نہ دینا شہادت سے ثابت کرے، عدالت تحقیقات کے بعد اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت کا دعویٰ صحیح ہے تو عدالت شوہر کو حکم دے کہ یا تو اس کو حسن و خوبی کے ساتھ آباد کرو اور اس کا نان و نفقہ ادا کرو، یا اس کو طلاق دو، ورنہ ہم نکاح فسخ ہونے کا فیصلہ کر دیں گے۔ اگر عدالت کے کہنے پر بھی وہ نہ تو آباد کرے اور نہ طلاق دے تو عدالت خود نکاح فسخ کر دے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو، تو خلع پر معاوضہ لینا مکروہ ہے، چاہے تھوڑا لے یا زیادہ۔ اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو، تو پھر شوہر کو چاہیے کہ جتنا مہر میں دیا ہے صرف اتنا ہی لے، اُس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ پھر بھی اگر زیادہ طے ہوا، تو زیادہ ہی دینا پڑے گا۔ الغرض! اس آیت میں بوقت طِلاق عورت سے مال لینے کا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ شوہر اپنا دیا ہوا مہر واپس لے اور یہ بطورِ خلع نہ ہو، یہ صورت تو سراسر ناجائز و حرام ہے، یہ مضمون سورہ نساء کی آیت 20، 21 میں بھی ہے، وہاں فرمایا کہ تم بیویوں کو ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو تو طلاق کے وقت اس سے لینے کی اجازت نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت مرد سے خلع لے اور خلع میں عورت مال ادا کرے، اس صورت کی اجازت ہے اور آیت میں جو فرمایا کہ عورت کے فدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس سے یہی صورت مراد ہے لیکن اس صورت میں بھی یہ حکم ہے کہ اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو خلع میں مال لینا مکروہ ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو مال لینا درست ہے لیکن مہر کی مقدار سے زیادہ لینا پھر بھی مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا: شوہر نے جتنا مال دیا تھا اس سے زیادہ خلع لینے والی خاتون سے نہ لے۔

## بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنے پر وعیدیں

بلا وجہ عورت کیلئے طلاق کا مطالبہ کرنا حرام ہے۔ایسی عورتیں اور وہ حضرات ان احادیث سے عبرت حاصل کریں جو عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکاتے ہیں: (۱) حضرت ثوبان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جو عورت اپنے شوہر سے بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ابو داوٗد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، ۲ / ۳۹۰، الحدیث: ۲۲۲۶) (۲) حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور پر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے۔ (ابو داود، کتاب الطلاق، باب فیمن خبب امرأۃ علی زوجہا، ۲ / ۳۶۹، الحدیث: ۲۱۷۵) خلاصہ یہ ہے کہ خلع اسلامی تعلیمات میں عورت کو دیے گئے ایک اہم حقوق میں شامل ہے۔ جو اس کے تحفظ اور عزت کو یقینی بناتا ہے۔ خلع کی تعریف کے مطابق، یہ وہ شرعی حق ہے جس کے تحت عورت مخصوص حالات میں شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ جب نکاح نبھانا ممکن نہ ہو۔ اور طلاق کے امکانات نہ ہوں۔ تو خلع ایک جائز شرعی راستہ ہے۔ تاہم، خلع کا فیصلہ جذباتی یا عجلت میں نہیں، بلکہ غور و فکر کے بعد کرنا چاہیے۔ اسلام مرد و عورت دونوں کو ازدواجی تعلقات میں برابری اور انصاف کی تلقین کرتا ہے۔ تاکہ معاشرتی استحکام قائم رہے۔

# حلالہ شرعی اصطلاح نہیں ہے/ نکاح میں زوجین کی رضامندی کا لحاظ/ نکاح میں مسئلہ ولایت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا
جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۲۳۰ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ
یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ٘ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
عَلَیْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۲۳۱

## تین طلاقیں دینے کے بعد نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی نکاح

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَاِنْ | پھر اگر | طَلَّقَهَا | اُس (خاوند) نے اُسے (تیسری) طلاق دے دی |
| فَلَا تَحِلُّ | تو حلال نہیں | لَهٗ | اس کے لیے |
| مِنْۢ بَعْدُ | اس کے بعد | حَتّٰى | یہاں تک کہ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| تَنۡكِحَ | وہ نکاح کرلے | زَوۡجًا | کسی خاوند سے | | |
| غَيۡرَهٗ | اس کے علاوہ | فَاِنۡ | پھر اگر | طَلَّقَهَا | وہ (بھی) طلاق دیدے اس کو |
| فَلَا | تو نہیں | جُنَاحَ | کوئی گناہ | عَلَيۡهِمَاۤ | اُن (سابقہ میاں بیوی) پر |
| اَنۡ | یہ کہ | يَّتَرَاجَعَاۤ | وہ دونوں رجوع کرلیں | اِنۡ | اگر |
| ظَنَّاۤ | وہ یقین کریں | اَنۡ يُّقِيۡمَا | کہ وہ قائم رکھیں گے | حُدُوۡدَ اللّٰهِ | اللہ کی حدود |
| وَتِلۡكَ | اور یہ | حُدُوۡدُ اللّٰهِ | اللہ کی حدود ہیں | يُبَيِّنُهَا | وہ انہیں بیان کرتا ہے |
| لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ | جاننے والوں کے لیے۔(230) | | | | |

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ پھر اگر مرد (تیسری) طلاق بھی دے تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لیے حلال نہ رہے گی، تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے، اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے اور نہ دوبارہ نکاح جب تک یہ نہ ہو کہ عورت عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے یا وہ فوت ہو جائے اور عورت پھر اس دوسرے شوہر کی عدت گزارے۔ تین طلاقیں تین مہینوں میں دی جائیں یا ایک مہینے میں یا ایک دن میں یا ایک نشست میں یا ایک جملے میں بہرصورت تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ تین طلاقوں کے بعد بغیر شرعی طریقے کے مرد و عورت کا ہم بستری وغیرہ کرنا صریح حرام و ناجائز ہے اور ایسی صلح کی کوشش کروانے والے بھی گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

## غلط اور مبنی بر جہالت حلالہ کی رسم

ہمارے معاشرے میں دین وشریعت کے غلط اور مبنی بر جہالت فہم کے جو مختلف مظاہر پائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک، حلالہ کی رسم ہے۔ مروجہ رسم کے مطابق حلالہ کا تصور یہ ہے کہ اگر شوہر، بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اب ان کے اکٹھا رہنے کے جواز کے لیے شرط ہے کہ عورت، عارضی طور پر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، اس سے جسمانی تعلق قائم کرے اور پھر طلاق لے کر پہلے

شوہر کے پاس واپس آجائے۔یعنی اس میں دو تین چیزیں پہلے سے طے ہیں: ایک یہ کہ یہ دوسرا نکاح وقتی اور عارضی مدت کی نیت سے ہوگا۔دوسرا یہ کہ اس کا مقصد ہی پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال کرنا ہے۔اور تیسرا یہ کہ اس سارے عمل میں عورت کی مرضی کی کوئی اہمیت نہیں، اسے بس ایک بتایا گیا پروسیجر پورا کر کے بہر حال پہلے شوہر کے پاس واپس آنا ہے۔اسلامی شریعت میں حلالہ کے اس تصور کی کوئی بنیاد نہیں۔شریعت میں جو قانون دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر شوہر دو دفعہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد رجوع کر چکا ہو اور پھر تیسری مرتبہ بیوی کو طلاق دے دے تو اب وہ رجوع نہیں کرسکتا اور تیسری طلاق کے بعد وہ دونوں، میاں بیوی کے طور پر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ عورت اب کسی دوسرے مرد سے ہی نکاح کرے گی اور یہ نکاح ہرگز عارضی تعلق کی نیت سے اور پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال کرنے کے ارادے سے نہیں ہوگا۔چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت سے نکاح کرنے والے اور پہلے شوہر، جس کے لیے نکاح کیا جارہا ہے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور عارضی نکاح کرنے والے کو کرایے کے سانڈ سے تشبیہ دی ہے۔اس طرح کا مقدمہ سامنے آنے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے شوہر کو سخت زجر و توبیخ کی اور اسے پابند کیا کہ اب وہ اس نکاح کو قائم رکھے۔نیز یہ کہ اگر اس نے پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال کرنے کی غرض سے اسے طلاق دی تو اسے بدکاری کی پاداش میں سنگسار کیا جائے گا۔جمہور فقہائے اسلام حلالہ کی نیت سے کیے گئے نکاح کو منعقد ہی نہیں مانتے اور نہ اس کی بنیاد پر عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال قرار دیتے ہیں۔اس تفصیل سے واضح ہے کہ شریعت میں دراصل، عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کرنے کا کوئی طریقہ تجویز نہیں کیا گیا، بلکہ تیسری طلاق کے بعد دونوں کے اکٹھے رہنے پر پابندی عائد کی ہے اور عورت سے کہا ہے کہ اب وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہی زندگی گزارے۔البتہ اگر کسی وجہ سے اتفاقاً دوسرے شوہر سے بھی علیحدگی ہو جائے اور عورت اپنی آزادانہ مرضی سے دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں جانا چاہے اور دونوں کو یہ اطمینان ہو کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے رشتہ نکاح کو نباہ سکیں گے تو ایسی صورت میں شریعت انھیں دوبارہ نکاح کی اجازت دیتی ہے۔اس طریقے کا، جیسا کہ واضح ہے، حلالہ کے مروجہ طریقے سے کوئی تعلق نہیں جو سرتاسر جہالت اور حرام

حیلوں پر مبنی طریقہ ہے۔اس میں شوہر کی غلطی کی سزا بیوی کو دی جاتی ہے جو غیر منصفانہ بھی ہے اور عورت کی تذلیل بھی۔

## اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں

فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں ہیں۔ یُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ جو کہ اہل قوم کے لیے بیان کی گئی ہیں۔مسئلہ نکاح کا ہو، طلاق یا عدت کا ہو۔ اِیلاء یا ظِھَار کا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے واضح حدیں مقرر کر دیں ک ہیں۔ان حدود کا احترام کرنا چاہئے اور ان کو عبور نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ انسان گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائے گا۔

## ولی کی اجازت سے بغیر نکاح

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاِذَا | اور جب | طَلَّقْتُمُ | تم طلاق دو | النِّسَآءَ | عورتوں کو |
| فَبَلَغْنَ | پھر وہ پوری کرلیں | اَجَلَهُنَّ | اپنی عدت | | |
| فَاَمْسِكُوْهُنَّ | تو روک لو ان کو | بِمَعْرُوْفٍ | دستور کے مطابق | | |
| اَوْ | یا | سَرِّحُوْهُنَّ | رخصت کر دو | بِمَعْرُوْفٍ | دستور کے مطابق |
| وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ | اور تم نہ روکو انہیں | ضِرَارًا | ستانے کیلئے | | |
| لِّتَعْتَدُوْا | تا کہ تم زیادتی کرو | وَمَنْ | اور جو کوئی | | |
| يَّفْعَلْ | کرے گا | ذٰلِكَ | یہ | فَقَدْ ظَلَمَ | تو بیشک اس نے ظلم کیا |
| نَفْسَهٗ | اپنی (ہی) جان پر | وَلَا | اور نہ | تَتَّخِذُوْٓا | تم بناؤ |
| اٰيٰتِ اللّٰهِ | اللہ کی آیتوں کو | هُزُوًا | ہنسی مذاق | | |
| وَاذْكُرُوْا | اور یاد کرو | نِعْمَتَ اللّٰهِ | اللہ کی نعمت | | |
| عَلَيْكُمْ | تم پر | وَمَآ | اور اُس کو (بھی) جو | | |
| اَنْزَلَ | اس نے نازل کی | عَلَيْكُمْ | تم پر | مِّنَ الْكِتٰبِ | کتاب |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالْحِكْمَةِ | اور حکمت | يَعِظُكُمْ | وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے |
| بِهٖ | اس کے ساتھ | وَاتَّقُوا اللّٰهَ | اور تم ڈرو اللہ سے |
| وَاعْلَمُوْٓا | اور جان لو | اَنَّ اللّٰهَ | کہ بیشک اللہ |
| بِكُلِّ ہر شَيْءٍ | چیز کو | عَلِيْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔(231) |

اس آیت میں مطلقہ عورت کی بابت ایک تیسرا حکم دیا جارہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد (پہلی یا دوسری طلاق کے بعد) اگر سابقہ خاوند بیوی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مت روکو۔ نبی (ﷺ) کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کردیا جس پر یہ آیت اتری (صحيح بخاري) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کرسکتی، بلکہ اس کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ تب ہی اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے سے روکا ہے۔ اس کی مزید تائید حدیث نبوی (ﷺ) سے ہوتی ہے: »لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ« » ولی کی اجازت سے بغیر نکاح نہیں، جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا، پس اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ (حوالہ مذکور) ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی، دیگر محدثین کی طرح، صحیح اور احسن تسلیم کیا ہے۔

## باکرہ اور ثیبہ اسلامی فقہ میں دو بنیادی اصطلاحات

حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ نابالغ عورت کا نکاح تو بغیر ولی کے نہیں ہوسکتا۔ البتہ عاقلہ اور بالغہ عورت باکرہ، کنواری (غیر شادی شدہ) لڑکی (ایسی عورت جس نے کبھی بھی ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے ہوں اور وہ شادی یا کسی بھی دوسرے طریقے سے غیر باکرہ نہ ہوئی ہو۔ شریعت میں اس کے حقوق اور نکاح کے حوالے سے الگ احکامات ہیں۔ (ثیبہ عورت) غیر کنواری: ایسی عورت جس کی شادی ہوچکی ہو اور اس کے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم ہوچکے ہوں۔ اس اصطلاح میں مطلقہ (طلاق یافتہ) اور بیوہ دونوں شامل ہیں) ہو یا ثیبہ بغیر ولی کے

نکاح کرسکتی ہے ۔فرمایا یہ نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ ناپسندیدہ فعل ہوگا۔اس سلسلہ میں ایک چیز کی گنجائش ہے ۔اگرعورت نے اپنی مرضی سے غیر کفو کے ساتھ نکاح کیا ہے تو ولی یا سرپرست ایسے معاملہ کو عدالت میں لے جاسکتا ہے ۔اوراگر عدالت مناسب سمجھے تو نکاح فسخ کرسکتی ہے ۔

## نکاح سرپرست کی معرفت سے ہونا چاہیے

صحیح طریقہ یہ ہے کہ نکاح سرپرست کی معرفت سے ہونا چاہیے ۔لڑکی کا باپ یا بڑا بھائی یا چچا ہے،وہ خود دیکھ بھال کر نکاح کا فیصلہ کریں ۔تاہم نکاح کے لیے عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے بہرحال اگرعورت اپنی مرضی سے نکاح کرلیتی ہے تو نکاح جائز ہوگا مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے ۔اس آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت کے ولیوں کو بھی عورت پر جبر کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضامندی کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں ۔اگر ولی عورت کی رضامندی کو نظرانداز کرکے زبردستی نکاح کردے،تو شریعت نے عورت کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے ۔شریعت نے دونوں کا حکم مستقل طور پر بیان کیا ہے اولاد پر لازم ہے کہ والدین کو خوش رکھیں اور والدین پر لازم ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکی کی مرضی کالحاظ رکھے،اور ان کی مرضی کے بغیر والدین کی طرف سے دباؤ ڈال کرکے ان کا نکاح کردینا جائز نہیں،اس میں والدین گنہگار ہوں گے؛اس لئے نکاح کے معاملہ میں والدین کو اولاد کی رضامندی کالحاظ رکھنا لازم ہے، جہاں لڑکا یا لڑکی نکاح کرنا پسند کریں،اگرچہ والدین کو وہ جگہ پسند نہ ہو،تب بھی والدین کو اولاد کی مرضی کے مطابق نکاح کے معاملہ میں رضامند ہونا لازم ہے ۔اس لئے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے،کوئی ایک فریق بھی من مانی نہ کرے ۔ الغرض! نکاح میں مسئلہ ولایت (ولی کی اجازت) فقہی نقطہ نظر سے اہم ہے ۔حنفی فقہ کے مطابق،عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی کرسکتی ہے،لیکن کفو (برابری) اور مہرِ مثل کالحاظ ضروری ہے ۔تاہم،ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کو عرفاً پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا اور یہ معاشرتی مسائل کا سبب بن سکتا ہے ۔ولی سے مراد باپ، دادا، بھائی یا چچا وغیرہ ہیں ۔مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ

اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ عورت صرف پہلے خاوند سے ہی نکاح کرسکتی ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ عاقل بالغ عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ درمیان میں بلاوجہ رکاوٹ نہیں بننا چاہئے بشرطیکہ وہ دونوں دستور کے مطابق صحیح طریقہ سے نکاح رضامند ہوں۔ اگر عورت کی رضامندی کے خلاف دوسری جگہ نکاح کردیا جائے تو کئی قسم کی معاشرتی خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے جن کی وجہ سے یہ گنہگار ہوں گے۔ لہٰذا اسے اپنی مرضی سے نکاح کرنیکی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ صرف ایک شرط ہے کہ عورت کا مجوزہ خاوند اس کا کفو (ہمسر) بھی ہو۔ اور اسے حق مہر بھی پورا میسر آتا ہو اور بھی کوئی چیز باعث تحقیر نہ ہو۔ تو انہیں نکاح کی اجازت دے دینی چاہئے۔ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ تمہیں تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرنا چاہیے کہ اس نے تمہیں اسلام کی دولت عطا کی اور سیدُ الانبیاء صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّمَ کا امتی بنایا، تمہیں تمہاری عبادات، معاملات اور معاشرت کے طریقے سکھائے، تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کتاب اور حکمت کو یاد کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے، زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ کائنات میں تمہارے اپنی بیویوں پر ظلم وستم اور احکامِ شرعیہ کی مخالفت کو اور کوئی نہ بھی جانتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جاننے والا ہے، اس کی بارگاہ میں تو جواب دینا ہی پڑے گا۔ سبحان اللہ، کتنی پیاری نصیحت ہے، کتنا پیارا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے گھروں کے معاملات بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو جائیں۔ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور یہ جان لینا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بڑا ہی وسیع ہے اور وہ ہر چیز اور ہر انسان کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ سب ہی ایک مسلمان کی نشاندہی کرتی ہیں۔ جس قدر حدود اللہ جل شانہ نے مقرر کررکھی ہیں وہ سب عمل کے قابل ہیں اور نسل انسانی کی بھلائی کے لیے ہیں۔ اس لیے صاف نیت سے تمام معاملات کو سیدھا کرنا ہمارے لیے از حد ضروری اور فرض ہے۔

# نکاح ثانی میں رکاوٹ نہ بنو/ مسئلہ رضاعت اور خرچہ کی ذمہ داری/ دودھ پلانے والی ماں کی فضیلت

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ
اِذَا تَرَاضَوۡا بَیۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِکَ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ
وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکُمۡ اَزۡکٰی لَکُمۡ وَ اَطۡهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾
وَ الۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ
وَ عَلَی الۡمَوۡلُوۡدِ لَهٗ رِزۡقُهُنَّ وَ کِسۡوَتُهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُکَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ٭ وَ عَلَی الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِکَ ۚ فَاِنۡ
اَرَادَا فِصَالًا عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِمَا ؕ وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ
تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَیۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲۳۳﴾

## پہلے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَ اِذَا | اور جب | طَلَّقۡتُمُ | تم طلاق دو | النِّسَآءَ | عورتوں کو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَبَلَغۡنَ | پھر وہ پوری کرلیں | اَجَلَهُنَّ | اپنی عدت کو | | |
| فَلَا | تو مت | تَعۡضُلُوۡهُنَّ | روکو تم انہیں | اَنۡ | (اس بات سے) کہ |
| يَّنۡكِحۡنَ | وہ نکاح کریں | اَزۡوَاجَهُنَّ | اپنے (پہلے) خاوندوں سے | | |
| اِذَا | جب | تَرَاضَوۡا | وہ وراضی ہوں | بَيۡنَهُمۡ | آپس میں |
| بِالۡمَعۡرُوۡفِ | دستور کے مطابق | ذٰلِكَ | یہ (بات) | | |
| يُوۡعَظُ | نصیحت کی جاتی ہے | بِهٖ | اس کے ساتھ | مَنۡ | اُس شخص کو جو |
| كَانَ مِنۡكُمۡ | ہے تم میں سے | يُؤۡمِنُ | ایمان رکھتا | بِاللّٰهِ | اللہ پر |
| وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ | اور یوم آخرت پر | ذٰلِكُمۡ | یہ | اَزۡكٰى | زیادہ ستھرا ہے |
| لَكُمۡ | تمہارے لیے | وَاَطۡهَرُ | اور زیادہ پاکیزہ ہے | وَاللّٰهُ | اور اللہ |
| يَعۡلَمُ | جانتا ہے | وَاَنۡتُمۡ | اور تم | لَا تَعۡلَمُوۡنَ | نہیں جانتے۔(232) |

یہ خطاب اس مطلقہ عورت کے سرپرستوں سے ہے جسے تین سے کم طلاق دی گئی ہو، عدت پوری ہونے کے بعد اس کا خاوند اس سے دوبارہ نکاح کا خواہاں ہو اور وہ عورت بھی اس نکاح پر راضی ہو تو اس عورت کے ولی کے لئے خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور، جائز نہیں کہ اسے نکاح کرنے سے روکے، یعنی پہلی طلاق پر اپنے غصہ، بغض اور نفرت کی بنا پر، میاں بیوی کو نکاح کرنے سے روکنے سے منع کرتا ہے، کیونکہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح تمہارے لئے اس سے زیادہ پاک اور بہتر ہے جو عورت کا ولی سمجھتا ہے کہ عدم نکاح درست رائے ہے اور نکاح سے روکنا (انتقاماً) پہلی طلاق کا جواب ہے۔ یعنی بعض مرتبہ طلاق اور اس کی عدت گذرنے کے بعد میاں بیوی کو سبق مل جاتا اور وہ ازسر نو نئی زندگی شروع کرنے کے لیے آپس میں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے تھے، چونکہ طلاقیں تین نہیں ہوئی ہوتی تھیں، اس لیے شرعاً نیا نکاح جائز بھی تھا اور عورت بھی اس پر راضی ہوتی تھی، لیکن عورت کے میکے والے خود ساختہ غیرت کی بنا پر اسے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے سے روکتے تھے۔ یہ آیت اس غلط رسم کو ناجائز قرار دے رہی ہے۔ جیسا کہ متکبر اور نام نہاد اونچے گھرانوں کے لوگوں کی عادت ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء (یعنی سرپرستوں) کو عورتوں کے نکاح سے روکنے سے منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو اسی چیز سے روکتا ہے جو ان کی تدبیر کے تحت آتی ہو اور اس میں ان کا حق ہو۔

## نونہال کی پرورش اور نگرانی کا انتظام

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَالْوَالِدٰتُ | اور مائیں | يُرْضِعْنَ | دودھ پلائیں | | |
| اَوْلَادَهُنَّ | اپنی اولاد کو | حَوْلَيْنِ | دوسال | كَامِلَيْنِ | مکمل |
| لِمَنْ | (یہ حکم) اُس شخص کیلئے ہے جو | اَرَادَ | ارادہ کرے | | |
| اَنْ يُّتِمَّ | یہ کہ وہ پوری کرے | الرَّضَاعَةَ | دودھ پلانے کی مدت | | |
| وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ | اور اوپر بچے کے باپ کے ہے | رِزْقُهُنَّ | ان کا کھانا | | |
| وَكِسْوَتُهُنَّ | اور ان کا لباس | بِالْمَعْرُوْفِ | دستور کے موافق | | |
| لَا تُكَلَّفُ | نہیں تکلیف دیا جاتا | نَفْسٌ | کوئی نفس | | |
| اِلَّا | مگر | وُسْعَهَا | اپنی وسعت کے مطابق ہی | لَا تُضَآرَّ | نہ نقصان پہنچایا جائے |
| وَالِدَةٌ | ماں کو | بِوَلَدِهَا | اس کے بچے کی وجہ سے | وَلَا | اور نہ |
| مَوْلُوْدٌ لَّهٗ | باپ کو | بِوَلَدِهٖ | اس کے بچے کی وجہ سے | | |
| وَعَلَى | اور اوپر | الْوَارِثِ | وارثوں کے | مِثْلُ | مثل |
| ذٰلِكَ | اسی کے (نان ونفقہ) ہے | فَاِنْ | پھر اگر | | |
| اَرَادَا | وہ (والدین) ارادہ کریں | فِصَالًا | دودھ چھڑانے کا | | |
| عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا | آپس کی رضامندی سے | وَتَشَاوُرٍ | اور باہمی مشورے (سے) | | |
| فَلَا | تو نہیں | جُنَاحَ | کوئی گناہ | عَلَيْهِمَا | ان دونوں پر |
| وَاِنْ | اور اگر | اَرَدْتُّمْ | تم ارادہ کرو | اَنْ | یہ کہ |

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا | تم دودھ پلواؤ (کسی انا سے) | اَوۡلَادَكُمۡ | اپنی اولاد کو | | | | |
| فَلَا | تو نہیں | جُنَاحَ | کوئی گناہ | عَلَيۡكُمۡ | تم پر | اِذَا | جبکہ |
| سَلَّمۡتُمۡ | تم (اُن کے) کردو | مَّاۤ | جو کچھ | | | | |
| اٰتَيۡتُمۡ | تم نے دینا (ٹھہرایا) تھا | بِالۡمَعۡرُوۡفِ | دستور کے موافق | | | | |
| وَاتَّقُوا | اور ڈرو | اللّٰهَ | اللہ سے | وَاعۡلَمُوۡۤا | اور جان لو | | |
| اَنَّ اللّٰهَ | کہ بیشک اللہ | بِمَا | ساتھ اُس کو جو | | | | |
| تَعۡمَلُوۡنَ | تم عمل کرتے ہو | بَصِيۡرٌ | خوب دیکھنے والا ہے۔(233) | | | | |

طلاق ہونے کی صورت میں ماں کی گود میں نونہال اور معصوم بچہ ہو تو اس کا کون محافظ اور نگران ہونا چاہیے؟ بالخصوص جب کہ بچہ کھانا کھانے اور اپنے ہاتھ سے پانی پینے کے قابل نہ ہو۔رب کریم نے اس نونہال کی پرورش اور نگرانی کا ایسا انتظام فرمایا کہ جس میں ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی باپ کو تنگ کرنے کے لیے ماں بچے کا بہانہ بنائے بلکہ باہمی مشاورت کے ساتھ بچے کی رضاعت اور حفاظت کا معاملہ طے ہونا چاہیے۔اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ طلاق ہونے کے باوجود سابقہ میاں بیوی اور دونوں کے خاندانوں کے درمیان دشمنی کے بجائے ممکن حد تک قربت باقی رہنے کا امکان رہے گا۔لہٰذا باہم رضامندی کے ساتھ ماں اپنے بچے کو مکمل دو سال دودھ پلائے اور اس دوران بچے اور اس کی والدہ کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے اخراجات بچے کے والد کے ذمہ ہوں گے۔

## حقیقی ماں کی تین صورتیں

اس آیت کریمہ میں دودھ پلانے کا حکم سب سے پہلے حقیقی ماؤں کو دیا گیا وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ اور حقیقی ماں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔پہلی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہے۔دودھ بھی ٹھیک ٹھاک ہے کوئی بیماری بھی لاحق نہیں تو ایسی حالت میں دودھ پلانا ماں پر واجب ہے اور اس کے خرچہ کی ذمہ داری باپ پر ہے۔دوسری صورت یہ ہے

کہ عورت کو طلاق ہو چکی ہے مگر ابھی عدت میں ہے تو اس حالت میں بھی دودھ پلانے کی ذمہ داری ماں پر ہے۔ البتہ ماں اور بچے کا خرچہ مرد کے ذمے ہے۔ جب تک عدت ختم نہ ہو ہر قسم کا خرچہ خوراک، لباس، رہائش علاج وغیرہ سب آدمی کی ذمہ داری ہے۔ اب تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کو طلاق ہو کر عدت ختم ہو چکی ہے تو اس حالت میں عورت کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے بچے کی پرورش کی ساری ذمہ داری اسکے باپ پر عائد ہوتی ہے اگر بچے کی حقیقی ماں دودھ پلانے پر رضامند ہو تو باپ کو چاہئے کہ اسے اولیت دے اور اس کا خرچہ معمول کے مطابق برداشت کرے ہاں اگر عورت معمول سے زیادہ خرچہ طلب کرے تو پھر اس کی خدمات حاصل کرنا ضروری نہیں۔ مرد کسی دوسری عورت کو اجرت دے کر بچے کو دودھ پلوا سکتا ہے۔ بعض اوقات حقیقی ماں کا دودھ کسی عارضہ کی وجہ سے مضر صحت ہوتا ہے۔ یا دودھ اتنا کم ہے کہ بچے کی پرورش ٹھیک طور سے نہیں ہو سکتی۔ تو ایسی صورت میں بھی باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مناسب معاوضہ ادا کر کے کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے۔ فرمایا وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جب یہ طے ہو جائے کہ ماں ہی دودھ پلائے گی تو پھر ایسی ماؤں کی خوراک اور لباس کی ذمہ داری دستور کے مطابق بچے کے باپ پر ہوگی۔ عورت خواہ مرد کے نکاح میں ہے یا مطلقہ ہو کر عدت گزار رہی ہے۔ اس کے اخراجات مرد برداشت کریگا۔ اور اگر عورت عدت پوری کر کے بالکل جدا ہو چکی ہے تو پھر اس کو اسی طرح اجرت دی جائیگی جس طرح کسی غیر عورت کو دی جاتی ہے اور یہ اجرت یا معاوضہ دستور کے مطابق معقول ہونا چاہئے، نہ کم نہ زیادہ اور اس معاملہ میں لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دینی جائیگی۔ مثلاً عورت کو کوئی عارضہ ہے اور دودھ پلانے کے قابل نہیں ہے یا دودھ پلانے سے اس کی صحت کو خطرہ ہے تو ایسی صورت میں اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مرد کی مالی حالت کمزور ہے تو اس کی حیثیت سے زیادہ اجرت طلب نہیں کی جائیگی اسی لیے فرمایا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا والدہ کو اس کا اپنا بچہ ہونے کی بناء پر نقصان نہیں پہنچے گا۔ چونکہ اس کو بچے سے محبت ہے اور اس کی مامتا کا تقاضا ہے کہ اسے خود دودھ پلائے تو اس کی اس کمزوری سے فائدہ

اٹھا کر ماں کو کم اجرت پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ اور نہ باپ کو محض اس وجہ سے تکلیف دی جائیگی کہ وہ بچے کا باپ ہونے کی وجہ سے اس کی پرورش کرنے پر مجبور ہے۔ مگر وہ اپنی حیثیت سے زیادہ اجرت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ماں کو اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بچے کے باپ کو تنگ نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ معاملہ افہام و تفہیم کے ذریعے دستور کے مطابق اور باپ کی مالی حالت کے پیش نظر طے کرنا چاہئے۔ اسلام میں یہ ایک عام قانون ہے کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا دستور بھی یہ ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ عبادات میں دیکھ لیں اگر کوئی شخص معذور ہے یا مجبور ہے کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ جائے۔ لیٹ کر پڑھ سکتا ہے، اشاروں سے نماز ادا کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر بیمار ہے یا مسافر ہے تو روزہ کو قضا کرسکتا ہے۔ دودھ پلانے کے معاملہ میں بھی فرمایا کہ کوئی فریق دوسرے فریق کو تنگ نہ کرے، بلکہ معمول کے مطابق احسن طریقہ سے یہ کام انجام دیا جائے۔ والد کے فوت ہو جانے پر یہ ذمّہ داری وارث نبھائیں گے۔ کفالت کے سلسلے میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے کہ جس سے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کے بجائے خاوند عورت کی ضروریات کا خیال رکھے اور بچے کی ماں اپنے سابقہ خاوند کی مالی حیثیت کو سامنے رکھ کر اخراجات کا تقاضا کرے۔ پھر تیسری گنجائش یہ بھی رکھ دی گئی ہے کہ اگر بچے کا والد کسی وجہ سے اس کی ماں کا دودھ نہیں پلوانا چاہتا یا عورت کسی مجبوری یا آئندہ نکاح کے پیش نظر اپنے لخت جگر کو دودھ پلانے سے عاجز ہے تو ایسی صورت میں کسی دایہ کے ہاں بچے کی رضاعت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ دودھ پلانے والی کو اچھے انداز میں اس کا حق الخدمت ادا کیا جائے۔

## رضاعت کی مدت دو سال

یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی فرمادی گئی کہ ماں اپنے بچے کو دو سال دودھ پلائے گی اور رضاعت کی مدت دو سال ہوگی۔ اس سے رضاعت کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ

کاارشاد ہے کہ میں نے معراج کی رات دیکھا کہ کچھ عورتوں کے پستانوں سے سانپ چمٹے ہوئے ہیں۔میرے پوچھنے پر بتلایا گیا کہ یہ وہ مائیں ہیں جو بلاوجہ اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔[ سلسلۃ الصحیحۃ: للالبانی: 3951]الحمدللہ جدید میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ جو مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں وہ سینے کے کینسر سے محفوظ رہتی ہیں۔بچوں کی اچھی تربیت کرنااور پرورش کرنا صدقہ جاریہ ہے،اور دین و دنیا کے لحاظ سے اچھے نتائج کا باعث ہے،بچوں کو دودھ پلانااوران کی پرورش اسلامی تعلیمات کا حصہ اور ایک ماں کا فطری تقاضا ہے،نیز شریعت نے ان امور میں بھی عورت کے لیے اجروثواب رکھا ہے،بیوی ہونے کی حیثیت سے شوہر کی اولاد پر شفقت ومہربانی اور ان کی پرورش پر بہت سے عمومی فضائل احادیث میں آئے ہیں،مجمع الزوائد،اور کنزالعمال،کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:بچہ کی پیدائش کے بعد دودھ کا جو قطرہ نکلتا ہے اور جب بچہ اس دودھ کو چوستا ہے تو ہر گھونٹ اور ہر قطرہ پر عورت کو نیکی ملتی رہتی ہے۔(مجمع الزوائد 4/ 352 دارالفکر بیروت)فرمایااس معاملہ میں وَاتَّقُو اللّٰه اللہ سے ڈرتے رہو کہیں اس کی نافرمانی نہ کر بیٹھنا،اس کے احکام بلاوجہ نہیں ہیں، بلکہ اس نے یہ احکام اپنی خاص حکمت اور انسان کی بہتری کے لیے دیے ہیں ان کے مطابق عمل کرو۔اور پھر یہ نہ سمجھ لینا کہ کسی ہیرا پھیری سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹال سکو گے وَاعْلَمُوْا خوب یاد رکھو اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ تم جو کچھ بھی عمل کرتے ہو،اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔وہ تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے تم اسے دھوکہ نہیں دے سکتے لہٰذا اس کے احکام کی نافرمانی کا ارادہ کرتے وقت اس کے عذاب کو بھی نگاہ میں رکھ لینا۔

# عورت کی عدت کی اقسام، احکام اور مسائل/ عدت میں اشارے کنائے کی نوعیت

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ
وَّعَشۡرًا ۚ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا عَرَّضۡتُمۡ بِہٖ مِنۡ
خِطۡبَۃِ النِّسَآءِ اَوۡ اَکۡنَنۡتُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ سَتَذۡکُرُوۡنَہُنَّ وَلٰکِنۡ
لَّا تُوَاعِدُوۡہُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۬ؕ وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی
یَبۡلُغَ الۡکِتٰبُ اَجَلَہٗ ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا
اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۳۵﴾ ٪

## بیوہ عورت کی عدت کے مسائل واحکام

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَالَّذِیۡنَ | | اور جو لوگ | | یُتَوَفَّوۡنَ | وفات پاجائیں |
| مِنۡکُمۡ | تم میں سے | وَیَذَرُوۡنَ | اور چھوڑ جائیں | اَزۡوَاجًا | بیویاں |
| یَّتَرَبَّصۡنَ | | تو وہ انتظار میں رکھیں | | بِاَنۡفُسِہِنَّ | اپنے آپ کو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ | چار مہینے | وَّعَشۡرًا | اور دس دن | | |
| فَاِذَا بَلَغۡنَ | پھر جب وہ پہنچ جائیں | اَجَلَهُنَّ | اپنی عدت کو | | |
| فَلَا | تو نہیں | جُنَاحَ | کوئی گناہ | عَلَيۡكُمۡ | تم پر |
| فِيۡمَا | اُس میں جو | فَعَلۡنَ | وہ کریں | | |
| فِيۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ | اپنے حق میں | بِالۡمَعۡرُوۡفِ | دستور کے مطابق | | |
| وَاللّٰهُ | اور اللہ | بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ | ساتھ اُس کے جو تم عمل کرتے ہو | | |
| خَبِيۡرٌ | خوب خبر دار ہے۔(234) | | | | |

اس آیت میں بیوہ کی عدت کے متعلق بیان کیا جا رہا ہے جن عورتوں کے شوہر مر جاتے ہیں انہیں چار مہینے دس دن تک عدت گزارنی ہے یعنی اپنے آپ کو روکے رکھنا ہے۔ بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن صرف اسی صورت میں ہے جب وہ حاملہ نہ ہو۔ اگر وہ حاملہ ہوگی تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس عرصہ میں نہ تو دوسرا نکاح کرنا جائز ہے اور نہ کسی شخص کو اس بات کی اجازت ہے کہ صریح اور صاف الفاظ میں نکاح کا پیغام دے۔ البتہ ایسے ڈھکے چھپے الفاظ میں یا ارشارۃً یہ بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جو اس غمزدہ کے لئے ڈھارس بھی ہو اور سہارا بھی لیکن نکاح کا پیغام جائز نہیں ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بیوہ سال بھر تک سوگ مناتی تھی، زمانہ جاہلیت میں "بیوہ سال" (الحول) سے مراد بیوہ کی وہ کٹھن عدت تھی جو عورت کو شوہر کی موت کے بعد ایک مکمل سال (12 ماہ) گزارنی پڑتی تھی، بیوہ عورت عام لوگوں کے ساتھ مکان میں نہیں رہ سکتی تھی بلکہ اسے کسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا تھا۔ نہ وہ غسل کر سکتی تھی اور نہ کپڑے تبدیل کرنے کی مجاز تھی۔ اس کو منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا بھی نہیں کھا سکتی تھی۔ ایک سال گزرنے کے بعد اسے کھوٹھڑی سے نکالا جاتا اور گدھے یا اونٹ پر سوار کیا جاتا مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ مرغ یا کوئی دوسرا جانور ایسی عورت کو لا کر دیا جاتا جسے وہ اپنے اعضائے تناسلیہ کے ساتھ ملتی۔ اکثر اوقات وہ جانور تعفن اور زہریلے جراثیم پیدا ہو جانے کی وجہ سے مر جاتے۔ نہ استنجا نہ طہارت، پھر اس عورت

کے ہاتھ میں اونٹ یا بکری کی مینگنیاں پکڑواتے، وہ اپنے ہاتھ سے مینگنیاں پھینکتی، تو اس کے لواحقین کہتے کہ اب اس کی عدت پوری ہوگئی ہے۔ اب یہ نہا دھو کو صاف لباس پہن سکتی ہے۔ خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔ گویا جاہلیت کے زمانہ میں اس قسم کا بُرا دستور تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے مگر خاوند پر چار ماہ دس دن تک سوگ منانے کا حکم ہے۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے واقعات ملتے ہیں۔ ایک کے والد فوت ہو گئے اور دوسری کے بھائی انہوں نے تین دن گزرنے کے بعد خوشبو منگائی۔ اور کچھ بچی کے سر پر لگا دی اور کچھ اپنے ہاتھوں کو مل لی۔ عورتوں کے مجمع میں فرمایا۔ مجھے خوشبو کی حاجت نہ تھی۔ مگر میں تمہیں مسئلہ سمجھانا چاہتی تھی۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی عورت کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کی فوت ہو جانے پر جب کہ چار ماہ دس دن تک سوگ ہے۔ حضور ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کیا، حضور! میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا، بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں تم سال بھر سخت مشقت اٹھاتی تھیں مگر اسلام کی عائد کردہ چار ماہ دس دن کی معمولی پابندی برداشت نہیں کر سکتی۔ مقصد یہ کہ عورت عدت کے دوران سرمہ نہیں لگا سکتی۔ رنگین کپڑے نہیں پہن سکتی۔ خوشبو نہیں لگا سکتی۔ زیور نہیں پہن سکتی زینت کا سامان استعمال نہیں کر سکتی۔ البتہ صاف لباس پہن سکتی ہے غسل کر سکتی ہے، نماز پڑھ سکتی ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک مکان میں رہ کر اکٹھا کھا پی سکتی ہے۔ یہ سب جائز ہے۔

## بیوہ عورت عدت کس طرح گزارے؟

عدت وفات اسی مکان میں گذارے گی جس میں موت سے قبل شوہر کے ساتھ رہتی تھی، نامحرموں سے بالکلیہ پردہ کرے گی، کہیں آنے جانے سے احتراز کرے گی، بناؤ سنگار بالکل نہیں کرے گی، بلکہ سادہ طریقہ پر رہے گی (ریشمی یا پھولدار کپڑے یا زیور نہ پہنے، خوشبو نہ لگائے) عدت

کے دوران کسی دوسرے مرد سے نہ نکاح کر سکتی ہے نہ ہی نکاح کی بات چیت کر سکتی ہے، حرام ہے۔عدت گذر جانے کے بعد وہ عام بیوہ یا مطلقہ عورتوں کی طرح رہے،یعنی نامحرموں سے پردہ کا اہتمام کرے، بوقت ضرورت محرموں کے سامنے (باپ، بھائی وغیرہ) خوشنما لباس یا زیور وغیرہ پہن سکتی ہے،عقد ثانی کا انتظام ہوجائے تو عقد ثانی کرلے الغرض! عدت کے دوران اس عورت کو خوشبو لگانا،سنگھار کرنا، سرمہ لگانا، تیل ڈالنا، بلا ضرورت مہندی لگانا، رنگین کپڑے پہننا یا آرائش و زیبائش کرنا جائز نہیں ہے۔اگر چاند رات کو کسی شخص کا انتقال ہوا ہے تب تو یہ مہینے خواہ تیس دن کے ہوں یا انتیس دن کے چاند کے حساب سے مدت پوری کی جائے گی اور اگر کسی شخص کا انتقال چاند رات کے بعد ہوا تو سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے اس طرح کل ایک تیس دن پورے کرنے ہوں گے۔

## بیوہ کی حق تلفی

آج کل بیوہ عورتوں پر انتہائی ظلم کیا جاتا ہے۔بعض عورتیں عین جوانی میں بیوہ ہو جاتی ہیں مگر انہیں عمر بھر خاوند کے بغیر رہنا پڑتا ہے اور ورثاء انہیں عقد ثانی کی اجازت نہیں دیتے اور اس میں اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔حالانکہ یہ سراسر جہالت اور خدا کی نافرمانی ہے اور اس بیوہ کی حق تلفی ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۔آخر میں فرمایا کہ اے مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس نے جو تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے اس سے دھوکے میں نہ پڑ جانا وہ بہت برداشت کرنے والا ہے اور اسی وجہ سے وہ درگذر کرتا ہے۔لیکن کوئی چیز اس کے علم کے احاطے سے باہر نہیں وہ ہر چیز کا اچھی طرح علم رکھتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور باطنی، چھوٹے اور بڑے تمام اعمال کو جانتا ہے۔پس وہ تمہیں ان کا بدلہ دے گا اور عورت کے اولیا سے اللہ تعالیٰ کے خطاب: فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِىۡٓ اَنۡفُسِهِنَّ ” میں اس امر کی دلیل ہے کہ عورت کا ولی اس پر نظر رکھے اور جو فعل جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے اسے منع کرے اور اس فعل کو بجالانے پر اسے مجبور کرے جو اس پر واجب ہو۔عورت کا ولی اس آیت کا مخاطب ہے اور ایسا کرنا اس پر واجب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ عدت وفات ہر عورت کے لئے ہے، چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جوان ہو یا بوڑھی۔ البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (الطلاق) "حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے۔" اس عدت وفات میں عورت کو زیب وزینت کی (حتیٰ کہ سرمہ لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ مطلقہ رجعیہ کے لئے عدت کے اندر زیب وزینت ممنوع نہیں ہے اور مطلقہ بائنہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر) یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب وزینت اختیار کریں اور اولیا کی اجازت ومشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لئے تم پر بھی (اے عورت کے ولیو!) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کے عقد ثانی کو برا سمجھنا چاہیے، نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

## عدت کے دوران میں عورت کو صاف الفاظ کے ساتھ پیغام نکاح دینا

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا جُنَاحَ | اور نہیں کوئی گناہ | عَلَيْكُمْ | تم پر | | |
| فِيمَا | اُس میں جو | عَرَّضْتُمْ بِهٖ | تم اشارہ کرو اس کے ساتھ | | |
| مِنْ خِطْبَةِ | نکاح کے پیغام کا | النِّسَآءِ | عورتوں کو (عدت میں) | | |
| اَوْ | یا | اَكْنَنْتُمْ | تم چھپاؤ | فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ | اپنے دلوں میں |
| عَلِمَ اللّٰهُ | جانتا ہے اللہ | اَنَّكُمْ | (یہ کہ) یقیناً تم | | |
| سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ | ضرور ذکر کرو گے ان عورتوں سے | وَلٰكِنْ | اور لیکن | | |
| لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ | نہ وعدہ کرو ان سے | سِرًّا | چھپ کر | | |
| اِلَّآ اَنْ | مگر یہ کہ | تَقُوْلُوْا | تم کہو | قَوْلًا | کوئی بات |
| مَّعْرُوْفًا | دستور کے مطابق | وَلَا | اور مت | تَعْزِمُوْا | تم عزم کرو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| عُقْدَةَ النِّكَاحِ | عقدِ نکاح کا | حَتّٰی | یہاں تک کہ | يَبْلُغَ | پہنچ جائے |
| الْكِتٰبُ | میعادِ مقرر | اَجَلَهٗ | اپنی انتہا کو | | |
| وَاعْلَمُوْٓا | اور جان لو | اَنَّ اللّٰهَ | کہ بیشک اللہ | | |
| يَعْلَمُ | جانتا ہے | مَا | جو کچھ | فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ | تمہارے دلوں میں ہے |
| فَاحْذَرُوْهُ | پس تم ڈرو اس سے | وَاعْلَمُوْٓا | اور جان لو | | |
| اَنَّ | کہ بیشک | اللّٰهَ | اللہ | غَفُوْرٌ | بہت زیادہ بخشنے والا |
| حَلِيْمٌ | نہایت تحمل والا ہے۔(235) | | | | |

اس آیت میں عدت وِفات گزارنے والی عورت کا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرنا یا نکاح کا کھلا پیغام دینا یا نکاح کا وعدہ کرلینا تو حرام ہے لیکن پردے کے ساتھ خواہش نکاح کا اظہار گناہ نہیں، یعنی عدت کے دوران میں عورت کو صاف الفاظ کے ساتھ پیغام نکاح دینا جائز نہیں، البتہ مناسب طریقے سے یعنی اشارہ کنایہ سے کوئی بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ) اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میرا شادی کرنے کا پروگرام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نیک بیوی عطا فرمائے۔" [ بخاری، النکاح، باب قول اللہ عزوجل: (وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا : 5124 ] لیکن یہ حکم اس عورت کا ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو یا اسے تینوں طلاقیں ہو چکی ہوں، جیسا کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو تینوں طلاقیں ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: "جب تمہاری عدت گزر جائے تو مجھے اطلاع دینا۔" جب انھوں نے عدت گزرنے کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔" [ مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها: 1480 ] مگر وہ عورت جسے رجعی طلاق دی گئی ہو تو اس سے دوران عدت میں کسی شخص کا نکاح کے لیے اشارہ کنایہ سے بات کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ ابھی تک اس پر اس کے شوہر کا حق ہے۔یعنی جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح کی گرہ مت باندھو۔اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر

نکاح صحیح نہیں۔(ابن کثیر،شوکانی)

## یہودیوں میں عدت کا کوئی نظریہ نہیں

یہودیوں میں عدت کا کوئی نظریہ نہیں۔ان کی عورتیں طلاق یا بیوگی کی صورت میں فوراً دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ہندوؤں میں ایسی عورتیں ساری عمر سوگ مناتی ہیں۔انہیں دوسرے نکاح کی اجازت نہیں اوّل تو وہ خاوند کے ساتھ ہی زندہ جل جاتی ہیں اگر ایسا نہیں کیا تو ساری عمر یونہی بیٹھی رہیں گی۔بہرحال یہ افراط وتفریط ہے۔اسلام دین فطرت ہے اور افراط وتفریط سے پاک ہے۔اس میں نکاح کے حقوق اور نسب کا لحاظ رکھا گیا ہے اسلام نے ایسے احکام جاری کیے ہیں کہ نہ تو انسان کا نسب خراب ہو نہ اخلاق میں بگاڑ پیدا ہو۔اور نہ ہی کوئی چیز حیا کے خلاف ہو۔مذکورہ عدت گزار چکنے کے بعد وہ آزاد ہیں کہ اپنے معاملہ میں دستور کے مطابق جو قدم مناسب خیال کریں اٹھائیں۔اس کے بعد نہ اولیاء پر کوئی الزام ہے اور نہ انہی پر کوئی الزام ہے، اگرانہوں نے معروف کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔مطلب یہ ہے کہ غیر شرعی رسوم کو شریعت کا درجہ دے کر خواہ مخواہ ایک دوسرے کو مورد طعن والزام نہیں بنانا چاہئے۔نہ شوہر کے وارثوں اور عورت کے اولیاء کو یہ طعنہ دینا چاہئے کہ عورت اپنے شوہر کا پورا سوگ بھی نہ منا چکی کہ وہ اس سے تنگ آگئے اور نہ عورت کو یہ طعنہ دینا چاہئے کہ ابھی شوہر کا کفن بھی میلا نہ ہونے پایا تھا کہ یہ شادی رچانے اٹھ کھڑی ہوئی۔اسی طرح انسان کا اپنے دل میں یہ ارادہ چھپا کر رکھنا بھی جائز ہے کہ وہ فلاں عورت، جو عدت گزار رہی ہے اس کی عدت ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ نکاح کرے گا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ " یا چھپا کر رکھو تم اپنے نفسوں میں۔اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور ان کو یاد کرو گے" یہ تمام تفصیلات عقد کے مقدمات میں شمار ہوتی ہیں۔(لہٰذا جائز ہیں) رہا عقد نکاح تو یہ جائز نہیں: حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ "جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے": وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ "اور جان لو، اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں" اس لئے اللہ

تعالیٰ کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید میں ہمیشہ بھلائی کی نیت رکھو اور کبھی بھی برائی کی نیت نہ رکھو: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ "اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا۔" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہوں کو بخش دیتا ہے جو توبہ کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے، خدا نے جو حدود مقرر کر دیے بس انہیں کی پابندی کرنی چاہیے اور اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ بندوں کے ہر عمل سے باخبر ہے۔ حَلِيْمٌ "وہ بردبار ہے" کیونکہ گناہگاروں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑنے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔

# حق مہر کی اہمیت، حکمت اور شرعی حیثیت

## معافی تقویٰ کی علامت ہے

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ
فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا
بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي
بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ
إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

### چھونے سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت پر عدت نہیں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| لَا جُنَاحَ | نہیں کوئی گناہ | عَلَيْكُمْ | تم پر | إِنْ | اگر |
| طَلَّقْتُمُ | تم طلاق دو | النِّسَاءَ | عورتوں کو | مَا لَمْ | جو نہ |
| تَمَسُّوهُنَّ | تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو | أَوْ | یا | تَفْرِضُوا | (نہ) مقرر کیا ہو |
| لَهُنَّ | ان کے لیے | فَرِيضَةً | مہر | وَمَتِّعُوهُنَّ | اور انہیں کچھ فائدہ دو |
| عَلَى الْمُوسِعِ | اوپر خوش حال کے ہے | قَدَرُهُ | اس کی حیثیت کے مطابق | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَعَلَى الْمُقْتِرِ | اور او پر تنگدست کے ہے | قَدَرُهٗ | اس کی حیثیت کے مطابق |
| مَتَاعًا | فائدہ دینا (خرچ دینا) | بِالْمَعْرُوفِ | دستور کے موافق |

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| حَقًّا | لازم ہے | عَلَى | او پر | الْمُحْسِنِينَ | نیکی کرنے والوں کے ۔(236) | | |

اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے مثلاً کسی شخص نے محض نکاح کیا، کوئی مہر مقرر نہیں کیا اور نہ اس عورت سے قربت حاصل کی اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی ایسی صورت میں چونکہ مہر مقرر ہی نہیں ہے اس لئے مہر نہ دینے میں کوئی حرج نہیں ۔لَا جُنَاحَ ' فرما کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شوہر اپنی مالی حالت کے مطابق اسے کچھ دے کر رخصت کرے، اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو اختیار دیا ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی ۔لیکن مرد کو اس سلسلہ میں تنگ دلی کا ثبوت نہیں دینا چاہئے بلکہ فراخ حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ زیادہ بھی دے دینا چاہئے ۔سورہ احزاب میں مزید بتایا کہ ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت پر عدت بھی نہیں، بلکہ وہ شوہر سے رخصت ہو کر فوراً نکاح کر سکتی ہے ۔یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا یعنی کسی مسلمان عورت کو اگر خاوند عقد نکاح کے بعد صحبت سے پہلے طلاق دے دے تو عورت پر کوئی عدت نہیں، جس میں خاوند رجوع کر سکتا ہو، بلکہ اگر وہ عورت چاہے تو اسی وقت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اس آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ اگر تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے (صحبت) سے پہلے ہی طلاق دے دو، تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں ہے کہ تم انہیں شمار کرو، اگر شوہر نے نکاح کے بعد (رخصتی اور خلوتِ صحیحہ یعنی تنہائی سے پہلے) طلاق دے دی ہے، تو ایسی عورت پر شریعت میں کوئی عدت لازم نہیں ہوتی کیونکہ صحبت ہوئی ہی نہیں کہ یہ دیکھنے کے لیے انتظار کی ضرورت ہو کہ حمل تو نہیں ٹھہرا ۔عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ " فراخ دست پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی وسعت کے مطابق" مطلقہ کو خرچ دینا لازم ہے، یعنی امیر و غریب پر ان کی حیثیت کے مطابق جوڑا دینے کا حکم ہے یعنی

اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو جوڑا اعلیٰ درجے کا ہو اور اگر دونوں محتاج ہوں تو جوڑا معمولی درجے کا اور ایک مالدار ہو اور ایک محتاج تو جوڑا درمیانے درجے کا ہو۔ (عالمگیری)

## چھوئے بغیر طلاق دینے پر مطلقہ عورتوں کے لئے نصف مہر

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَاِنۡ | اور اگر | طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ | تم انہیں طلاق دو | | |
| مِنۡ قَبۡلِ | اس سے پہلے | اَنۡ | یہ کہ | تَمَسُّوۡهُنَّ | تم انہیں ہاتھ لگاؤ |
| وَقَدۡ | اس حال میں کہ تحقیق | فَرَضۡتُمۡ | تم مقرر کر چکے ہو | لَهُنَّ | ان کیلئے |
| فَرِيۡضَةً | مہر | فَنِصۡفُ | تو نصف ہے | مَا | اُس (مہر) کا جو |
| فَرَضۡتُمۡ | تم نے مقرر کیا | اِلَّاۤ | مگر | | |
| اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ | یہ کہ وہ (عورتیں) معاف کر دیں | اَوۡ | یا | | |
| يَعۡفُوَا | معاف کر دے | الَّذِىۡ | وہ جو | بِيَدِهٖ | اس کے ہاتھ میں ہے |
| عُقۡدَةُ النِّكَاحِ | نکاح کی گرہ | وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا | اور تمہارا معاف کر دینا | | |
| اَقۡرَبُ | زیادہ قریب ہے | لِلتَّقۡوٰى | پرہیزگاری کے | وَلَا تَنۡسَوُا | اور نہ بھلاؤ تم |
| الۡفَضۡلَ | احسان کرنا | بَيۡنَكُمۡ | آپس میں | | |
| اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ | بِمَا | اس کو جو | تَعۡمَلُوۡنَ | تم عمل کرتے ہو |
| بَصِيۡرٌ | خوب دیکھنے والا ہے (237) | | | | |

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا مہر مقرر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مہر مقرر کرنے کے بعد ان کو چھوئے بغیر طلاق دے دو، تو مطلقہ عورتوں کے لئے نصف مہر ہے اور باقی نصف تمہارا ہے یعنی شادی کے بعد دخول (صحبت) یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق کی صورت میں مطلقہ عورتوں کے لئے نصف مہر (آدھا مہر) مقرر ہے۔ اگر شوہر پورا مہر ادا کر چکا ہو تو اسے نصف واپس لینے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا تو نصف مہر کے بجائے ایک جوڑا (متاع) دینا لازم ہے۔ مہر کی یہ رقم اگر عورت کی طرف سے معاف نہ کر دی

جائے،تو خاوند پر اس کی ادائیگی واجب ہے۔جب کہ عورت کا اس کو معاف کرنا صحیح ہو: اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ "یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔" صحیح مسلک کے مطابق اس سے مراد شوہر ہے (1) (نہ کہ ولی) کیونکہ شوہر ہی وہ شخص ہے جو نکاح کی گرہ کو کھول سکتا ہے۔(2) عورت کے ولی کے لئے تو درست ہی نہیں کہ وہ عورت کے کسی حق واجب کو معاف کردے کیونکہ وہ مالک ہے نہ وکیل۔پھر اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ جو کوئی معاف کردیتا ہے وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے،(وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ') فرما کر شوہر کو ترغیب دی ہے کہ پورا مہر دے دینا ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس میں مخاطب مرد ہیں۔الغرض! یہ وہ صورت ہے جس میں دونوں مرد وعورت نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا اور پھر دونوں کے درمیان خلوت کی نوبت آنے سے پہلے ہی طلاق ہوگئی، اس صورت میں شوہر پر مہر واجب نہیں ہوتا لیکن کم ازکم ایک جوڑا کپڑا دینا واجب ہے، اور کچھ مزید تحفہ دیدے تو زیادہ بہتر ہے (اس تحفہ کو اصطلاح میں متعہ کہا جاتا ہے) اور اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے کرلی گئی تھی، پھر خلوت سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو اس صورت میں آدھا مہر واجب ہوگا۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ بیشک تمہارے سب کام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔وہ تمہارے ہر خیر وشر کو دیکھ رہا ہے۔لہٰذا اس کے احکام کی پابندی کروگے تو اس کے مقرب بن جاؤ گے۔اگر خلاف ورزی کروگے تو پھر اس کی گرفت بھی زیادہ دور نہیں ہے۔

## نکاح کے عمل میں حق مہر کی خاص اہمیت

نکاح کے سارے عمل میں حق مہر خاص اہمیت رکھتا ہے اور اسے خوشدلی سے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔قرآن وحدیث میں اس کی جتنی تاکید ہے ہمارے ہاں بالعموم اس کی ادائیگی میں اس قدر کوتاہی ہوتی ہے۔مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی شادی میں فرماتے ہیں: "ایک کوتاہی جو بعض اعتبار سے سب سے زیادہ سخت ہے یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ مہر دینے کا ارادہ ہی دل میں نہیں رکھتے۔پھر خواہ بیوی بھی وصول کرنے کا ارادہ کرے اور خواہ طلاق یا موت کے بعد اُس کے ور

ثناء وصول کرنے کی کوشش کریں۔لیکن ہر حال میں شوہر کی نیت ادا کی نہیں ہوتی۔لوگوں کی نگاہ میں یہ نہایت سَرسَری معاملہ ہے حتیٰ کہ مہر کی قِلّت وکثرت (کمی وزیادتی) میں گفتگو کے وقت بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے کون دیتا ہے۔یہ لوگ صریح اقرار کرتے ہیں کہ محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے، دینے لینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"(اس کتاب میں حضرت تھانوی کے افادات جمع ہیں، جن کو مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے مرتب کیا ہے)ایسی سوچ رکھنا کہ زیادہ مہر لکھوا لیتے ہیں کون سا ادا کرنا ہے، مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔مسلمان کے سارے کام رضائے الٰہی اور اللہ کے احکامات کی تعمیل کے لیے ہونے چاہئیں۔کاموں کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ایسے کام جن میں نیت صاف نہ ہو اپنے اندر فساد رکھتے ہیں۔پھر کئی لوگ اپنی حیثیت سے نہایت کم حق مہر مقرر کرتے ہیں اور اکثر مؤجل/غیر معجّل لکھوا کر عمر بھر ادا نہیں کرتے،حالانکہ مؤجل میں تاریخ کا تعین ہونا چاہیے کہ شوہر کب ادا کرے گا۔ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ شوہر کو باندھنے کے لیے لڑکی والے شوہر کی مالی استطاعت مدّنظر رکھنے کی بجائے زیادہ حق مہر مقرر کرواتے ہیں تاکہ شوہر لڑکی کے تابع رہے۔اس سلسلے میں ضروری ہے کہ مرد اپنی مالی حیثیت کو سامنے رکھ کر حق مقرر کرے اور دینے کی غرض سے معیّن کرے۔لڑکی والوں سے حق مہر مقرر کرنے کے حوالے سے مشاورت کی جا سکتی ہے،لیکن ہر صورت میں مرد کی مالی حیثیت کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔"مَهر"عربی زبان کا لفظ ہے۔یہ لفظ احادیثِ نبویہ میں وارد ہے،قرآن حکیم میں وارد نہیں ہوا۔قرآن حکیم میں"مہر"کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ اُجور،صدُقات،فریضہ اور نفقہ کے ہیں۔ذیل کی سطور میں لغوی اعتبار سے ان کی وضاحت پیش کی جا رہی ہے۔اُجور(:اس کا واحد اَجر ہے۔لسان العرب میں اجر کا معنی بیان ہوا ہے،یعنی کام کے عوض ملنے والا معاوضہ۔قرآن حکیم میں اُجُور کا لفظ حق مہر کے لیے مجازاً استعمال ہوا ہے۔ارشاد ہے:"اور ان کے حق مہر بھلے طریقے سے ادا کر دیا کرو"یہ الفاظ لونڈیوں کے تناظر میں وارد ہوئے ہیں،یعنی ان کو لونڈی سمجھ کر ان کے مہر کو غیر اہم نہ سمجھا جائے۔آزاد عورتوں کے حوالے سے بھی اُجُور کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ارشاد ہے:"پس ان میں سے جن سے تم نے"فائدہ"حاصل کیا ہو تو ان کو ان کے مہر ادا کرو فریضہ کی حیثیت سے"فریضہ مصدر ہے۔جو یہاں بطو

رحال استعمال ہوا ہے۔ صَدُقات: اس کا واحد صَدُقہ ہے۔ احادیث اور کتب فقہ میں "صِداق کی اصطلاح آتی ہے۔ صدَقہ دال کی زبر سے ہو تو اس کے معنی خیرات ہے اور دال پر ضمہ (پیش) ہو تو اس کے معنی حق مہر ہے۔ صَدُقہ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق مہر کوئی ایسی ادائیگی نہیں جس سے عورت کو خریدا جاتا ہے، بلکہ یہ ایک تحفہ ہے جسے خوشی سے معین کیا جاتا ہے۔ اس سے اخلاص (صدق) اور حق وفا کو تقویت پہنچتی ہے۔ ارشاد ہے: "اور دے دیا کرو عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے"۔ یہ مختصر کلمات نہایت اہم اُمور کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ حق مہر کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ پوری دلی آمادگی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ اس کے سلسلے میں ہمیں بہت زیادہ حساس ہونا چاہیے، کیونکہ مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں یہ انسان کے ذمے ایک قرض ہے اور قرض کے ادا نہ کرنے پر انسان سے پوچھ گچھ ہوگی۔ مہر کی ادائیگی سے مرد کی قوامیت کا ثبوت ملتا ہے اور اسلام نے حق مہر سے عورت کو تکریم بخشی ہے۔ مولانا عبادلماجد دریابادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مہر شریعت اسلامی میں بیوی کی وہ قیمت نہیں جو شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے، بلکہ مہر بطور ایک نذرانہ کے ہے جو شوہر بہ غرض اکرام و اعزاز براہ راست عورت کو پیش کرنا اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے"۔ لہٰذا اس کے ادا کرنے کے بعد شوہر اپنی بیوی کو اپنی زرخرید لونڈی تصور نہ کرے، بلکہ اس کو وہ مناسب مقام دے جس کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔ حق مہر کی ادائی میں غلو اور تفاخر کا اظہار درست عمل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ حق مہر نکاح کے موقع پر خوش دلی سے ادا کر دیا جائے۔ اس کی عدم ادائی، ٹال مٹول یا مہر کے معاملے میں بیوی پر کوئی ظلم و زیادتی کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ اللہ کی طرف سے عورت کے لیے عطیہ ہے۔ حق مہر دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ شوہر بیوی پر کوئی احسان کر رہا ہے بلکہ یہ عورت کا حق اور خدائی ہدیہ ہے جو خاوند کے ذمہ نکاح کے وقت واجب ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مہر سے نکاح پائے دار ہوتا ہے، نکاح کا مقصد اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے، جب میاں بیوی خود کو دائمی رفاقت و معاونت کا خوگر بنائیں، اور یہ بات عورت کی طرف سے تو اس طرح متحقق ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد تمام اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، وہ مرد کی پابند ہو جاتی ہے، مگر مرد با اختیار

رہتا ہے، وہ طلاق دے سکتا ہے، اور ایسا قانون بنانا کہ مرد بھی بے بس ہو جائے، جائز نہیں، کیوں کہ اس صورت میں طلاق کی راہ مسدود ہو جائے گی، اور مرد بھی عورت کا ایسا اسیر ہو کر رہ جائے گا، جیسا عورت اسیر تھی، اور یہ بات اس ضابطے کے خلاف ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور دونوں کا معاملہ کورٹ کو سپرد کرنا بھی درست نہیں، کیوں کہ قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانے میں سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اور قاضی وہ مصلحتیں نہیں جانتا جو شوہر اپنے بارے میں جانتا ہے۔ پس مرد کو دائمی نکاح کا خوگر بنانے کی راہ یہی ہے کہ اس پر مہر واجب کیا جائے تاکہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مالی نقصان اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ناگزیر حالات ہی میں طلاق دے، پس مہر نکاح کو پائے دار بنانے کی یہ ایک صورت ہے۔ دوسری مصلحت: مہر سے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، نکاح کی عظمت و اہمیت بغیر مال کے جو کہ عورت کا بدل ہوتا ہے، ظاہر نہیں ہوتی کیوں کہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے، اور کسی چیز کی نہیں، پس مال خرچ کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ - 2/ 337.336 حجاز دیوبند رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ 5/ 48) اس کے علاوہ بھی مہر کی حکمتیں ہیں جو علماء نے لکھی ہیں، مگر اصل حکمت یہ ہے کہ مہر شریعت کا حکم ہے اور ہم حکمت کے نہیں بلکہ حکم کے پابند ہیں اور مسلمان کے لیے شریعت کا حکم ہی ہر قسم کی حکمت ہے کیوں کہ ہمارا ایمان ہے کہ شریعت کا ہر حکم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ حق مہر کے احکامات، شرعی حیثیت اور مقدار کا جاننا ہر شخص پر لازم ہے تاکہ اس معاملے میں کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کے مطابق حق مہر کے احکامات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

# صلوۃ وسطیٰ کی اہمیت کا خصوصی ذکر/ صلاۃ الخوف (خوف کے وقت کی نماز) کا طریقہ/ بیواؤں پر احسان

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُومُوا لِلَّهِ قٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ
خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ
تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً
لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي
مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ
بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾

## درمیانی نماز کی حفاظت کا حکم

| | | | |
|---|---|---|---|
| حٰفِظُوا | تم حفاظت کرو | عَلَى الصَّلَوٰتِ | (سب) نمازوں کی |
| وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى | اور (خصوصًا) درمیانی نماز کی | وَقُومُوا | اور تم کھڑے رہو |
| لِلَّهِ | اللہ کے لیے | قٰنِتِينَ | عاجزی کرتے ہوئے (238) |

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی : شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "درمیانی نماز عصر ہے کہ دن اور رات کے درمیان میں ہے اور اس کی پابندی پر زیادہ زور دیا اور طلاق کے حکموں میں نماز کا ذکر فرمادیا کہ دنیا کے معاملات میں غرق ہو کر عبادت کو نہ بھول جاؤ۔ عصر کی پابندی کا حکم اس لیے زیادہ ہے کہ اس وقت دنیا کا شغل زیادہ ہوتا ہے۔" (موضح) عائلی مسائل کے درمیان نماز کی تاکید سے متعلق جو دو آیات آ گئی ہیں تو ان کی غالباً حکمت یہ ہے کہ ایسے معاشرتی مسائل کو بحسن وخوبی سرانجام دینے کے لیے جس تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے نماز اس سلسلہ میں موثر کردار ادا کرتی ہے۔ اسی لیے نمازوں کی محافظت کی تاکید کی جارہی ہے یعنی ہر نماز کو اس کے وقت پر اور پوری شرائط وآداب کے ساتھ ادا کیا جائے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ: اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔ بارگاہِ الٰہی میں کھڑا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ادب سے کھڑا ہوا جائے لہٰذا کھڑے ہونے کے ایسے طریقے ممنوع ہوں گے جس میں بے ادبی کا پہلو نمایاں ہو۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ ہے کہ نماز میں قیام فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں کھانا پینا، بات چیت کرنا حرام ہے جیسا کہ "قٰنِتِيْنَ" سے معلوم ہوا۔ نماز میں گفتگو کرنا اسی آیت سے منسوخ ہے۔ (بخاری) عربی زبان میں قنوت کے کئی معانی آتے ہیں، مگر یہاں مراد سکوت (خاموشی) ہے۔ دین اسلام میں جو اہمیت نماز کی ہے وہ کسی اور عبادت کی نہیں ہے۔

## ساری شریعت کے قیام و بقاء کا دارومدار

ساری شریعت کے قیام و بقاء کا دارومدار نماز کے نظام کی بقاء پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شریعت کے قائم رہنے اور حفاظت کے لئے ایک باڑ اور حصار کا درجہ دیا ہے۔ جو شخص نماز کی حفاظت کرتا ہے وہ گویا پوری شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص اس میں سستی اور کاہلی کرتا ہے وہ گویا دین کی بنیادوں کو گراتا ہے۔ درحقیقت نمازوں کی حفاظت ہی دین کی دوسری باتوں کی حفاظت کی ضامن ہے۔ جس طرح ایک شہر پناہ پورے شہر کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح نماز دوسری تمام نیکیوں کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ سارے

دین کی محافظ نماز ہے۔جس نے اس کی حفاظت کی اس نے پورے دین کی حفاظت کی اور جس نے اس کو ضائع کر دیا اس نے سارا دین ضائع کر دیا۔گویا کہ یہ وقت ہجوم کار کا سنگھم اور ان کی انتہا ہے۔اس لیے اس نماز کے فوت یا مؤخر ہونے کے زیادہ خدشات ہیں۔رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کی نماز عصر ضائع ہوگئی گویا اس کی تمام دن کی کمائی غارت ہوگئی۔اور اس کو آداب کے ساتھ ادا کرو جن کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے تعلیم دی ہے۔اس آیت میں فرمایا کہ درمیانی نماز کی حفاظت کرو یہ درمیانی نماز جس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔کیونکہ دن بھر کی تمام سرگرمیاں عصر کے وقت اپنی آخری مراحل میں داخل ہوتی ہیں اس لئے خاص طور سے کاروباری لوگوں کے لئے یہ بڑے جوڑ توڑ کا وقت ہوتا ہے۔اس کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور سے اس وقت لوگ اپنا کاروبار سمیٹنے میں مشغول ہوتے ہیں اور اس مشغولیت میں بے پروائی ہونے کا امکان زیادہ ہے۔

## صلاۃالخوف (خوف کے وقت کی نماز) کا طریقہ

| | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فَإِنْ | پھر اگر | خِفْتُمْ | تم (حالت) خوف میں ہو | | | | | |
| فَرِجَالًا | تو (نماز پڑھ لو) پیدل | أَوْ رُكْبَانًا | یا سوار (ہی) | | | | | |
| فَإِذَآ | پھر جب | أَمِنتُمْ | تم امن پاؤ | فَاذْكُرُوا | تو یاد کرو | | | |
| اللّٰہَ | اللہ کو | كَمَا | جیسا کہ | عَلَّمَكُمْ | اس نے تمہیں سکھایا | | | |
| مَّا | جو | لَمْ | نہیں | تَكُونُوا | تھے | تَعْلَمُونَ | تم جانتے۔(239) | |

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا پس اگر تم خوف کی حالت میں ہو پس پیدل یا سواری پر نماز ادا کرلو۔خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے جب دشمن کے ساتھ حالت جنگ ہو۔اور میدان کا رزار میں نماز کا وقت آجائے تو جنگ سے فارغ ہونے تک نماز کو موخر نہ کرو۔بلکہ اس وقت اگر تم پیدل چل رہے ہو یا سواری پر ہو اور دشمن کا ہر آن خطرہ ہے۔تو سواری کے اوپر چلتے چلتے ہی نماز ادا کرلو۔اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے وہ قبول کرنیوالا ہے۔بغیر سواری کے پیدل امام ابوحنیفہ رحمہ

اللہ کے نزدیک نماز درست نہیں ہے۔عین جنگ کی حالت میں مجاہدین کے دو گروپ بنا کر نماز کی ادائیگی کا ذکر آتا ہے۔ایک گروپ دشمن سے لڑتا رہے اور دوسرا نماز کرلے۔پھر دوسرا دشمن کے مقابلے پر ہو اور پہلا نماز ادا کرلے۔اور اگر مجاہدین ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں جیسا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خواہش ہوتی تھی تو پھر دونوں گروپ آدھی آدھی نماز امام کے ساتھ پڑھیں گے اور باقی آدھی آدھی خود پوری کریں گے۔اگر دو رکعت نماز ادا کرنا ہے تو ایک گروپ امام کے پیچھے کھڑا ہوگا اور دوسرا دشمن کے مقابلے میں رہے گا۔جب امام کے ساتھ ایک رکعت مکمل ہو جائے گی تو پہلا گروپ پیچھے ہٹ کر مورچہ سنبھال لے گا اور حفاظت پر مامور دوسرا گروپ امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو جائے گا۔اس طرح دونوں گروپ ایک ایک رکعت امام کے ساتھ ادا کریں گے اور دوسری رکعت خود پوری کریں گے۔اگر نماز چار رکعت والی ہے تو ہر گروپ دو دو رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا۔اور باقی دو دو رکعت خود مکمل کرلے گا یہ اسی صورت میں ہے کہ مجاہدین کسی خاص نیک آدمی کے ساتھ جماعت میں شامل ہونا چاہیں۔ورنہ ہر گروپ اپنی اپنی پوری نماز بیک وقت ادا کرے جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضا کرنا بھی جائز ہے۔گا۔حضور ﷺ نے سفر اور اقامت ہر دو حالتوں میں چھ یا دس دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔فرمایا فَإِذَآ أَمِنتُمۡ جب تم امن کی حالت میں ہو۔خوف دور ہو جائے۔فَاذۡكُرُواْ ٱللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے۔یعنی رکوع،سجود،قعدہ وغیرہ جو بھی شرائط ہیں۔فرائض،واجبات،سنن اور مستحبات ہیں سب کی رعایت رکھو۔اللہ نے تمہیں ایسی تعلیم دی ہے مَّا لَمۡ تَكُونُواْ تَعۡلَمُونَ ۝٢٣٩ جو تم نہیں جانتے تھے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے اپنی عبادت کا وہ طریقہ بھی بتلا دیا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے پس اس طریقے کے مطابق اللہ کا ذکر کرو۔الغرض!اس آیت میں نماز کی حفاظت کی مزید تاکید ہے کہ خوف اور ہنگامی حالت میں بھی نماز معاف نہیں ہے،بلکہ پیدل یا سوار،جس حالت میں بھی ممکن ہو،خوف کے وقت

نماز ادا کرلو۔ ہاں خوف ختم ہونے کے بعد نماز کو ان پورے شرائط وارکان اور آداب کے ساتھ ادا کرو جن کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے تعلیم دی ہے۔نماز خود احتسابی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی حکومت کے اہل کاروں کو فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری کارکردگی کو نماز کی حفاظت کے آئینہ میں دیکھتا ہوں۔(سیرت الفاروق) کیونکہ جو شخص نماز کی پابندی اور اسے احسن انداز سے ادا نہیں کرتا وہ اپنی دوسری ذمہ داریاں پوری کرنے میں بھی کوتاہی کا مرتکب ہوگا۔اسلام کے عملی نظام میں نماز ایسی پنجگانہ تربیت ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت کی ہدایات کے مطابق نماز ادا کرے اور اس کے تقاضے سمجھنے کی طرف توجہ دے تو نمازی دین اور دنیا کی ذمہ داریوں کے حوالے سے ایک منفرد اور ذمہ دار شخصیت بن جاتا ہے۔کیونکہ پانچ وقت اس بات کا آرزومند ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کردیے جائیں اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی کا اہتمام ہوجائے اور روز محشر اپنے رب کے حضور اس حالت میں پیش ہو کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے والا بندہ شمار ہوسکے۔گویا کہ مومن بظاہر تو دنیا میں زندگی بسر کررہا ہے لیکن اعتقادی اور فکری طور پر اپنے آپ کو میدان محشر میں اپنے رب کے حضور سمجھتا ہے۔

## بیوہ کی عدت کے بعد کے حقوق واختیارات

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَالَّذِيْنَ | اور جو لوگ | يُتَوَفَّوْنَ | وفات پاجائیں | | | | |
| مِنْكُمْ | تم میں سے | وَيَذَرُوْنَ | اور وہ چھوڑ جائیں | | | | |
| اَزْوَاجًا | بیویاں | وَّصِيَّةً | (ان پر لازم ہے) وصیت کرنا | | | | |
| لِّاَزْوَاجِهِمْ | اپنی بیویوں کے لیے | مَّتَاعًا | نان نفقہ کی | | | | |
| اِلَى الْحَوْلِ | ایک سال تک | غَيْرَ | بغیر | اِخْرَاجٍ | (گھر سے) نکالے | | |
| فَاِنْ | پھر اگر | خَرَجْنَ | وہ (خود) نکل جائیں | فَلَا | تو نہیں | | |
| جُنَاحَ | گناہ | عَلَيْكُمْ | تم پر | فِيْ مَا | اس میں جو | | |
| فَعَلْنَ | جو وہ کریں | فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ | اپنے حق میں | | | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ | دستور کے موافق | وَاللّٰهُ | اوراللہ |
| عَزِیۡزٌ | بڑاغالب | حَکِیۡمٌ | خوب حکمت والا ہے۔(240) |

وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ: اور جوتم میں مرجائیں۔ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور اُس ایک سال میں وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان ونفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی لیکن اسلام نے آیت نمبر: 234 میں عدت کی مدت گھٹا کر چار مہینے دس دن مقرر کردی،فرمایا یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا ۱" سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ،دس دن مقرر فرمائی گئی،اس وقت تک میراث کے احکام نہیں آئے تھے اور جیسا کے آیت نمبر:180 میں گزرالوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کریں کہ ان کے ترکے سے کس کو کتنا دیا جائے،لہذا اس آیت میں اسی اصول کے تحت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر چہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے،لیکن اس کے شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں یہ وصیت کر جائے کہ اسے سال بھر تک اس کے ترکے سے نفقہ بھی دیا جائے اور اس کے گھر میں رہائش بھی فراہم کی جائے،البتہ وہ خود اپنا یہ حق چھوڑ دے اور چار مہینے دس دن کے بعد شوہر کے گھر سے چلی جائے تو کچھ حرج نہیں،ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے اس کے لئے بھی شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے،اگلے جملے میں جو کہا گیا ہے کہ ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا،اس میں قاعدے سے مراد یہی ہے کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکلیں،پہلے نہیں،لیکن یہ سارا حکم میراث کے احکام آنے سے پہلے تھا،جب سورہ نساء میں میراث کے احکام آگئے اور بیوی کا حصہ ترکے میں مقرر کردیا گیا تو سال بھر کے نفقے اور رہائش کا یہ حق ختم ہوگیا۔فرمایا وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۲۴۰ یہ احکام خداوند تعالیٰ نازل کر رہا ہے جو کمال قوت کا مالک ہے اور حکمت والا ہے نہ کوئی کام اس کی قدرت سے باہر ہے اور نہ ہی کوئی کام حکمت سے خالی ہے اس لیے ان احکام پر پورا پورا عمل کرنا چاہئے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ | اور مطلقہ عورتوں کے لیے | مَتَاعٌ | نان نفقہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| بِالْمَعْرُوْفِ | دستور کے موافق | حَقًّا | (یہ) حق ہے |
| عَلَى الْمُتَّقِيْنَ | | متقیوں پر۔(241) | |

## مسلمان اس اہم نصیحت پر عمل کریں

یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔اس میں تفریق کے وقت جس حسن سلوک اور تطییب قلوب کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔کاش مسلمان اس نہایت اہم نصیحت پر عمل کریں، جسے انہوں نے بالکل فراموش کر رکھا ہے۔آیت کے آخر میں یہ پھر اس کی یاد دہانی کر دی اور اس کو اہل تقوی پر ایک حق قرار دیا۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| كَذٰلِكَ | اسی طرح | يُبَيِّنُ | بیان فرماتا ہے | اللّٰهُ | اللہ |
| لَكُمْ | تمہارے لیے | اٰيٰتِهٖ | | اپنی آیتیں | |
| لَعَلَّكُمْ | تاکہ تم | تَعْقِلُوْنَ | | سمجھو۔(242) | |

اس آیت میں نکاح، طلاق، عدت رضاعت وغیرہ عائلی زندگی سے متعلق احکام دینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ احکام وضاحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔لہٰذا انہیں اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل کیا کرو اور ان سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی منشا معلوم ہوتی ہے۔اسی کے مطابق عمل کرو۔ اپنے لیے گنجائشیں نکالنے کی کوشش نہ کرو۔

# جہاد سے گریز حرام ہے/قرض حسنہ کا مفہوم/
# موت سے فرار ممکن نہیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ
مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْیَاھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا
یَشْکُرُوْنَ ۲۴۳ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۲۴۴ مَنْ ذَا الَّذِیْ
یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪
وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۲۴۵

## موت سے فرار ناممکن

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَلَمْ تَرَ | کیا نہیں دیکھا آپ نے | اِلَی الَّذِیْنَ | اُن لوگوں کی طرف جو | | |
| خَرَجُوْا | نکلے | مِنْ دِیَارِھِمْ | اپنے گھروں سے | | |
| وَھُمْ اُلُوْفٌ | اور وہ ہزاروں میں تھے | حَذَرَ الْمَوْتِ | موت کے ڈر سے | | |
| فَقَالَ | تو کہا | لَھُمُ اللّٰہُ | انہیں اللہ نے | مُوْتُوْا | تم مرجاؤ |
| ثُمَّ | پھر | اَحْیَاھُمْ | اُس نے انہیں زندہ کیا | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنَّ | بیشک | اللّٰهَ | اللہ | لَذُوْ فَضْلٍ | فضل (کرنے) والا ہے |
| عَلَى النَّاسِ | لوگوں پر | وَلٰكِنَّ | اور لیکن | اَكْثَرَ | اکثر |
| النَّاسِ | لوگ | لَا يَشْكُرُوْنَ | شکرادا نہیں کرتے۔(243) | | |

اس آیت سے آگے جہاد کا مضمون شروع ہو رہا ہے اور بطور تمہید اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ کسی شہر میں رہتے تھے۔ وہاں طاعون کی وبا پھیل گئی تو یہ طاعون کی وبا کا شکار ہو کر مر جانے کے خطرہ کی بنا پر اپنا بوریا بستر لپیٹ کر ہزاروں کی تعداد میں شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ اس طرح موت سے بچ جائیں گے، ابھی کسی منزل پر بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ راہ میں انہیں موت نے آلیا اور سب کے سب مر گئے۔ ممکن ہے وہ طاعون کے جراثیموں سے ہی مرے ہوں۔ انہوں نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا اور بزدلی دکھائی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان سب کو ہی موت کی نیند سلا دیا اور اگر وہ اللہ کی تقدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے شہر میں مقیم رہتے تو ممکن ہے ان میں سے اکثر بچ جاتے۔ پھر کچھ مدت بعد حضرت حزقیل پیغمبر جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے تیسرے خلیفہ تھے، **حِزقِیل** ایک عبرانی لفظ ہے، معنی: "اللہ کی قدرت" "اللہ کی طرف سے طاقت"، یا بعض جگہ "اللہ کا بندہ" اور "تحفہ" بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت **حِزقِیل** ادھر سے گزرے اور یہ صورت حال دیکھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے انہیں دوبارہ زندگی عطاء کی اور ہر شخص (سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ) کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس آیت میں مقصود اصل میں وہ عبرت اور وہ سبق ہے جو یہ آیت مسلمانوں کو دے رہی ہے۔ کہ تم زندگی اور موت کو اللہ کے قبضے میں سمجھو اور موت سے ڈر کر کبھی بزدلی نہ دکھاؤ۔ تمہیں اگر محرومیوں سے بچنا ہے اور حقیقی زندگی مطلوب ہے تو پھر تمہیں آگے بڑھ کر اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے علم جہاد بلند کرنا چاہیے۔ گویا مسلمانوں کے سامنے بھی اس وقت زندگی اور موت دونوں کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اگر وہ موت سے ڈر گئے تو یاد رکھیں کہ ان کو موت سے کوئی چیز بھی بچا نہ سکے گی، موت سے فرار ناممکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس موت سے تم

بھاگتے ہو، وہ تمہیں آ کر رہے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ چھپ جاؤ۔سورہ الانفال کی آیت 16 کے مطابق، جوشخص جنگ کے موقع پر (سوائے حکمتِ عملی کے) پیٹھ پھیرے گا، وہ اللہ کے غضب میں آئے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

## میدانِ جنگ سے فرار ہونا ایمان کی کمزوری

خلاصہ یہ کہ میدانِ جنگ سے فرار ہونا ایمان کی کمزوری اور کبیرہ گناہ ہے، اور موت اپنی مقررہ وقت پر بہر حال آنی ہے۔ ان کے اوپر ذلت وخواری اور نفاق کی موت طاری ہو کر رہے گی اور اگر وہ موت سے بے پرواہو کر زندگی کی راہ پر بڑھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو اللہ ان کو دنیا میں ایمان واسلام کی باعظمت زندگی اور آخرت میں فوز وفلاح کی حیات جاوداں سے سرفراز فرمائے گا۔ موت وحیات قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کی جتنی زندگی مقرر کی ہے اس سے پہلے انسان کی موت واقع نہیں ہوسکتی اور نہ اس سے زیادہ زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس خوف سے جہاد سے گریز کرنا کہ موت آجائیگی، یہ حرام ہے حضور کا فرمان ہے لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا جب تک انسان اپنی روزی پوری نہیں کرلیتا، اس کی موت نہیں آتی۔ لہٰذا حرام روزی تلاش نہیں کرنی چاہئے۔ اسی لیے فرمایا أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا خبردار اللہ سے ڈرو اور اچھے راستے پر چلو۔ چاہے کتنے بڑے حادثات پیش آجائیں موت قبل از وقت نہیں آسکتی۔ کیونکہ اس کے لیے وقت متعین ہے۔ انسان کو اپنا فرض ادا کرتے رہنا چاہئے خواہ جہاد میں سر دھڑ کی بازی لگانا پڑے جب تک اللہ کو منظور ہے اسے موت نہیں آسکتی۔ نہ دشمن اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت بستر پر واقع ہوئی، حالانکہ آپ نے زندگی میں جی بھر کر جہاد کیا۔ بڑی بڑی جنگوں میں لشکر کی کمانڈ کی۔ آپ کہا کرتے تھے، خدا تعالیٰ بزدل کی آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے، میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں، جس پر تیر، تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو آرزو تھی کہ میدان جہاد میں شہادت نصیب ہو، مگر افسوس کہ آج بستر پر موت آرہی ہے بخاری شریف میں روایت میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری زندگی بھی جہاد میں گزری، ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی زخموں سے خالی نہ تھا۔ حتیٰ کہ اعضاء مستورہ پر بھی

نیزے کا زخم تھا مگر ان کو بھی میدان جہاد میں شہادت کی موت نہ مل سکی۔لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ موت کے خوف کو دل سے نکال دے اور فریضہ جہاد کو انجام دیتا رہے۔فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ مگر اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔یعنی اس کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے۔

## اللہ کی راہ میں لڑو

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| وَقَاتِلُوْا | اور تم لڑو | فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ | | اللہ کی راہ میں |
| وَاعْلَمُوْٓا | اور جان لو | اَنَّ اللّٰهَ | | کہ بیشک اللہ |
| سَمِیْعٌ | خوب سننے والا | عَلِیْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔(244) | |

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ: اور اللہ کی راہ میں لڑو۔زندگی کی بے ثباتی اور موت کے بیان کے بعد سمجھایا جا رہا ہے کہ جب زندگی ایسی ہی ناپائیدار ہے اور کسی بھی صورت موت سے فرار ممکن نہیں تو جہاد سے منہ پھیر کر موت سے نہ بھاگو جیسا بنی اسرائیل بھاگے تھے کیونکہ موت سے بھاگنا کام نہیں آتا۔اس آیت میں موت سے نہ ڈرنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس سے پہلی آیت کا مفہوم یہ تھا کہ زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو جہاد میں جانے والے کو بھی موت کے منہ سے بچالے اور چاہے تو کسی کو گھر بیٹھے بیٹھے ہی موت دے دے یا جو موت سے بھاگ کر نکل کھڑا ہو اسے راہ میں ہی موت کی نیند سلا دے اور چاہے تو مردہ کو از سر نو زندہ کر دے،موت اور زندگی صرف اسی کے اختیار میں ہے۔لہذا تمہیں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاد کرنا چاہیے۔چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے زندگی بھر جہاد نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ منافق کی موت مرا(مسلم) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے۔ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔کوئی شے اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں،لہٰذا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں پیش کرو۔اس کا حکم ہے وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ

سَبِیۡلِ اللّٰہِ اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔اگر اس مالک الملک نے جان کی قربانی قبول کرلی۔تو اس سے اچھا سودا کیا ہوسکتا ہے۔اس کا تو اعلان ہے اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بدلے میں خرید لئے کہ ان کے لیے جنت ہے۔اس آیت میں راہِ خدا میں جان و مال خرچ کر کے جنت پانے والے ایمان داروں کی ایک مثال بیان کی گئی ہے جس سے کمال لطف و کرم کا اظہار ہوتا ہے کہ پروردگارِ عالم عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں جنت عطا فرمانا اُن کے جان و مال کا عوض قرار دیا اور اپنے آپ کو خریدار فرمایا یہ کمال عزت افزائی ہے کہ وہ ہمارا خریدار بنے اور ہم سے خریدے۔کس چیز کو؟ وہ جو نہ ہماری بنائی ہوئی ہے اور نہ ہماری پیدا کی ہوئی۔جان ہے تو اس کی پیدا کی ہوئی اور مال ہے تو اس کا عطا فرمایا ہوا۔

## اللہ پاک کو قرض دینے کی وضاحت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مَنۡ | کون ہے | ذَا الَّذِیۡ | وہ جو کہ | یُقۡرِضُ اللّٰہَ | قرض دے اللہ کو |
| قَرۡضًا | قرض | حَسَنًا | حسنہ | فَیُضٰعِفَہٗ | پھر وہ (اللہ) بڑھا دے اُس کو |
| لَہٗۤ | اس کے لیے | اَضۡعَافًا | کئی گنا | کَثِیۡرَۃً | زیادہ |
| وَاللّٰہُ | اور اللہ | یَقۡبِضُ | تنگی کرتا ہے | وَیَبۡصُۜطُ | اور فراخی کرتا ہے |
| وَاِلَیۡہِ | اور اسی کی طرف | تُرۡجَعُوۡنَ | تم لوٹائے جاؤ گے۔(245) | | |

”کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے“ سے مراد اللہ کی راہ میں خلوصِ نیت سے مال خرچ کرنا، صدقہ و خیرات، اور ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے قرآن پاک میں اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے کو اللہ پاک کو قرض دینے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس مقام پر اللہ پاک کو قرض دینے سے یہ مراد ہے کہ اسے قیامت والے دن لازمی اور یقینی طور پر اللہ پاک کی طرف سے اس کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا یعنی اس کا یہ عمل ضائع نہیں ہوگا۔قرآن و حدیث کی رو سے ”اللہ کو قرض دینے“ (قرضِ حسنہ) سے مراد اللہ کی رضا کی خاطر اخلاص کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنا اور ضرورت مندوں کی مالی مدد

کرنا ہے بندہ جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمہ کرم پر قرض قرار دیتا ہے اور اس پر کئی گنا اجر اور بخشش کا وعدہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اسے " قرضِ حسنہ " ( اچھا قرض ) قرار دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل اور محبت ہے کہ مال و دولت اصل میں اسی کی عطا کردہ ہیں، لیکن جب انسان اسی کا دیا ہوا مال اس کی مخلوق پر خرچ کرتا ہے، تو اللہ اسے اپنے ساتھ قرض کا معاملہ قرار دیتا ہے تاکہ بندے کو مکمل اطمینان اور اجرِ عظیم مل سکے جس کا مطلب ہے کہ بغیر ریاکاری کے، صرف اللہ کی رضا کے لیے دیا گیا مال، جسے اللہ کئی گنا بڑھا کر واپس لوٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے اور جہاد کے مقاصد میں خرچ کرنا بھی ہے، اسے قرض مجازاً کہا گیا ہے؛ کیونکہ اس کا بدلہ ثواب کی صورت میں دیا جائے گا، اور اچھے طریقے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیا جائے، دکھاوا یا دنیا میں بدلہ لینا مقصود نہ ہو، اور اگر جہاد کے لئے یا کسی غریب کی مدد کے طور پر قرض ہی دیا جائے تو اس پر کسی سود کا مطالبہ نہ ہو، کفار اپنی جنگی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیتے تھے، مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اگرچہ دنیا میں تو انہیں سود نہیں ملے گا؛ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اصل سے بدرجہا زیادہ عطا فرمائیں گے، جہاں تک اس خطرے کا تعلق ہے کہ اس طرح خرچ کرنے سے مال میں کمی ہو جائے گی، اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ تنگی اور وسعت اللہ ہی کے قبضے میں ہیں، جو شخص اللہ کے دین کے خاطر اپنا مال خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو تنگی پیش آنے نہیں دیں گے بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔ ان آیتوں میں چونکہ مسلمانوں کو جہاد کی تعلیم و تربیت دی جا رہی ہے تو یہ بھی فرما دیا کہ جہاد کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جہاں اپنی جانیں لڑائی جائیں وہیں مال کا بھی ایثار کیا جائے اس کو اللہ تعالیٰ نے قرض حسنہ کا نام دیا یعنی جو کچھ تم خرچ کرو گے یقیناً اس کی ادائیگی اللہ کے ذمے ہے فرمایا جو اس دنیا میں ایک خرچ کرے گا اس کو ستر سے سات سو گنا تک بڑھ کر ملے گا۔ جہاد کے لیے مجاہد کی جسمانی جدوجہد کے ساتھ جو اہم ترین چیز ہے وہ مال ہے۔ جہاد میں مال اور جان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں نہتا مجاہد کب تک لڑ سکتا ہے؟ اس لیے اسلحہ اس کی پہلی اور بنیادی ضرورت ہے۔ اسلحہ مال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہد کے لیے

فوجی لباس،طعام،سواری یہاں تک کہ اس کے بال بچوں کے اخراجات کی بھی ضرورت ہے۔ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال ناگزیر ہے اس لیے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس سے پہلے جہاد بالمال کا حکم ہوا ہے۔یہ مال بظاہر تو مجاہد کی ضروریات پر خرچ ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے کیونکہ مجاہد کو اللہ ہی کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کو اپنی ذات عالی کو قرض دینا قرار دیا ہے۔لیکن جس طرح جہاد محض فی سبیل اللہ ہونا چاہیے اس طرح قرض بھی کسی اور غرض کی بجائے اللہ ہی کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔یہی قرض حسنہ کا معنیٰ ہے کہ جس کے دینے میں کوئی ذاتی غرض نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا ذرا تصور کیجیے کہ جو کچھ اس نے بندوں کو عطا کیا ہے وہ اسی کی مہربانی ہے۔لیکن اس کے باوجود وہ اپنا عطا کیا ہوا مال اپنے بندوں سے قرض کے طور پر حاصل کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم جس ذات کریم کو قرض دے رہے ہو وہ تمہیں کئی گنا اضافے کے ساتھ واپس لوٹائے گی۔اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال دیتے ہوئے کمی کا خوف محسوس نہ کرو۔

ظاہر خرچ کرنے سے مال کم ہوجاتا ہے۔مگر انسان کو جان لینا چاہئے وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ قبض وبسط تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کا چاہتا ہے مال قبض کر لیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے یہ اختیار اس نے اپنے پاس رکھا ہے۔لہٰذا انسان کا یہ وہم کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کا مال کم ہو جائیگا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔انسان بڑا ناشکر گزار ہے جب اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے تو اسے زور بازو کا نتیجہ کہتا ہے اور جب وہ کم کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینا شروع کر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ تنگی کے لیے میں ہی رہ گیا تھا۔خدا پر شکوہ کرتا ہے مگر اپنے کرتوت کو نہیں دیکھتا۔کہ میرے افعال کیسے ہیں فرمایا یہ بات یہیں ختم ہونے والی نہیں ہے وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ تم سب کو اسی مالک الملک کی طرف لوٹ کر جانا ہے لہٰذا جہاد بالنفس اور جہاد بالمال ہر دو طریقوں سے اللہ کو راضی کرو۔

# اسلام کا سیاسی نظام/ملوکیت کے تصور کے اہم پہلو

# جماعت کی اہمیت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا
مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا
تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ
فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

## اَلْمَلَاِ کا لغوی معنی اور تشریح

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَلَمْ | کیا نہیں | تَرَ | دیکھا آپ نے | اِلَى الْمَلَاِ | ایک جماعت کی طرف |
| مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ | بنی اسرائیل میں سے | مِنْۢ بَعْدِ | بعد | | |
| مُوْسٰی | موسیٰ کے | اِذْ | جب | قَالُوْا | انہوں نے کہا |
| لِنَبِيٍّ لَّهُمُ | اپنے نبی سے | ابْعَثْ | آپ مقرر کر دیں | | |
| لَنَا | ہمارے لیے | مَلِكًا | ایک بادشاہ | نُّقَاتِلْ | (تاکہ) ہم لڑیں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فِيْ سَبِيْلِ اللهِ | اللہ کی راہ میں | قَالَ | اس نے کہا | هَلْ | تحقیق |
| عَسَيْتُمْ | ہوسکتا ہے تم | اِنْ | اگر | | |
| كُتِبَ عَلَيْكُمُ | تم پر فرض کی جائے | الْقِتَالُ | جنگ | | |
| اَلَّا تُقَاتِلُوْا | یہ کہ تم نہ لڑو | قَالُوْا | وہ کہنے لگے | | |
| وَمَا لَنَآ | اور کیا ہے ہمیں | اَلَّا | کہ نہ | نُقَاتِلَ | لڑیں ہم |
| فِيْ سَبِيْلِ اللهِ | اللہ کی راہ میں | وَقَدْ | اور البتہ | | |
| اُخْرِجْنَا | ہم نکالے گئے | مِنْ دِيَارِنَا | اپنے گھروں سے | | |
| وَاَبْنَآئِنَا | اور اپنے بیٹوں (سے) | فَلَمَّا | پھر جب | | |
| كُتِبَ عَلَيْهِمُ | ان پر فرض کردیا گیا | الْقِتَالُ | اُن پر لڑنا | | |
| تَوَلَّوْا | تو وہ پھر گئے | اِلَّا | سوائے | قَلِيْلًا | تھوڑے سے لوگوں کے |
| مِّنْهُمْ | اُن میں سے | وَاللهُ | اور اللہ | عَلِيْمٌ | خوب جاننے والا ہے |
| بِالظّٰلِمِيْنَ | ظالموں کو۔(246) | | | | |

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: اے حبیب! کیا تم نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو نہ دیکھا۔ مَلَأٌ کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل وعقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں، ملا کے لغوی معنی (بھرنے کے ہیں) (ایسر التفاسیر) یعنی کسی قوم کا ایسا گروہ، سردار، یا اشرافیہ ہے جو اپنے رعب، دبدبے، اور اثر ورسوخ کی وجہ سے نگاہوں کو خیرہ کردے۔ قرآنی تناظر میں اس سے مراد کسی قوم کے وہ بااثر رہنما، مشیر، یا اہل حل وعقد ہوتے ہیں جن کی رائے کو فیصلہ کن مانا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف انبیاء (مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت شعیب، حضرت سلیمان علیہم السلام) کے قصص میں ان کی قوم کے سرداروں کے لیے استعمال ہوا ہے، جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے اس کا نام شَمْوِیْل یا سَمُوئیل بتلایا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

بنو اسرائیل حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کچھ عرصے تک تو ٹھیک رہے، پھر ان میں انحراف آ گیا، دین میں بدعات ایجاد کر لیں۔ حتیٰ کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء علیہم السلام ان کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنہوں نے ان کے علاقے بھی چھین لئے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بھی بنا لیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شمویل نبی پیدا ہوئے، جنہوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انہوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔

## جہاد ایک اجتماعی مسئلہ

زیرِ درس آیت میں جہاد ہی کے متعلق تنظیم کا تذکرہ ہے جہاد ایک اجتماعی مسئلہ ہے اور اس کے لیے تنظیم کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ گویا یہاں سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سیاسی نظام کے اصول و قواعد بیان فرمائے ہیں اور اس کے طریق کار کی وضاحت فرمائی ہے۔ دنیا بھر کا سیاسی نظام اجتماعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن پاک نے اسلام کے سیاسی نظام کے خدوخال سورہ بقرہ کے علاوہ بعض دوسری سورتوں مثلاً سورہ صف، سورہ حج، سورہ انفال اور سورہ توبہ وغیرہ میں بیان کیے ہیں بلکہ ان سورتوں کے بعض مقامات تو اس نظام کے متعلق مستقل ابواب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے اس لیے اس نظام کو چلانے کے لیے حاکم یا امیر کا تقرر لازمی ہے۔ خصوصاً جہاد جیسے اجتماعی کام کے لیے امیر لشکر کا ہونا ضروری ہے۔ جس کی سرکردگی میں قوم جہاد میں حصہ لے سکے۔ بخاری، مسلم اور حدیث کی دیگر کتابوں میں امارات یا خلافت پر باب موجود ہیں اور اس میں مسلمانوں کی راہنمائی کیلئے مکمل تعلیم ہے۔ ان میں بھی شرک کی بیماری پیدا ہو گئی۔ انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی اور ان کا قتل قرآن پاک میں مذکور ہے۔ فسق و فجور بہت بڑھ گیا۔ جس طرح اس زمانہ میں مسلمانوں میں ہر قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں اس زمانہ میں بنی اسرائیل طرح طرح کی خرابیوں میں ملوث تھے۔ جب وہ نیکی کو چھوڑ کر بدی کی

طرف راغب ہو گئے تو ان کا زوال شروع ہو گیا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے کافی عرصہ بعد تک بنی اسرائیل کے حالات درست رہے۔ اگر چہ اس عرصہ میں کہیں کہیں کوئی قباحت بھی پائی گئی مگر مجموعی طور پر ان کے حالات اچھے رہے۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد جب بنی اسرائیل کی اعتقادی اور عملی حالت نہایت خراب ہو گئی اور انہوں نے عہد الٰہی کو فراموش کر دیا، بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اور سرکشی اور بدافعالی انتہا کو پہنچ گئی تو ان پر قوم جالوت مسلّط کر دی گئی جس کو عَمالِقہ کہتے ہیں۔ جالوت ایک نہایت جابر بادشاہ تھا، اس کی قوم کے لوگ مصر اور فلسطین کے درمیان بحر روم کے ساحل پر رہتے تھے، انہوں نے بنی اسرائیل کے شہر چھین لیے، اس زمانے میں عمالقہ بڑی طاقتور قوم تھی۔ انہوں نے بنی اسرائیل کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ قوم بنی اسرائیل کی قریبی ہمسایہ تھی، لہٰذا وہ آسانی سے ان پر غالب آگئے ان کے مردوں کو قتل کیا، عورتوں کو لونڈیاں بنایا۔ اسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ عمالقہ نے تیس ہزار نوجوان لڑکیوں کو لونڈیاں بنا لیا۔

ان کے نبی سموئیل علیہ السلام کو چونکہ اصل مرض کا علم تھا۔ لہٰذا اس نے ان سے پختہ عہد لیا کہ اگر بادشاہ مقرر کر دیا جائے تو پھر تو جہاد سے راہ فرار اختیار نہ کرو گے؟ جس کے جواب میں انہوں نے یقین دلایا کہ ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے اور کر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ ہم پہلے ہی بے گھر ہو چکے ہیں۔ دشمنوں نے ہمارے ملک چھین لیے، ہمارے بیوی بچوں کو لونڈی غلام بنا رکھا ہے۔ لہٰذا ہم کیوں نہ ان سے لڑیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جب ان پر جہاد فرض ہوا تو مختلف حیلوں بہانوں اور کٹ حجتیوں سے اپنے کئے ہوئے عہد سے پھرنے لگے۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور رہا ہے کہ ان کے حکمران بھی انبیاء علیہم السلام ہی ہوا کرتے تھے۔ انہیں کے پاس مقدمات کے فیصلے ہوتے اور انہیں کی سرکردگی میں جہاد کیا جاتا تھا۔ گویا ان لوگوں میں صحیح نظام خلافت رائج تھا اور یہی وہ سیاسی نظام ہے جو اسلام کا جُزِ ولا یَنفَك" ہے۔ جُزِ ولا یَنفَك کا مطلب ہے" وہ لازمی حصہ جسے اصل سے جدا نہ کیا جا سکے"۔ یہ دو الفاظ کا مرکب ہے:" جزو" (حصہ/ٹکڑا) اور" لا ینفک" (جو الگ نہ ہو سکے)۔ اردو میں یہ اکثر ایسی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی معاملے کا ناگزیر حصہ ہوں مگر ان لوگوں نے دوسرے ممالک کی دیکھا دیکھی جن میں نظام ملوکیت

رائج تھا۔ بہرحال عربی زبان میں ملک کے مختلف معانی ہیں جن میں بادشاہ یا امیر بھی شامل ہے صاحب امر یعنی حاکم وقت بھی مراد ہے۔

## اسلامی تناظر میں ملوکیت

مگر ملوکیت کا جو تصور اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ملوکیت (بادشاہت) کا تصور موروثی حکومت پر مبنی ہے، جہاں اقتدار نسل در نسل منتقل ہوتا ہے اور عوام کی مشاورت (شوریٰ) ختم ہو جاتی ہے۔ یہ طرزِ حکومت استبدادی ہوتا ہے، جس میں حکمران اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ اسلامی تناظر میں، ملوکیت خلافت راشدہ کے برعکس، اختیارات کے ذاتی استعمال کا نظام ہے اسلام ہرگز اس کی تائید نہیں کرتا۔آج ہم سمجھتے ہیں کہ بادشاہ وہ ہے جو کسی ملک کے ہر سیاہ وسفید کا مالک ہے جو چاہے کرے اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے۔مگر ملوکیت کا یہ تصور غیر فطری اور اسلامی تعلیم کے سراسر منافی ہے اور ڈکٹیٹرشپ بھی اسی حاکمیت کا نام ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔اسلام نے اپنے ماننے والوں کو شورائی نظام سیاست عطا کیا ہے۔اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات نازل فرمائی ہے۔جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام (POLITICAL SYSTEM) کیا ہے۔ان کا امیر کیسا ہو، اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔اور وہ کن امور کا پابند ہے۔اسی طرح مسلمانوں کی جماعت کن اوصاف کی حامل ہونی چاہئے۔ اس کے حقوق وفرائض کیا ہونگے وغیرہ وغیرہ مگر افسوس کہ اموی دور کے بعد مسلمانوں میں بھی غیر اسلامی تصور ملوکیت سرایت کرگیا۔اور یہ آج بھی مسلمانوں میں موجود ہے۔بہرحال بنی اسرائیل نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے کہا۔کہ آپ ہمارے لیے کوئی امیر سردار یا مالک مقرر کردیں، جس کی کمان میں ہم دشمن سے جنگ کرسکیں۔اگرچہ اس وقت اللہ کے نبی موجود تھے۔مگر وہ کافی بوڑھے اور کمزور ہو چکے تھے۔اور جنگ میں بنفس نفیس شرکت سے معذور تھے۔البتہ ہدایات دینے کے لیے وہ کافی تھے۔لہٰذا انکی قوم نے عرض کیا کہ ہمارے لیے کوئی قابل امیر مقرر کردیں جو جنگ میں ہماری قیادت کرسکے۔ظاہر ہے کہ جنگ کرنے کے لیے جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔

## اسلام میں جماعت کی اہمیت

اور اسلام میں جماعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جماعت کے بغیر سیاسی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ جیسے فرمایا لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ یعنی جماعت کے بغیر اسلام کا کوئی تصور نہیں اور وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ اور امیر کے بغیر جماعت کسی کام کی نہیں وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ اور امارت بغیر اطاعت کے قائم نہیں رہ سکتی، اسی لیے فرمایا کہ سفر میں اکیلا آدمی نہ جائے۔ اس کے ساتھ جماعت ہونی چاہئے ایک اور دو...... شیطان ہیں۔ مگر تین کی تعداد جماعت ہے۔ اور اگر چار آدمی جمع ہو جائیں تو فرمایا خَيْرُ الْجَمَاعَةِ أَرْبَعَة بہتر جماعت چار آدمیوں کی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جب سفر پر روانہ ہونے لگو تو اپنے میں سے ایک کو امیر مقرر کرلو، اور اسکی سرکردگی میں، اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرو انفرادی حالت میں شیطان کے غلبے کا خدشہ ہے۔ اس لیے سفر بھی بحیثیت جماعت اختیار کرو۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے۔ بنی اسرائیل کے اس قدر اصرار کے بعد فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ ان پر لڑائی فرض کردی گئی تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ؕ تو ان میں سے ایک قلیل تعداد کے سوا سب اپنے وعدے سے پھر گئے۔ انہوں نے جہاد سے منہ موڑ لیا۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ظالم بزدل ہوتا ہے اور جہاد سے جی چراتا ہے۔ وہ خود بھی کوئی اچھا کام نہیں کرسکتا بلکہ برائی کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اس سے اچھے نظام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے لیڈر ظالم ہیں۔ اس قسم کے امیروں تاجروں سے اچھائی کی کیا امید ہوسکتی ہے البتہ اچھائی کی امید عادل شخص سے ہوسکتی ہے۔ وہی نظام اسلام قائم کرسکتا ہے۔ وہی جہاد کرسکتا ہے۔ اور قوم کو ذلت سے نکال کر عزت و آبرو کی زندگی دے سکتا ہے۔ اس ایک جملہ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ میں ان سب چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ جس وقت یہ آیتیں نازل ہو رہی تھیں اس وقت کے مسلمانوں کا بھی یہی عالم بے بسی تھا۔ ان آیات میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ زندگی اور موت دونوں کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اگر تم موت سے ڈر گئے تو پھر دنیا میں تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور اگر موت سے بے پرواہ شہادت کی راہ پر اٹھ کھڑے ہوئے تو اللہ تمہیں دنیا میں باعظمت زندگی اور آخرت کی تمام بھلائیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے گا۔

## ہماری ذلت و پستی کی وجہ جہاد سے روگردانی

آج مسلمانوں کی حالت بھی اس زمانے کے بنی اسرائیل سے کم خراب نہیں ۔دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات اس قدر بگڑے ہوئے ہیں کہ اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔وجہ ایک ہی ہے کہ جہاد سے روگردانی کر رہے ہیں ۔دوسروں کے دست نگر ہیں ۔مگر آپس میں دست و گریبان ہیں ۔ذرا غور کریں ،کشمیریوں اور فلسطینیوں کے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے ۔ان کی ہزاروں لڑکیاں غیر مسلموں کے قبضہ میں چلی گئی ہیں ۔انہیں رہنے کے لیے زمین پر کوئی ٹھکانہ میسر نہیں آرہا۔فلپائن کی عیسائی اکثریت نے مسلمان اقلیت کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے ۔حالانکہ وہ بیچارے قلیل تعداد میں ہیں ۔مگر انہیں بھی جینے کا حق نہیں دیا جا رہا ہے ۔قبرص میں بھی مسلمانوں کا یہی حال ہو رہا ہے ۔صرف چند سال پہلے چالیس ہزار قبرصی ترکوں کو ختم کر دیا گیا۔اب انہوں نے ایک جزیرہ میں پناہ لے رکھی ہے مگر عیسائی قوتیں انہیں وہاں بھی اکٹھا نہیں دیکھ سکتیں ۔ان کی سکیم یہ ہے کہ کسی طرح ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ان کی جمعیت کو ختم کر دیا جائے ۔آخر میں فرمایا گیا کہ اللہ کا یہ نظام کائنات اس کی مصلحتوں کے ساتھ چل رہا ہے اگر وہ اسی طرح ظالموں کو بعض بے بس اور کمزور لوگوں کے ذریعہ ہٹاتا نہ رہے یا اگر جہاد کا حکم نہ دے تو اس کے نیک اور صالح بندے تو سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہی نہ رہیں گے وہ اپنی ان مصلحتوں سے شریروں اور فسادیوں کو دنیا سے مٹاتا رہتا ہے تاکہ اللہ کی زمین نیکی اور تقویٰ کے آثار سے محروم ہو کر نہ رہ جائے ۔الغرض !کفر ،شرک ،معصیت ،حدود اللہ کو توڑنا ،بدعت کا اجرا ،چوری ،ڈاکہ ،قتل ،دوسروں کے حق کا ضیائع وغیرہ سب ظلم کی مختلف شاخیں ہیں ۔ظالم سے اسی قسم کے افعال سرزد ہوں گے ۔البتہ جب عادل حاکم آئے گا تو تمام برائیاں ختم ہو جائیں گی ۔حق و عدل کا دور دورہ ہو گا کہ عدل نظام اسلام میں سب سے بڑا استون ہے ۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان چار ستونوں میں قائم ہے یعنی صبر ،عدل ،جہاد اور یقین ،لہٰذا عادل شخص کے ایمان کی گواہی دی جاتی ہے ۔اور ظالم آدمی بے ایمان اور کافر ہوتا ہے ۔اسی لیے فرمایا وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۴۶﴾ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے ۔

# طالوت کی بادشاہی/شریعت میں امیر کیسے منتخب ہوتے ہیں؟/آل موسیٰ و ہارون کے تبرکات

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ
عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

## نظام حکومت چلانے کی صلاحیت

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَقَالَ | اور کہا | لَهُمْ | اُن سے | نَبِيُّهُمْ | ان کے نبی نے |
| اِنَّ | بیشک | اللّٰهَ | اللہ | قَدْ بَعَثَ | تحقیق مقرر کردیا ہے |
| لَكُمْ | تمہارے لیے | طَالُوْتَ | طالوت کو | مَلِكًا | بادشاہ |
| قَالُوْۤا | اُنھوں نے کہا | اَنّٰى | کیسے | يَكُوْنُ | ہوسکتی ہے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| لَهُ | اس کے لیے | الْمُلْكُ | بادشاہت | عَلَيْنَا | ہم پر |
| وَنَحْنُ | اور ہم | اَحَقُّ | زیادہ حقدار ہیں | بِالْمُلْكِ | بادشاہت کے |
| مِنْهُ | اُس سے | وَلَمْ يُؤْتَ | اور نہیں دی گئی | | |
| سَعَةً مِّنَ الْمَالِ | وسعت مال کی | قَالَ | اس نے کہا | | |
| اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ نے | اصْطَفٰهُ | اسے چن لیا ہے | عَلَيْكُمْ | تم پر |
| وَزَادَهٗ | اور اُس نے زیادہ دی اُسے | بَسْطَةً | کشادگی | فِي الْعِلْمِ | علم میں |
| وَالْجِسْمِ | اور جسم (میں) | وَاللّٰهُ | اور اللہ | يُؤْتِيْ | دیتا ہے |
| مُلْكَهٗ | اپنا ملک | مَنْ | جسے | يَّشَآءُ | چاہتا ہے |
| وَاللّٰهُ | اور اللہ | وَاسِعٌ | بڑا وسعت والا | عَلِيْمٌ | خوب جاننے والا ہے۔(247) |

ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ان کے نبی نے بنی اسرائیل سے کہا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ط بیشک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا جو ایک تیس سالہ جوان، خوبصورت اور قد آور شخص تھا۔ اس پر کئی لوگوں نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ طالوت کے پاس نہ مال و دولت اور نہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ، بھلا یہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟ اس سے تو ہم ہی اچھے اور بادشاہت کے زیادہ حقدار ہیں مگر اس قوم کے آسودہ حال لوگوں کو طالوت کا انتخاب پسند نہ آیا۔ قَالُوْٓا کہنے لگے اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا طالوت ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ تو غریب اور کمزور حیثیت کا مالک ہے۔ وہ ہمارا بادشاہ بننے کا اہل نہیں وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ اس سے زیادہ بادشاہ بننے کا ہمارا حق ہے وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ان کے پاس تو مال بھی نہیں ہے۔ وہ ہمارا سردار یا امیر بننے کے بالکل اہل نہیں ہے۔ یہ طالوت حضرت یوسف (علیہ السلام) کے چھوٹے بھائی بن یامین کی اولاد سے تھا اور یہ نسبتاً چھوٹا خاندان سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت سموئیل (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم سے اسے بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرما دیا، ان کے خاندان کو دیگر خاندانوں کی طرح عزت حاصل نہیں تھی۔ لہٰذا بنی اسرائیل اس کے بطور امیر تقرر پر رضامند نہ

ہوئے۔دراصل مالی کمزوری نبوت کوتسلیم کرنے میں ہمیشہ رکاوٹ رہی ہے جب بھی کسی نبی نے نبوت کادعویٰ کیا۔تواس کی قوم نے یہی جواب دیا کہ تو تو ہماری قوم کا گھٹیا آدمی ہے۔تیرے پاس نہ مال و دولت ہے۔نہ زمین ومکانات ہیں نہ سونا چاندی ہے۔تو نبی کیسے ہوسکتا ہے۔یہی چیز طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے میں مانع ہوئی کیونکہ وہ شخص قوم کا ایک ادنیٰ فرد سمجھا جاتا تھا۔اور دنیاوی مال و متاع سے محروم تھا۔

اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو سمجھایا۔کہ محض مال و دولت یا اعلیٰ خاندان کا ہونا ہی امارات کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اصول مقرر ہیں جن کی بناء پر کسی شخص کو امارات کے عہدے پر فائز کیا جاتا ہے۔سب سے پہلی بات جو پیغمبر نے کہی قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔لہٰذا اس میں کسی کے ذاتی اختلاف کو دخل نہیں ہونا چاہئے اور دوسری بات یہ کہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اللہ نے اسے علم اور جسم میں وسعت دی ہے یعنی اس میں یہ خوبی ہے کہ وہ علم میں بھی تم سے زیادہ ہے۔اور جسمانی طاقت کے لحاظ سے بھی تم میں سے زیادہ قوی ہے۔یہاں پر علم سے مراد سیاسی علم یعنی نظام حکومت چلانے کی صلاحیت ہے۔جہاں تک دینی علم کا تعلق ہے وہ تو نبی کے پاس تھا،تاہم اللہ تعالیٰ نے سیاسی علم طالوت کو عطا کیا تھا۔امیر کے لیے جسمانی طور پر صحت مند ہونا بھی ضروری ہے۔کیونکہ غیر صحت مند یا بیمار اور لاغر شخص نظام حکومت کو بطریق احسن انجام نہیں دے سکتا۔

## بنی اسرائیل کا شبہ اس کے تین طرح کے جواب

طالوت تیس سال کا وجیہہ نوجوان تھا۔قدرآور صحت مند تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اس کام کے لیے منتخب فرمایا تھا اور اس انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو نبی منتخب فرمایا۔اسی طرح اس نے طالوت کو بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا۔یعنی اللہ کے پیغمبر نے ان کے شبہ کے تین طرح کے جواب دیئے۔

(1) یہ انتخاب انسانی نہیں بلکہ خدائی ہے۔اس لیے جو حکمتیں اور مصلحتیں اس میں پوشیدہ ہیں وہاں

تک تمہارے سطحی ذہنوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔تمہارا فرض یہ ہے کہ اسے بلا چون و چرا مان لو۔

(2) تم نے جو امارت وسیادت کا معیار مقرر کیا ہوا ہے کہ امیر وہی ہو سکتا ہے جو دولت مند ہو اور خاندان امارت سے تعلق رکھتا ہو تو دراصل یہ کوئی معیار نہیں۔ان دو صفتوں کی جگہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو دو ایسی خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کا امیر میں ہونا نہایت ضروری ہے اور جو ان پہلی دو صفتوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ایک علم علم دوسری جسمانی طاقت۔یہ دونوں خوبیاں تم سب سے بڑھ کر طالوت میں موجود ہیں۔

(3) حکومت اور امارت خدا کے اختیار میں ہے اور تمام بندے بھی اسی کے مخلوق ومملوک ہیں۔ اس لیے وہ جسے چاہتا ہے امارت وسیادت سے سرفراز فرماتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔چونکہ اب وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔اس لیے اب یہ تو ممکن نہیں کہ ملت اسلامیہ کے لیے اللہ تعالیٰ خود کسی کو خلیفہ منتخب فرمادے۔اب خلیفہ کے انتخاب کے لیے کئی ایک صورتیں ہیں۔پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ سمجھدار، دانا اور صاحب حل وعقد مسلمان خود خلیفہ کا انتخاب کریں۔جس طرح حضور ﷺ کے بعد لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کیا تھا۔انتخاب کی دوسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ خود اپنا جانشین مقرر کردے۔جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔یہ بھی درست ہے کہ خلیفہ خود مستحق ترین شخص کو اس کام کے لیے نامزد کردے۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص طاقت کے زور پر خود بخود اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے۔اس کی مثال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جنہوں نے غالب آ کر خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔اس طرح مسند اقتدار پر آنے والا شخص اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق حکومت کا نظم ونسق چلائے۔تو یہ صورت بھی قابل قبول ہے۔خلافت کے معاملہ میں اہل اسلام میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلمانوں کی جماعت پر واجب ہے کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ورنہ مسلمانوں کی یہی جماعت اسے معزول بھی کر سکتی ہے کیونکہ خلیفہ بھی ایک انسان ہوتا ہے اور وہ بھی غلطی کر سکتا ہے۔برخلاف اس کے شیعہ کا عقیدہ یہ ہے۔خلیفہ یا امام معصوم ہوتا ہے اور اس کا انتخاب من جانب اللہ ہوتا ہے اس کی خلافت مستقل ہوتی ہے اور کوئی اسے معزول نہیں کر سکتا۔حالانکہ یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔خارجی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ

حاکم صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے ۔خلیفہ کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ عقیدہ بھی باطل ہے ۔مولانا عبید اللہ سندھی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ۔انہیں چاہئے کہ ملک کا نظام ایسے ہاتھوں میں دیں جو اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرسکیں ۔اور یہ کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جو خود ایماندار اور عادل ہوں ۔مولانا تشریح فرماتے ہیں کہ جن ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو، مگر جب حکومت منتخب کرنے کا وقت آتا ہے تو ہمیشہ غلط فیصلہ کرتے ہیں ۔مولانا کا ارشاد ہے کہ اسمبلی کا ممبر اس شخص کو چُنو جو کتاب اللہ کا عالم اور حضور ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو ۔جو شخص کتاب و سنت اور آثار صحابہ سے واقف نہیں ، وہ اسلامی نظام کیسے لائیگا ممبر ایسا ہونا چاہئے ۔جو قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو قربان کردے ۔اس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور آخرت میں محاسبے کا ڈر ہو ۔صرف ایسے لوگ ہی اللہ کا قانون جاری کرسکتے ہیں ۔وہ جب پارلیمنٹ میں جائیں تو سربراہ بھی صحیح منتخب کریں گے اور قانون بھی ٹھیک وضع کریں گے ۔الغرض ! فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض خصوصیات کی بنا پر طالوت کو بادشاہ منتخب فرمایا ہے ۔ وَاللّٰهُ يُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے وہ جس کو بادشاہی دیتا ہے اس کو مال و دولت سے بھی نواز سکتا ہے ۔اور جس کے اندر خود اس نے صلاحیت رکھی ہے ۔اس کو امیر بنا دیتا ہے ۔یہ سب کچھ اس کے علم میں ہے ۔

## حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَقَالَ | اور کہا | لَهُمْ | اُن سے | نَبِيُّهُمْ | ان کے نبی نے | | |
| اِنَّ | بیشک | اٰيَةَ | نشانی | مُلْكِهٖ | اس کی بادشاہی کی | | |
| اَنْ | یہ (ہے) کہ | يَّاْتِيَكُمُ | آئے گا تمہارے پاس | | | | |
| التَّابُوْتُ | صندوق | فِيْهِ | اس میں | سَكِيْنَةٌ | سکینت ہوگی | | |
| مِّنْ رَّبِّكُمْ | تمہارے رب کی طرف سے | وَبَقِيَّةٌ | اور بقیہ چیزیں ہوں گی | | | | |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مِّمَّا | اس سے جو | تَرَكَ | چھوڑا | اٰلُ مُوْسٰی | آل موسیٰ |
| وَ اٰلُ هٰرُوْنَ | آل ہارون نے | تَحْمِلُهُ | اٹھا کر لائیں گے اسے | | |
| الْمَلٰٓئِكَةُ | فرشتے | اِنَّ | بیشک | فِيْ ذٰلِكَ | اس میں |
| لَاٰيَةً | یقیناً (عظیم) نشانی ہے | لَّكُمْ | تمہارے لیے | اِنْ | اگر |
| كُنْتُمْ | ہوتم | مُّؤْمِنِيْنَ | ایمان والے۔(248) | | |

اللہ کے نبی نے اللہ کے حکم سے اپنی قوم کے سامنے ایک معجزانہ نشانی کا اظہار فرمایا۔تا کہ ان کی تسلی ہوجائے کہ طالوت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا انتخاب بالکل درست ہے۔قوم جانتی تھی کہ جب دشمن نے ان پر غلبہ حاصل کیا تھا تو سلیمان (علیہ السلام) کے زمانے کا وہ مقدس صندوق بھی اٹھا کر قریہ پاریم میں لے گئے تھے۔جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے تبرکات تھے۔جن میں موسیٰ کی لاٹھی،تختی کے ٹکڑے،تورات کا کچھ حصہ،آپ کا لباس اور پاپوش وغیرہ تھے۔اس تابوت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے،یہ تابوت بھی ان کے دشمن ان سے چھین کر لے گئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے سے حضرت طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔جسے دیکھ کر بنو اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی کے لئے منجانب اللہ کی نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لئے ایک اعجاز اور فتح و سکینت کا سبب قرار دیا۔سکینت کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز معرکہ آرائیوں میں جس سے بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ اُٹھتے ہیں،اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور ہیبت سے خالی اور فتح و کامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء وصالحین کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت و افادیت رکھتے ہیں۔بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں۔جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں بن جاتی۔جس طرح آج کل "تبرکات" کے نام پر کئی جگہوں پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں،جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے

فرمایاوَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ان کے نبی نے ان سے کہا اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ تمہارے پاس وہ صندوق خود بخود آجائے گا فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین قلب ہے۔ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کی اولاد نے چھوڑا ہے تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ یہ صندوق بیس سال تک دشمن کے قبضہ میں رہا۔ اللہ کی قدرت وہ جس بستی میں صندوق کو رکھتے تھے۔ وہاں وباء پھوٹ پڑتی اور وہ بستی تباہ ہو جاتی تھی۔ اس طرح پانچ بستیاں تباہ ہو گئیں تو ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اس صندوق کو کسی طرح نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے صندوق بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ایک طرف ہانک دیا۔ بیل چلتے چلتے طالوت کے دروازے پر پہنچ گئے اور اس طرح صندوق ان کے پاس آگیا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صندوق اگرچہ بظاہر بیل گاڑی پر آیا تھا مگر اللہ کے حکم کے مطابق اسے فرشتے لائے تھے جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ انہوں نے ہی بیلوں کو طالوت کے دروازے پر لا کھڑا کیا تھا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تمہیں یقین و ایمان ہے۔ ان نشانیوں کو دیکھ کر بنی اسرائیل طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے پر مطمئن ہو گئے۔ چنانچہ قوم نے ان کی سرکردگی میں جہاد کرنے کا عزم بھی کر لیا۔

# لشکر طالوت اور جالوت/ سپاہی کے اوصاف/ طالوت کے لشکر کی آزمائش/ آزمائش کے وقت کیا کرنا چاہئے؟

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ
مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ
وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

## اطاعت امیر ہر حال میں ضروری

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَلَمَّا | پھر جب | فَصَلَ طَالُوْتُ | نکلا طالوت | بِالْجُنُوْدِ | لشکر کے ساتھ |
| قَالَ | اس نے کہا | اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ | | |
| مُبْتَلِيْكُمْ | تمہیں آزمائے گا | بِنَهَرٍ | ایک نہر کے ساتھ | | |
| فَمَنْ شَرِبَ | جس نے پی لیا | مِنْهُ | اس سے | فَلَيْسَ | تو نہیں ہے وہ |
| مِنِّيْ | مجھ سے | وَمَنْ | اور جس نے | لَّمْ يَطْعَمْهُ | اسے نہ چکھا |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَاِنَّهٗ | تو بیشک وہ | مِنِّیْٓ | مجھ سے ہے | اِلَّا | سوائے |
| مَنِ اغْتَرَفَ | جو چُلو بھرلے | غُرْفَةً | ایک چلو | بِیَدِهٖ | اپنے ہاتھ سے |
| فَشَرِبُوْا | پھر انھوں نے پی لیا | مِنْهُ | اس (نہر) سے | اِلَّا | سوائے |
| قَلِیْلًا | تھوڑے سے لوگوں کے | مِّنْهُمْ | ان میں سے | | |
| فَلَمَّا | پھر جب | جَاوَزَهٗ | عبور کرلیا اُس کو | هُوَ | اُس نے |
| وَالَّذِیْنَ | اور اُن لوگوں نے جو | اٰمَنُوْا | ایمان لائے | | |
| مَعَهٗ | اس کے ساتھ | قَالُوْا | (تو) انھوں نے کہا | لَا طَاقَةَ | نہیں طاقت |
| لَنَا | ہمارے اندر | الْیَوْمَ | آج (لڑنے کی) | بِجَالُوْتَ | جالوت کے ساتھ |
| وَجُنُوْدِهٖ | اور اس کے لشکر (کے ساتھ) | قَالَ | کہا | | |
| الَّذِیْنَ | اُن لوگوں نے جو | یَظُنُّوْنَ | یقین رکھتے تھے | اَنَّهُمْ | (اُس پر) کہ بیشک وہ |
| مُّلٰقُوا | ملنے والے ہیں | اللّٰهِ | اللہ سے | كَمْ | بارہا |
| مِّنْ فِئَةٍ | جماعتیں | قَلِیْلَةٍ | تھوڑی سی | | |
| غَلَبَتْ | غالب ہوئیں | فِئَةً كَثِیْرَةً | بڑی جماعتوں پر | | |
| بِاِذْنِ اللّٰهِ | اللہ کے حکم سے | وَاللّٰهُ | اور اللہ | مَعَ | ساتھ ہے |
| الصّٰبِرِیْنَ | صبر کرنے والوں کے۔(249) | | | | |

**فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ** "بِالْجُنُوْدِ" (لشکروں) کے لفظ سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد لڑنے کے لیے نکلی تھی۔طالوت نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جس نے بزدلی دکھانا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ نکلے۔بنی اسرائیل زبانی باتوں میں بڑے دلیر تھے۔چنانچہ ان کی تعداد ستر ہزار ہوگئی راستہ میں ایک منزل پر پانی نہ ملا تو طالوت سے شکایت کی۔طالوت نے کہا آگے ایک نہر آتو رہی ہے، یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان ہے۔(ابن کثیر) مگر تم لوگ اس میں سے سیر ہو کر پانی نہ پینا، صرف ایک آدھ گھونٹ پی لینا اور یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے

آزمائش ہے ۔اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دو چند، بلکہ صد چند ہو جاتی ہے ۔دوسرے، جنگ میں کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ فوج اس دوران بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نہایت صبر اور حوصلے سے برداشت کریں ۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لئے طالوت نے کہا کہ نہر پر تمہاری پہلی آزمائش ہوگی ۔کہ اگر تم اپنی پیاس بھی برداشت نہ کر سکے تو لڑائی میں کیا کارنامے سرانجام دو گے؟ لہذا میں تو صرف اس آدمی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا جو اپنی پیاس کو برداشت کرے گا۔چنا چہ جب وہ نہر آئی تو سب نے سیر ہو کر پانی پی لیا اور بعضوں نے تو منہ ہی نہر میں ڈال دیا اور مویشیوں کی طرح پینے لگے ۔اس طرح یکدم کثیر مقدار میں پانی پینے سے ان کے بدن ٹوٹنے لگے اور تھوڑا سا فاصلہ چل کر گر پڑے اور کہنے لگے کہ اب ہمیں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی تاب نہیں رہی ۔طالوت نے ان کی اطاعت، جفاکشی، بھوک پیاس اور میدان جنگ میں صبر کا امتحان لینا ضروری سمجھا، تاکہ صرف وہ شخص ساتھ جائے جس میں یہ صفات موجود ہوں، مگر اس امتحان میں تھوڑے سے لوگ کامیاب ہوئے، باقی ناکام ہو گئے ۔اور یہ امتحان بظاہر یہ دیکھنے کے لئے لیا گیا تھا کہ لشکر کے کتنے لوگ ہیں جو اپنے امیر کی اطاعت کا ایسا جذبہ رکھتے ہیں کہ اس پر اپنی خواہشات کو بھی قربان کر دیں کیونکہ اس طرح کی جنگ میں ایسی مضبوط اطاعت کے بغیر کام نہیں چلتا۔بعض اوقات سالار لشکر اپنے لشکر کی آزمائش بھی کرتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ فوج ہر قسم کی سختیاں برداشت کرنے کے قابل ہے یا نہیں اور بعض اوقات اس میں خاص مصلحت بھی ہوتی ہے جو امیر لشکر کے ذہن میں ہوتی ہے تو اس لحاظ سے امیر کو حق حاصل ہے کہ وہ حالات کے پیش نظر فوج کو کوئی حکم دے ۔جس کی بظاہر کوئی افادیت نہ ہو۔حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک کا واقعہ ہے ۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر روانہ کیا۔حضرت ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما فوج میں بطور سپاہی شامل تھے ۔جب دشمن کے قریب پہنچے تو ایک جنگل میں ڈیرہ لگایا۔رات سخت سرد تھی مگر امیر لشکر نے حکم دیدیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے ۔لوگ سخت حیران ہوئے کہ سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں مگر آگ جلانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ۔نہ آگ جلی، نہ کھانا پکا۔لوگوں نے

حضرت ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما سے گذارش کی کہ امیر لشکر کے پاس سفارش کریں۔کہ آگ جلانے کی اجازت دیں،مگر شیخینؓ نے یہ کہ سفارش کرنے سے انکار کر دیا کہ اس شخص کو حضور ﷺ نے امیر مقرر کیا ہے اس کی اطاعت ہم پر لازم ہے آگ نہ جلانے میں بھی کوئی مصلحت ہوگی آخر علی الصبح امیر نے دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا وہ لوگ اسلامی لشکر کی آمد سے بیخبر تھے۔اچانک حملہ ہوا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اگر رات کو آگ روشن کرتے تو دشمن کو ہماری آمد کا پتہ چل جاتا اور وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتے۔

## آزمائش اور امتحان لینے کے مختلف ذریعے

غرضیکہ آزمائش کرنے اور امتحان لینے کے مختلف ذریعے ہیں: 1۔شرعی احکام کے ذریعے آزمائش۔2۔نعمتوں،سہولتوں اور آسائشوں وغیرہ کے ذریعے آزمائش۔3۔مشکلات،مصیبت اور پریشانیوں وغیرہ کے ذریعے آزمائش۔اور آزمائش کے وقت کرنے والے کام:(1) پہلی صورت والی آزمائش و امتحان میں کامیابی یہ ہے کہ جن شرعی احکامات کا انسان مکلف ہے،وہ اچھے انداز سے بجالائے۔(2) دوسری صورت والی آزمائش میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ نعمتوں،سہولتوں وغیرہ پر فخر و تکبر نہ کرے،ان کی وجہ سے سرکش نہ ہو جائے بلکہ ان نعمتوں کے ملنے پر اللہ تبارک و تعالی کا شکر ادا کرے اور ان نعمتوں کے متعلق جو احکامات ہوں،ان پر عمل کرتا رہے مثلا مال ملا تو جائز جگہ خرچ کرے،زکوۃ لازم ہو تو زکوۃ ادا کرے وغیرہ۔(3) تیسری صورت والی آمائش میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ مشکلات و پریشانیوں وغیرہ پر صبر کرے،بے صبری،واویلا وغیرہ نہ کرے اور اللہ پاک کی رضا میں راضی رہے،ان پر شکوہ وشکایت نہ کرے۔بہر حال اور جن لوگوں نے اپنی پیاس برداشت کی تھی ان کی تعداد صرف تین سو تیرہ یا اس کے لگ بھگ تھی۔کجا ان زبانی شیخی بگھارنے والوں کی تعداد ستر ہزار تھی اور کجا ان میں سے خالص تین سو تیرہ رہ گئے،یعنی ہر دو ہزار میں سے صرف نو آدمی سچے مجاہد ثابت ہوئے۔ان لوگوں کے حوصلے بلند تھے۔صبر کرنے والے اور توکل کرنے والے تھے۔وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہم تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں تو کوئی بات نہیں

فتح وشکست اور زندگی اور موت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

## لڑائی میں قلت وکثرت فیصلہ کن نہیں ہوتی

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تھوڑی سی صبر کرنے والی جماعت کو بہت بڑے لشکر کے مقابلہ میں فتح عطا کر دیتا ہے کیونکہ اللہ کی مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے۔کامیاب ہونے والے نہر سے پار ہوئے تو دشمن کی تعداد دیکھ کر ان میں سے کچھ کمزور ایمان والے کہہ اٹھے کہ ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے کی طاقت نہیں ،مگر پختہ ایمان والوں نے، جنھیں اللہ سے ملاقات کا یقین تھا، ان کی ہمت بندھائی کہ لڑائی میں قلت وکثرت فیصلہ کن نہیں ہوتی، اللہ کا حکم فیصلہ کن ہوتا ہے۔بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو تھوڑی جماعتیں صبر واستقامت کی وجہ سے بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں، کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔امت محمدیہ ﷺ میں اس قسم کے بیشمار واقعات موجود ہیں۔بدر، احد، خندق کو دیکھ لیجیے۔جنگ موتہ میں مسلمان تین ہزار اور دشمن دولاکھ تھا۔(الرحیق المختوم، معرکہ موتہ) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مجھے اصحاب محمد ﷺ نے بتایا، جو بدر میں شریک تھے کہ ان کی تعداد طالوت کے ساتھیوں کے برابر تھی جو نہر سے پار ہوئے تھے، تین سو دس سے کچھ زیادہ۔ براء کہتے ہیں، اللہ کی قسم! اس کے ساتھ کسی مومن کے سوا کوئی پار نہیں ہوا۔(بخاری) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی لشکر بعض مخصوص اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ اسے دشمن کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کسی سپاہی میں حرص کا مادہ نہ ہو۔اگر ان میں حرص اور لالچ پیدا ہوگیا تو وہ ناکام ہوجائیں گے۔اس کے بجائے طبیعت میں استقلال ہونا چاہئے۔چھوٹی چھوٹی آزمائشوں میں گھبرانا نہیں چاہیے۔اسلام کے سپاہی کے لیے مستقل مزاجی ایک اچھی علامت ہے اس کے علاوہ صبر ملت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔صبر، شکر، اللہ کا ذکر، نماز عقیدہ توحید پر پختگی تعظیم شعائر اللہ اور دعا سب ایسے اصول ہیں۔جو مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہیں حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صبر واستقلال اور مصائب کو برداشت کرنے کے کتنے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔انہوں نے بھوک، پیاس

اور ہر قسم کے ابتلا کو برداشت کیا مگر جہاد سے منہ نہیں موڑا۔ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں ایک اسلامی لشکر جہاد پر روانہ ہوا راستے میں راشن کی کمی واقع ہوگئی اور اس کی مقدار مٹھی بھر فی کس رہ گئی جب راشن بالکل تھوڑا رہ گیا تو ایک ایک کھجور حصے میں آنے لگی اور پھر وہ وقت بھی آیا جب کھجور کی گٹھلیوں کو چوس لیا جاتا اور اوپر سے پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کیا جاتا جب بالکل کچھ نہ رہا تو درختوں کے پتے کھانے شروع کر دیئے۔کڑوے پتے کھا کھا کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باچھیں پھٹ گئیں۔مگر اس قدر مصیبتیں جھیلنے اور تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی بلکہ دشمن کے مقابلے میں "سینہ سِپَر" رہے۔سینہ سپر کا مطلب ہے ڈٹ جانا، مقابلہ کے لیے سینہ تان کر کھڑا ہونا، یا بہادری سے سامنا کرنا۔ اس محاورے میں سِپَر کا مطلب ڈھال ہے۔چونکہ سپاہی لڑائی میں ڈھال آگے رکھتا ہے، اس لیے "سینہ سِپَر" کا مطلب ہے اپنی چھاتی کو ڈھال بنانا، یعنی خطرے یا دشمن کے سامنے نڈر ہو کر ڈٹ جانا۔

طالوت کون تھے؟: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "طالوت سقہ تھے، یعنی پانی پلایا کرتے تھے۔حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ "وہ کھالوں کو خشک کر کے چمڑا بنانے کا کام کرتے تھے۔" اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے اعتراض کیا تھا کہ وہ نہایت غریب ہیں۔گھٹیا اور نیچ کام کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال طلب کرنے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا خواہ وہ دبگری ہو یا چرواہی ہو یا لوہاری ہو یا کپڑا بننا ہو، الغرض کوئی پیشہ ہرگز ہرگز نہ ذلیل ہے نہ ان پیشوں کے ذریعہ روزی حاصل کرنے والوں کے لئے کوئی ذلت ہے۔جو لوگ بنکروں اور دوسرے پیشہ وروں کو محض ان کے پیشہ کی بناء پر ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں وہ انتہائی جہالت و گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔رزق حلال طلب کرنے کے لئے کوئی جائز پیشہ اختیار کرنا یہ انبیاء و مرسلین اور صالحین کا مقدس طریقہ ہے۔لہٰذا ہرگز ہرگز ہنرمند اور پیشہ ور مسلمان کو حقیر ذلیل شمار نہیں کرنا چاہیے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ پیشہ ور مسلمان ان لوگوں سے ہزاروں درجہ بہتر ہے جو سرکاری نوکریوں اور رشوتوں اور دھوکہ دہی کے ذریعہ رقمیں حاصل کر کے اپنا پیٹ پالتے

ہیں اور اپنے شریف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ شرعاً اس سے زیادہ ذلیل کون ہوگا جس کی کمائی حلال نہ ہو یا مشتبہ ہو۔

الغرض! اہل ایمان عقل سے نہیں ایمان سے سوچتے ہیں۔ وہ جب اس بات میں یکسو ہوجاتے ہیں کہ اللہ کا راستہ یہی ہے اور آج اس راستے کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اس کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے اپنی جان نذر کردوں تو پھر طاقت اور قوت کے فلسفے ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ وہ بڑی سے بڑی طاقت سے دیوانہ وار ٹکرا جاتے ہیں انھیں یقین ہوتا ہے کہ ہماری پشت پر اللہ کی طاقت ہے۔ اور اللہ کی طاقت پر کوئی دوسری طاقت غالب نہیں آسکتی لقائے ربانی اور رضائے الٰہی کے مشتاق بندوں نے عرض کی کہ ایسا تو کتنی مرتبہ ہوا کہ چھوٹا گروہ اپنے سے بڑے گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ پھر جب لشکر آمنے سامنے آئے تو لشکرِ مومنین کے ثابت قدم مجاہدوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں دشمن کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں صبر کی توفیق دے اور ہمیں ثابت قدمی نصیب فرما اور کافروں کے مقابلے میں ہمیں اپنی حمایت و نصرت عطا فرما۔

# میدانِ جنگ کی دعائیں/حضرت داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کا تعارف/ اسلام میں فلسفہ جہاد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا
عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَھَزَمُوْھُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰـہُ اللّٰہُ
الْمُلْکَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَہٗ مِمَّا یَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ ۙ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ
بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۵۲﴾

## جامع اور حسن ترتیب سے آراستہ دعا

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَمَّا | اور جب | بَرَزُوْا | آمنے سامنے (ہوئے) | لِجَالُوْتَ | جالوت کے |
| وَجُنُوْدِہٖ | اور اس کے لشکر کے | قَالُوْا | (تو) انہوں نے کہا | | |
| رَبَّنَآ | اے ہمارے رب | اَفْرِغْ | ڈال دے | عَلَیْنَا | ہم پر |
| صَبْرًا | صبر | وَّثَبِّتْ | اور جمائے رکھ | اَقْدَامَنَا | ہمارے قدم |
| وَانْصُرْنَا | اور ہماری مدد کر | عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ | اس کافر قوم پر (250) | | |

آج کے درس میں سب سے پہلے اسی دعا کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ جب بنی اسرائیل جالوت کے لشکر کے سامنے ہوئے قَالُوْا تو انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور کہنے لگے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا اے ہمارے پروردگا! ہم پر صبر ڈال دے ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اَفْرِغْ عَلَيْنَا : یہ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے، جس کا معنی برتن انڈیل کر خالی کرنا ہے، یعنی انھوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم پر پورا صبر انڈیل دے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔ یہ بڑی جامع اور حسن ترتیب سے آراستہ دعا ہے، کیونکہ صبر آتا ہے تو ثابت قدمی ملتی ہے ثابت قدمی ہو تو نصرت الٰہی ملتی ہے۔ جالوت اس دشمن قوم کا کمانڈو اور سربراہ تھا جس سے طالوت اور ان کے رفقا کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم عمالقہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شہرت کے پیش نظر، عین معرکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الٰہی میں صبر وثبات اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح وکامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نصرت الٰہی کے لئے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبگار رہیں، جیسے جنگ بدر میں نبی ﷺ نے نہایت الحاح وزاری سے فتح ونصرت کی دعائیں مانگیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔ معلوم ہوا مومن کے لیے میدان جنگ میں بھی تیاری کے باوجود سب سے بڑا ہتھیار اللہ پر اعتماد اور اس سے دعا ہے۔ یہی اللہ کے نیک بندوں کی علامت ہے کہ وہ اپنی ہمت اور سامان جنگ پر ہی بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عاجزی سے اللہ کو یاد کرتے اس سے صبر اور ثابت قدمی کی توفیق طلب کرتے اور اپنی فتح کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں اور جالوت کے اس مختصر سے لشکر نے بھی اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں۔ دعا ایک ایسی اعلیٰ وارفع چیز ہے جس کے ذریعے انسان اپنے رب کے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے۔ خاص طور پر میدان جنگ میں غیر مسلم قوتیں اپنی طاقت کے غرور میں شراب پی کر اور گانے گاتے ہوئے جنگ کی ابتداء کرتے ہیں۔

## میدان جنگ میں نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کا منظر

جب کہ ایمان والے جنگ شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر فتح کی دعائیں کرتے ہیں کیونکہ دعا ایسی چیز ہے جو ساری عبادت کا نچوڑ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے ایک حدیث میں ہے اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ: فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے۔ میدان جنگ میں نبی کریم ﷺ اللہ رب العزت پر کامل توکل فرماتے تھے، عسکری حکمت عملی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ گڑگڑا کر دعا کرتے اور اللہ سے فتح و نصرت کی بھیک مانگتے تھے۔ آپ ﷺ کی دعائیں توحید کا مظہر، عجز و انکساری سے بھرپور اور استقامت کا بہترین نمونہ ہوتی تھیں مختلف جنگی مواقع پر آپ ﷺ کی چند اہم دعائیں اور ان کے احوال درج ذیل ہیں: چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمام غزوات میں میدان جنگ میں پہنچ کر دعائیں کی ہیں۔ مثلاً: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ، بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔ اے اللہ تو ہی میرا بازو اور میرا مددگار ہے۔ تیری مدد سے میں تدبیر کرتا ہوں۔ تیری مدد کے ساتھ میں دشمن کا استیصال کرتا ہوں اور تیری ہی مدد کے ساتھ لڑتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔

اے اللہ، اے کتاب کے نازل کرنے والے، اے جلد حساب لینے والے، اے اللہ (دشمن کی) فوجوں کو شکست دے، اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں جھنجوڑ دے۔

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔

اے اللہ ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں گھبراہٹوں سے امن دے۔

الغرض! طالوت مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ میدان میں اترا۔ اللہ کے نبی سموئیل (علیہ السلام) بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جالوت کا کثیر لشکر دیکھ کر دل دہل گیا۔ اس وقت گڑگڑا کر دعا کی ربنا اے ہمارے پروردگا! دعا کے ابتداء میں خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت کو مقدم رکھا۔ کیونکہ پالنا اور درجہ

کمال تک پہنچانا صفت ربوبیت کا کرشمہ ہے۔ ربنا کے لفظ کے ساتھ اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جیسا کہ اکثر دعاؤں کی ابتداء میں یہ لفظ آتا ہے جیسے "رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنیا جیسے رَبَّنَا هَبْ لَنَا یا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وغیرہ یہاں پر یہ دعا کی رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا اے ہمارے رب! ہم پر صبر (کا فیضان) ڈال دے،۔ ہم میں صبر کا مادہ پیدا ہو جائے وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہمارے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے اور ہم دلجمعی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ ایسا موقع تھا کہ دشمن کی قوت کو دیکھ کر اہل ایمان کو سخت پریشانی لاحق تھی حتیٰ کہ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ ان کے دل اچھل کر گلے تک آگئے تھے، کا منظر تھا تو اس حالت میں وہ رب العزت سے دعا کر رہے تھے کہ مولا کریم! ہمیں دشمن کے مقابلے میں صبر کی دولت عطا کر اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور پھر آخری بات یہ کہی وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما اور ان پر غلبہ عطا فرما۔ کفار کے پروگرام کے داعی ہیں۔ اور اہل ایمان حق کا کلمہ بلند کرنا چاہتے ہیں۔ نیکی، اطاعت اور تیری رضا کا پروگرام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان کی نصرت فرما۔ یہ دعا مشکل حالات میں صبر، استقامت اور کامیابی کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اور شدید آزمائش، جنگ یا دشمن کے سامنے استقامت کے لیے مانگی جاتی ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فَهَزَمُوهُم | پھر انہوں نے شکست دی انہیں | بِإِذْنِ اللهِ | اللہ کے حکم سے | | |
| وَقَتَلَ | اور قتل کیا | دَاوُدُ | داود نے | جَالُوتَ | جالوت کو |
| وَآتَاهُ اللهُ | اور اللہ نے اُس (داوود) کو عطا کی | الْمُلْكَ | بادشاہی | | |
| وَالْحِكْمَةَ | اور حکمت | وَعَلَّمَهُ | اور سکھایا اُس کو | | |
| مِمَّا | اُس سے جو | يَشَاءُ | (اللہ نے) چاہا | وَلَوْلَا | اور اگر نہ |
| دَفْعُ اللهِ | ہٹاتا اللہ | النَّاسَ | لوگوں کو | بَعْضَهُم | اُن کے بعض |
| بِبَعْضٍ | بعض کے ذریعے سے | لَّفَسَدَتِ | ضرور تباہ ہو جاتی | | |
| الْأَرْضُ | زمین | وَلَٰكِنَّ اللهَ | اور لیکن اللہ | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ذُوْ فَضْلٍ | بڑا فضل والا ہے | عَلَى الْعٰلَمِيْنَ | جہانوں پر۔(251) |

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ : چنانچہ ان تھوڑے سے مسلمانوں نے جالوت کے لشکروں کو اللہ کے حکم سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے، جو اس وقت ایک سپاہی تھے، کفار کے بادشاہ جالوت کو قتل کر دیا، جب دونوں لشکر میدانِ جنگ میں آمنے سامنے ہوئے تو جالوت نے بنی اسرائیل سے مقابلہ کرنے والا طلب کیا۔ وہ اس کی قوت و جسامت دیکھ کر گھبرا گئے کیونکہ وہ بڑا جابر، قوی، شہ زور، عظیم الجثہ اور قد آور تھا۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو جالوت خود سامنے آیا، اور آ کر دعوت مبارزت دینے لگا وہ سارے کا سارا لوہے میں ڈوبا ہوا تھا، صرف چہرہ اور آنکھیں ننگی تھیں۔ داؤد (علیہ السلام) نے راہ میں سے دو تین پتھر اس غرض سے اٹھا لیے تھے۔ آپ نے یکے بعد دیگرے یہ تینوں پتھر فلاخن میں رکھ کر ان سے جالوت پر حملہ کیا جو اس کی پیشانی پر لگے اور اس کے سر کو چیرتے ہوئے پیچھے گدی تک نکل گئے، جس سے جالوت مر کر گر پڑا۔ اس واقعہ سے جالوت کے لشکر کے حوصلے پست ہو گئے اور طالوت کے اس مختصر لشکر کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ حضرت داؤد (علیہ السلام) اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے بکریاں چرایا کرتے تھے، پھرتیلا، مضبوط اور چست بدن تھا۔ بہت اچھے نشانہ باز تھے اور جو وحشی جانور بکریوں کے ریوڑ پر حملہ آور ہوتے۔ پتھروں کے ذریعہ ہی انہیں مار ڈالتے یا مار بھگاتے تھے۔ وہ اتنے جرات مند اور طاقتور تھے کہ اگر کوئی درندہ ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کے نچلے جبڑے پر پاؤں رکھ کر اوپر کے جبڑے کو اس زور سے کھینچتے تھے کہ اسے چیر کے رکھ دیتے تھے بہر حال طالوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں سلطنت اور حکمت یعنی نبوت عطا فرمائی اور جو چاہا سکھایا، ان کو سکھائے گئے علوم میں سے قرآن مجید میں ان کے اسلحہ سازی کے علم، پرندوں کی بولی کے علم اور حکم یعنی قوت فیصلہ کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ان کی خوش الحانی اور پرندوں اور پہاڑوں کے ان کے ساتھ تسبیح کرنے کا بھی ذکر ہے۔ نادان لوگ کہتے ہیں کہ لڑائی کرنا نبیوں کا کام نہیں، اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جہاد ہمیشہ سے رہا ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ شہروں کو ویران کر ڈالیں۔ (موضح) اس واقعہ کے بعد طالوت نے

اپنی بیٹی کا داوٗد (علیہ السلام) سے نکاح کر دیا اور طالوت کے بعد داوٗد (علیہ السلام) ہی اس کے جانشین ہوئے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی گروہ قوت و اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر انسانی حد سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کسی دوسرے گروہ کو اٹھا کر اس کی سرکوبی کروا دیتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین میں امن قائم نہ ہوسکتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کا انتظام برقرار رکھنے کے لیے اپنا ضابطہ بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کسی قوم کو ایک خاص حد تک زمین میں غلبہ و طاقت حاصل کرنے کی قوت و توفیق عطا فرماتا ہے۔ پھر جب وہ قوم فساد فی الارض میں مبتلا ہو کر اس حد خاص سے آگے بڑھنے لگتی ہے تو کسی دوسری قوم کے ذریعہ اس کا زور توڑ دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا اور ایک ہی قوم یا پارٹی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا تو اس کا ظلم و تشدد انتہا کو پہنچ جاتا اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں فساد عظیم بپا ہو جاتا۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ تمام اقوام پر اس کی بہت مہربانی ہے۔

طالوت و جالوت اور حضرت داوٗد عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کے پورے واقعہ میں بہت سے سبق ہیں:

(1)......ثابت قدمی کم لوگوں ہی کو نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہ بہت عظیم خوبی ہے۔

(2)...... جہاد سے پہلے آزمائش کر لینا بہتر ہوتا ہے۔ عین وقت پر کوئی بزدلی دکھائے تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ حالتِ امن میں فوج کی تربیت اور محنت و مشقت اسی مقصد کیلئے ہوتی ہے۔

(3)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بڑے امتحان سے پہلے چھوٹے امتحان میں سے گزر لینا چاہیے اس سے دل میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ گرمیوں میں روزے رکھنا تکلیف دہ ہے تو ہلکے گرم موسم میں روزے رکھتے رہنا چاہیے تاکہ مشق ہو جائے۔ بڑی چیزوں پر صبر کرنا مشکل ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں پر صبر کا خود کو عادی بنائیں، سخاوت کرنے سے دل رکتا ہو تو روزانہ تھوڑا تھوڑا مال صدقہ کرتے رہیں۔ الغرض یہ قرآن کا ایک اصول ہے جو علمِ نفسیات میں بھرپور طریقے سے استعمال ہوتا ہے، اس کے ذریعے اپنے سینکڑوں معمولات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

(4)......مومن کو اسباب مہیا کرنے چاہئیں لیکن بھروسہ اپنے رب تعالیٰ پر ہی ہونا چاہیے۔لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ: تو ضرور زمین تباہ ہو جائے۔ یہاں جہاد کی حکمت کا بیان ہے کہ جہاد میں ہزاروں مصلحتیں ہیں، اگر گھاس نہ کاٹی جائے تو کھیت برباد ہو جائے، اگر آپریشن کے ذریعے فاسد مواد نہ نکالا جائے تو بدن بگڑ جائے، اگر چور ڈاکو نہ پکڑے جائیں تو امن برباد ہو جائے۔ایسے ہی جہاد کے ذریعے مغروروں، باغیوں اور سرکشوں کو دبایا نہ جائے تو اچھے لوگ جی نہ سکیں۔کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمتیں جاری وساری ہیں، ان کو سمجھنا ہر ایک کے بس میں نہیں۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| تِلْكَ | یہ | اٰيٰتُ اللّٰهِ | اللہ کی آیتیں ہیں | نَتْلُوْهَا | ہم اُن کو پڑھتے ہیں |
| عَلَيْكَ | آپ پر | بِالْحَقِّ | حق کے ساتھ | وَاِنَّكَ | اور بیشک آپ |
| لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ | | | البتہ رسولوں میں سے ہیں (252) | | |

یہ گزشتہ واقعات، جو آپ (ﷺ) پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد (ﷺ) یقیناً آپ کی رسالت وصداقت کی دلیل ہیں، کیوں کہ آپ (ﷺ) نے یہ نہ کتاب میں پڑھے ہیں، نہ کسی سے سنے ہیں۔جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرما رہا ہے۔قرآن کریم میں متعدد مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کے بیان کو آپ (ﷺ) کی صداقت کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِي إِمَامًا وَنُورًا وَهُدًى وَرَحْمَةً، اللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِي مِنْهُ مَا نَسِيتُ، وَعَلِّمْنِي مِنْهُ مَا جَهِلْتُ، وَارْزُقْنِي تِلَاوَتَهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لِي حُجَّةً يَارَبَّ الْعَالَمِينَ○

ترجمہ: اے اللہ! قرآن کی برکت سے مجھ پر رحم فرما اور اسے میرے لیے رہنما، نور، ہدایت اور رحمت بنا دے۔اے اللہ! اس میں سے جو میں بھول گیا ہوں مجھے یاد دلا دے اور جو نہیں معلوم وہ مجھے سکھا دے، اور مجھے رات کے اوقات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما، اور اسے میرے حق میں حجت (دلیل) بنا دے، اے تمام جہانوں کے رب۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ تَعَلُّمِ الْقُرْآنِ وَتَعْلِیْمِہٖ

ترجمہ: اے اللہ قرآن سیکھنے اور سکھانے میں ہمارے لئے برکت عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سنوارنے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

☆☆☆☆

# ہماری دیگر مطبوعات

www.umarlibrary.org